اسلام میں تجارت

کا

طریقہ

شریعت کی روشنی میں

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

(صدر جمعیت پیام امن، لکھنؤ)

جمعیت پیام امن

مرکز التوحید، الاسلامی امن کالونی (سکروری)

ہردوئی روڈ، لکھنؤ (یو، پی) انڈیا-227107

© جملہ حقوق محفوظ

نام	:	اسلام میں تجارت کا طریقہ
مصنف	:	مفتی محمّد سرور فاروقی ندوی
ناشر	:	جمعیت پیام امن، مرکز التوحید، الاسلامی امن کالونی (سکروری) ہردوئی روڈ، لکھنؤ (یو، پی) انڈیا
کمپوزیٹر	:	عطاء اللہ صدیقی
اردو ایڈیشن	:	پہلی بار
تعداد کتب	:	۳۰۰۰
سال	:	۲۰۱۳
قیمت	:	۱۲۰ روپئے

Writer : Mufti Mohd Sarwar Farooqui Nadwi

Publisher : Jamiat Payam-e-Amn,

Markaz-ut- Tauheed Al-Islami Amn Colony (Sikrauri)

Hardoi Road, Lucknow (U.P.) India-227107

Website: www.islamicjpamn.com

E-Mail: jpa_lko@yahoo.com, siddiquilko@yahoo.com

Phone No. 9919042879,9984490150

ملنے کے پتے

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات، ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ (لکھنؤ)

۲۔ مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء (لکھنؤ)

۳۔ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد ۳۱ (لکھنؤ)

۴۔ جامعہ دار ارقم، ارقم نگر، محمد پور گونتی (فتحپور) ہسوہ

۵۔ مکتبہ حرمین امین آباد، مرکز والی مسجد (لکھنؤ)

فہرست مضامین

موضوع	صفحہ نمبر
مقدمہ	۱۶
اسلامی معاملات	۱۸
تجارت کے معنیٰ	۱۸
تجارت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد	۱۸
تجارت کی چند اصطلاحیں	۲۱
بیع	۲۱
شراء	۲۱
ایجاب وقبول	۲۱
بیع صحیح	۲۲
بیع فاسد	۲۲
بیع باطل	۲۳
بیع موقوف	۲۳
الفضولی	۲۳
بیع نافذ	۲۳
بیع لازم	۲۳
بیع غیر لازم	۲۳
مال	۲۴
مال متقوم	۲۴
ثمن	۲۴
الثمن المسمی	۲۵
قیمت	۲۵
بیع کی قسمیں	۲۵
بیع تعاطی	۲۵

موضوع	صفحہ نمبر
ملکیت	۲۶
غبن فاحش یا زبردست نقصان	۲۶
باطل	۲۷
بیع باطل وفاسد کا حکم	۲۷
تراضی یعنی رضامندی	۲۸
تجارت کیا ہے	۲۹
خرید وفروخت کا طریقہ	۲۹
عملی اقرار	۳۰
تحریر کے ذریعہ	۳۱
ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کے ذریعہ	۳۱
سود اور قیمت کا بیان	۳۱
مبیع کا بیان	۳۱
فروخت کرنے کا طریقہ	۳۳
ملکیت کی تعریف	۳۳
ملکیت میں آنے کی چند صورتیں	۳۴
پہلی صورت	۳۵
دوسری صورت	۳۵
تیسری صورت	۳۵
مبیع کی تیسری صورت	۳۶
مبیع کی چوتھی صورت	۳۶
مبیع کی پانچویں صورت	۳۷
چھٹی صورت	۳۷
بیع میں خود بخود داخل ہونے والی اشیاء	۳۷
ناپ تول یا گن کر بیچنے کی اجازت	۳۸
ثمن یعنی قیمت کا بیان	۴۰

موضوع	صفحہ نمبر
نیلامی کا طریقہ	۴۲
بائع ومشتری کے معاملہ فسخ کرنے کا طریقہ	۴۳
خیارِ شرط	۴۴
موت کے بعد خیارِ شرط	۴۵
خیار نہ ہونے والی چیزیں	۴۶
خیارِ وصف	۴۶
خیارِ رویت	۴۷
نمونہ دیکھنے کے بعد	۴۸
ایک چیز پر دوسری چیز کا اندازہ	۴۸
کھانے پینے والی چیزوں کے چکھنے کا اختیار	۴۸
دوبارہ خیار کا حق نہیں	۴۹
نمائندہ کا دیکھنا	۴۹
استعمال کے بعد واپسی کا حق نہیں	۵۰
اندھے کا خیار	۵۰
مکان کے کمروں کا دیکھنا	۵۰
ڈھیر کی چیزیں	۵۰
خیارِ عیب	۵۱
عیب کی تعریف	۵۱
عیب بتانے کے بعد	۵۲
خریدار کے گھر کا عیب	۵۲
عیب معلوم ہونے کے بعد	۵۳
گھر میں دیکھنے پر خرابی معلوم ہو	۵۳
غلّہ میں گرد وغبار ہو تو	۵۴
سبزیوں کا عیب کاٹنے کے بعد معلوم ہونے پر	۵۴
مقررہ مدت کا خیار	۵۵

موضوع	صفحہ نمبر
بائع اور مشتری کے اختیارات	۵۵
معاملہ طے ہوگیا لیکن خریدار نے قیمت نہیں دی	۵۶
زمین کی فصل کا حکم	۵۶
قبضہ میں دشواری نہ ہو	۵۷
جہاں چیز بیچی جائے وہیں سپرد کی جائے	۵۷
خریدار کو مال کا پتہ نہ ہو	۵۸
قیمت ادا کرنے سے پہلے	۵۸
قبضہ سے پہلے سامان خراب ہوگیا	۵۸
معاملہ طے ہونے کے بعد بائع اگر مر جائے	۵۹
بخوشی زیادہ چیز دینے کی گنجائش	۵۹
قیمت کی ادائیگی اور مبیع کے اخراجات	۶۰
قیمت کی ادائیگی سے متعلق خرچ	۶۰
لکھنے پڑھنے کے اخراجات	۶۰
تولنے کی ذمہ داری	۶۰
اندازے سے بیچی گئی چیزوں کا حکم	۶۱
کسی چیز کے بھیجنے کے اخراجات	۶۱
تبادلے کی شکل میں	۶۱
بیع کے تین طریقے	۶۱
نقد فروخت کرنا	۶۲
قیمت ادھار ہو تو	۶۲
قیمت سے پہلے لی جائے اور سودا بعد میں دے	۶۲
بیع نَسِیَہ	۶۲
ادھار میں بائع کی رضامندی ضروری ہے	۶۳
قیمت کی ادائیگی میں تاریخ کا تعین	۶۳
ادھار مال لینے کے بعد	۶۳
ادھار کے مدت کی شروعات	۶۳

صفحہ نمبر	موضوع
۶۴	قسط مقرر کرنا
۶۴	نقد ادھار میں فرق
۶۴	بائع کو پریشان کرنا حرام ہے
۶۵	بیع سَلَم
۶۶	بیع سلم کی شرطیں
۶۸	بیع استصناع
۶۸	بیع کے ناجائز طریقے
۶۹	بیع باطل کا حکم
۶۹	بیع فاسد مکروہ کا حکم
۶۹	بیع باطل
۶۹	چاندی اور سونے کی بنی ہوئی چیزیں
۷۰	سونے چاندی کے سکّے
۷۱	بدلنے کی صورت میں
۷۱	تول کر بکنے والی چیزیں
۷۲	دوسری صورت
۷۳	پیمانے سے بکنے والی چیزیں
۷۳	ناپ کر گنتی سے بکنے والی چیزیں
۷۳	الگ الگ قسم کی چیزیں
۷۴	جوا اور شرط والے کاروبار
۷۴	میسر یعنی جوئے کی تعریف
۷۵	بیع منابذہ
۷۶	بیع الملامسہ اور بیع الحصاۃ
۷۶	لاٹری اور معمّہ بازی
۷۷	بیمہ کی شرعی حیثیت
۷۷	بیمہ میں دھوکہ ہے
۷۹	انشورنس کا طریقہ کار

صفحہ نمبر	موضوع
۷۹	انشورنس کے شرائط
۷۹	پہلی شرط
۷۹	دوسری شرط
۸۰	انشورنس کی شرعی حیثیت
۸۱	سود کی شکل میں
۸۱	پہلی صورت
۸۱	دوسری صورت
۸۴	قمار بازی
۸۵	قمار کے بارے میں علمائے اسلام کا فیصلہ
۸۶	خطر اور غرر
۸۷	رشوت
۸۷	مستقبل کے سودے
۸۸	بیع الحبلہ کے بعض اور مسائل
۸۹	جس کاروبار میں فریب یا دھوکہ ہو
۸۹	غش اور مصرّاۃ
۹۰	غیر موجود یا اُدھار مال یا قیمت
۹۱	جن چیزوں سے جرائم کی ترغیب ہوتی ہو
۹۱	بیع عینہ
۹۲	دام پر دام لگانا
۹۲	بیعانہ یا ایڈوانس
۹۲	بیع تلجۂ
۹۳	کمیشن کی صورتیں
۹۳	ایجنٹ کا مال
۹۳	باغ کا پھل
۹۵	وراثت یا ہدیہ کا مال
۹۶	تیل یا گھی کا بیچنا

صفحہ نمبر	موضوع
۹۶	بکری ادھیا پر دینے کا حکم
۹۷	جاندار کھلونے
۹۷	واپس کی ہوئی چیز
۹۷	مرغ کی خریداری
۹۸	بھاگنے والا جانور
۹۸	منحوس مکان
۹۸	ٹکٹ کا بیچنا
۹۸	راستہ میں مال کا نقصان
۹۹	ویڈیو اور ٹی وی
۹۹	احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی
۱۰۲	مضاربت کے معنٰی
۱۰۴	بعض ضروری اصطلاحیں
۱۰۴	مضاربت کی تعریف
۱۰۵	مضاربت کی قسمیں
۱۰۵	معاہدہ توڑنے کا اختیار
۱۰۶	مضاربت کے صحیح ہونے کی شرطیں
۱۰۷	کن چیزوں سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے
۱۰۷	رب المال اور مضارب کے حقوق واختیارات
۱۰۸	رب المال یعنی سرمایہ لگانے والے کے حقوق واختیارات
۱۰۹	انفرادی کاروبار
۱۰۹	قراض یا مضاربت
۱۰۹	اُجرت اور قراض میں فرق
۱۱۰	قراض کا عمل درآمد اسلام سے پہلے
۱۱۰	رسول اللہ ﷺ کا عمل
۱۱۰	صحابہ کرام کا عمل
۱۱۱	قراض کے متعلق فقہاء کے بیانات

صفحہ نمبر	موضوع
۱۱۱	منافع میں مزدوروں اور سرمایہ داروں کا حصہ
۱۱۱	اسلام معاشرے میں قراض کی اہمیت
۱۱۲	مضاربت (محنت کرنے والے) کے اختیارات
۱۱۵	مضارب کے حقوق واختیارات
۱۱۹	کمیشن کا کاروبار
۱۲۰	پہلی شرط
۱۲۰	دوسری شرط
۱۲۱	تیسری شرط
۱۲۲	شرکت کی قسمیں
۱۲۲	شرکت املاک کی تعریف
۱۲۳	شرکت عقود
۱۲۴	شرکت عقود کی تعریف
۱۲۵	معاہدہ کب فسخ ہوسکتا ہے
۱۲۵	شرکت عقود کی قسمیں
۱۲۶	مجلس انتظامیہ
۱۲۷	شرکت مفاوضہ
۱۲۷	شرکت عنان
۱۲۸	شرکت عنان کی تعریف
۱۲۹	سرمایہ میں کمی زیادتی
۱۲۹	نفع میں کمی زیادتی
۱۳۰	نفع کے مقدار کی تقسیم
۱۳۰	نفع کا اثر
۱۳۰	نفع ونقصان میں شرکت
۱۳۱	معاہدہ فسخ ہونے پر تقسیم
۱۳۱	برابر کا حق
۱۳۱	شرکت کا مال ملانا

موضوع	صفحہ نمبر
ذاتی کاروبار	۱۳۲
قرض کا اختیار	۱۳۲
غیر سودی قرض	۱۳۲
مشترکہ سرمایہ	۱۳۳
شرکاء کا تاوان	۱۳۳
نقصان کی ذمہ داری	۱۳۳
شرکت اعمال یا شرکت صنائع	۱۳۳
شرکت اعمال کی شرطیں	۱۳۴
تقاضے کا حق	۱۳۵
شرکاء کا آرڈر	۱۳۵
آرڈر دینے والے سے مزدوری	۱۳۵
ایک شریک نے کام کیا دوسرے نے نہیں کیا	۱۳۶
نقصان کی ذمہ دار	۱۳۶
کام اور اوزار	۱۳۷
کرایہ میں تقسیم	۱۳۷
عورتوں اور بچوں کی شرکت	۱۳۷
شرکت الوجوہ	۱۳۷
طبی شراکت	۱۳۹
تعلیمی شراکت	۱۳۹
زرعی شراکت یا مشترکہ کاشت	۱۳۹
معدنی شراکت	۱۴۰
شراکت حمل ونقل (ٹرانسپورٹ کمپنی)	۱۴۰
انفساخ شرکت	۱۴۱
مشترکہ سرمایہ دار کمپنی	۱۴۱
قرض کے معنی اور اس کی تعریف	۱۴۳
قرض اور اُدھار کا معاملہ لکھ کر کرے	۱۴۴

موضوع	صفحہ نمبر
قرض دینے والے کو ہدایتیں	۱۴۵
محنت کے مسائل	۱۴۸
جسمانی محنت سے استفادہ	۱۴۸
دماغی محنت سے استفادہ	۱۴۹
حضرت یوسفؑ کی نوکری	۱۵۰
محنت کے معیار کو بلند کرنا	۱۵۱
آزادی پیشہ	۱۵۵
حقیر سے حقیر پیشہ	۱۵۷
مدینے میں مہاجرین وانصار	۱۶۰
کفالت کے معنٰی	۱۶۲
اصطلاحات	۱۶۲
کفالت کا طریقہ	۱۶۲
کفالت کے شرائط	۱۶۳
کفیل کی ذمہ داریاں	۱۶۴
کفالت کن چیزوں میں ہوسکتی ہے	۱۶۴
ریلوے ضامن اور کفیل ہے	۱۶۴
ڈاک خانہ کی حیثیت	۱۶۵
کسی چیز کے پہونچانے کا بیمہ	۱۶۵
حوالہ کی شرعی تعریف	۱۶۶
حوالہ کی قسمیں	۱۶۷
حوالہ کے صحیح ہونے کی شرطیں	۱۶۸
حوالہ کا حکم	۱۶۸
غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالت	۱۷۰
رہن ایک اخلاقی ذمہ داری ہے	۱۷۱
رہن کی شرعی تعریف	۱۷۲
رہن کے ارکان وشرائط	۱۷۳

موضوع	صفحہ نمبر
راہن کی ذمہ داریاں اور حقوق	۱۷۳
مرتہن کی ذمہ داریاں	۱۷۵
امانت اور حفاظت	۱۷۷
امانت و ودیعت میں فرق	۱۷۷
امانت کا حکم	۱۷۸
لقطہ کا حکم	۱۷۸
عاریت کی تعریف	۱۷۹
عاریت کا حکم	۱۷۹
ہبہ، ہدیہ اور عاریت میں فرق	۱۸۲
ہدیہ کی تعریف	۱۸۳
صدقہ کی تعریف	۱۸۳
ہبہ کی تعریف	۱۸۳
ہبہ کی اصطلاحات	۱۸۴
ہبہ کے ارکان و شرائط	۱۸۴
اجارہ کے معنٰی اور اس کی تعریف	۱۸۶
کرایہ پر لینا دینا	۱۸۷
کرایہ کا معاملہ کب ختم ہوسکتا ہے	۱۹۰
پگڑی کا حکم	۱۹۱
کرایہ کے بعض مسائل	۱۹۳
خیار شرط، خیار رویت اور خیار عیب	۱۹۶
ریل اور دوسری سواریوں کے احکام	۱۹۷
مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت	۱۹۸
چند اصطلاحین	۱۹۹
قرآن وحدیث کی ہدایتیں	۲۰۰
مزدور کی مزدوری	۲۰۲
ضروری ہدایات	۲۰۳

موضوع	صفحہ نمبر
اجرت اور اجیر و متاجر کے حقوق	۲۰۵
اجرت کا معاملہ	۲۰۵
معاہدہ کب فسخ ہوسکتا ہے	۲۰۶
اسٹرائیک اور کارخانہ بندی	۲۰۶
معاہدہ اجرت کے شرائط	۲۰۷
محنت کش جانوروں کے حقوق	۲۱۱
جانوروں کے حقوق	۲۱۲
قانونی حیثیت	۲۱۳
اجارۂ ارض، مزارعت کی تعریف اور حکم	۲۱۵
مزارعت کی حیثیت	۲۱۵
اسلامی شریعت میں ملکیت کی حیثیت	۲۱۵
ملکیت میں آنے کی صورتیں	۲۱۶
غیر مسلم کا حکم	۲۱۷
راستہ اور گذرگاہ کا حق	۲۱۷
شفعہ	۲۱۹
شفعہ کی تعریف	۲۱۹
شفعہ کی چند اصطلاحیں	۲۱۹
شفعہ کے اسباب	۲۲۰
حق شفعہ میں ترغیب	۲۲۰
شفعہ کے شرائط اور بعض مسائل	۲۲۱
مسلم اور غیر مسلم شفعہ میں برابر ہیں	۲۲۳
وکالت کے معنٰی	۲۲۳
وکالت اور وکیل کی حیثیت	۲۲۴
وکالت کے ارکان و شرائط	۲۲۶
وکیل کی برطرفی	۲۳۰

موضوع	صفحہ نمبر
وقف	۲۳۰
وقف کی تعریف	۲۳۱
وقف کا حکم	۲۳۲
مکان وزمین کی تقسیم	۲۳۲
وراثت ووصیّت	۲۳۴
کلالہ	۲۴۰
عینی یعنی حقیقی اور علاتی بھائی بہن	۲۴۱
ذوی الفروض کی تعداد	۲۴۱
اسلام میں انفرادی ملکیت کے حدود	۲۴۲
تجہیز وتکفین قرض اور وصیت	۲۴۲
تجہیز وتکفین	۲۴۳
وصیت کے شرائط	۲۴۳
وصیت سے وارث کی صورتیں	۲۴۵
جائز وصیتیں	۲۴۵

مقدمہ

محسن ملت حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی

کے قلم سے

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، چانسلر انٹگرل یونیورسٹی، ایڈیٹر البعث الاسلامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب مفتی محمد سرور فاروقی ندوی صدر 'جمعیت پیام امن' لکھنؤ اپنے تبلیغی و تصنیفی کاموں کے لئے مشہور ہیں، وہ اردو اور عربی دونوں زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندی زبان کے ماہر بھی ہیں، انہوں نے ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے، اور اس کی تفسیر لکھی ہے، اسی کے ساتھ انہوں نے ہندی زبان میں اسلامی لٹریچر کی ایک بڑی تعداد تیار کی ہے، اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت اچھے پیرایۂ بیان میں ہندی زبان میں پیش کیا ہے، اس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخری نبی ہونے کی شہادت خود ہندو مذاہب کی موثوقہ کتابوں سے پیش کیا ہے، اور اس کو ملک کے اکثریتی طبقہ کے نوجوانوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا یہ عمل نتیجہ خیز ثابت ہوا، اور اسلام کے سمجھنے میں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ادراک کرنے میں لوگوں کو بہت آسانی ہوئی، اور نوجوانوں کے ذہنوں کو اسلام سے قریب تر کرنے کا فائدہ حاصل ہوا۔

انہوں نے اسلام کا تعارف پیش کرنے کے لئے ایک وقیع لٹریچر ہندی زبان میں تیار کر دیا ہے، اور اس کا فائدہ بھی حسب توقع ظاہر ہو رہا ہے، اور دین کی خدمت کرنے کی سعادت اس ذریعہ سے بھی ان کو حاصل ہو رہی ہے، ابھی حال ہی میں انہوں نے ہندو

دھرم کے اوپر ایک مفصل کتاب ہندی میں تیار کی ہے، اسی طرح اردو زبان میں بھی بچوں کی ذہن سازی کے لئے اسلامی کوئز کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے، جس میں اسلامی عقائد اور اسلامی زندگی کی تمام ضروریات کو سوال و جواب کے اسلوب میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

اس وقت ان کی کتاب ''اسلام میں تجارت کا طریقہ شریعت کی روشنی میں'' پیش نظر ہے، اس کتاب میں اسلامی نقطۂ نظر سے تجارت کے طریقوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور ذرائع معاش کے تمام اسلامی طریقوں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اسلام میں تجارت اور معاش کی سرگرمیوں کو کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کی رہنمائی میں تجارت و معاش کی جملہ تفصیلات سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کے لئے کس قدر ضروری ہے، یہ کتاب متوسط سائز کے ۲۵۰/صفحات پر مشتمل ہے۔

جناب مفتی محمد سرور فاروقی ندوی لائق صد مبارکباد ہیں کہ وہ صحیح اسلامی زندگی کی تعمیر کے لئے اسلامی شریعت کی روشنی میں مفید لٹریچر برابر شائع کرتے رہتے ہیں، ہندی زبان میں ان کا اسلامی لٹریچر خاصی تعداد میں شائع ہو چکا ہے، اور اس کے ذریعہ بہت سے نوجوانوں اور اسلامی سوچ رکھنے والے لوگوں کی زندگی بھی تعمیر ہو رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو قبول فرما کر باعث نفع عام بنائیں، اور اخلاص کے ساتھ پیام امن کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

راقم الحروف

سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی
مدیر ''البعث الاسلامی'' ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱/۷/۱۴۳۲ھ
۴/۷/۲۰۱۱ء

اسلامی معاملات

اسلام چونکہ صرف عبادات سے متعلق رہنمائی نہیں کرتا بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے کی رہنمائی کرتا ہے چاہے وہ عبادات کا ہو یا معاملات و معاشرت کا یہاں معاملات سے متعلق کچھ چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جیسے تجارت اور اس کی قسمیں، قرض، ھدیہ، شرکت، انشورنس، ھبہ، رشوت وغیرہ۔

تجارت کے معنیٰ

آپس میں لین دین اور خرید وفروخت کے لئے اسلامی شریعت میں تجارت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور بیع وشراء کا بھی، تجارت کے لفظی معنیٰ فائدے کے لئے لین دین کرنا اور بیع کو شراء کے معنیٰ میں اور شراء کو بیع کے معنی میں بھی بولتے ہیں۔

تجارت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد

تجارت اور ذرائع تجارت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (سورۃ جمعہ، آیت نمبر۔۹،۱۰)

مسلمانو! جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہوجائے تو تم زمین میں متفرق ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

اس آیت کے متعلق صحابہء کرام کی تفسیر یہی ہے کہ ''تجارت میں مشغول ہو جاؤ۔''
(تفسیر طبری ج۸، تفسیر آیات بالا)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (سورۃ نساء: ۲۹)

مسلمانو! ناحق طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت جو کہ آپس کی رضامندی سے ہو۔

اس کے علاوہ سورۂ الف میں قریش کے سردی اور گرمی کے سفر تجارت ''رِحلَةَ الشّتَاء و الصّيف'' کا تذکرہ کر کے اس کو ان کے بھوک ''جوع'' کے ازالے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ ''حج'' جو سراسر ایک مذہبی اور دینی مناسک کا اہم اسلامی عنصر ہے، لیکن دین کو دنیا کے ساتھ اور دنیا کو دین کے ساتھ جس خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ بقرۃ، آیت نمبر۔۱۹۸)

حج کے دنوں میں اپنے رب کا فضل حاصل کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ''حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں عُکاظ، مجنہ، اور ذوالمجاز یہ تینوں بازار تھے جہاں ان میں حج کے دنوں میں خرید وفروخت ہوا کرتی تھی، پھر جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو انھوں نے ایام حج میں خرید وفروخت کو بُرا سمجھا، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔''
(بخاری، کتاب تفسیر القرآن باب لَيسَ عَلَيكم جُناحٌ اَن تَبتَغُوا فضلاً مِن رَبِكُم نیز بخاری کتاب البیوع، تفسیر طبری)

جس وقت مسلمان فتوحات اور حکمرانی میں زیادہ مشغول ہو گئے تو انھوں نے حج میں تجارت کرنی ترک کر دی، چنانچہ ایک زمانے کے بعد حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام ابو صالح نے تعجب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ ''امیر المومنین! کیا آپ لوگ حج میں تجارت کیا کرتے تھے؟'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''ہمارا معاش تو حج ہی میں حاصل ہوتا

تھا۔'' (تفسیر طبری ج۲،صفحہ ۱۶۰)

قرآن ہی کی طرح حدیثوں میں بھی تجارت پر خاصا زور دیا گیا ہے قطع نظر اس فضیلت کے کہ جلیل القدر صحابہ خاص کر چاروں خلفائے راشدین بلکہ خود سرور کائنات ﷺ نے تجارت میں عملی حصہ لیا ہے جو تجارت کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔

اسلامی معاشرے میں تاجر کی جو اہمیت اور عزت ہے، اس کا کچھ اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الاَمِیْنُ مع النّبیَن والصّدِیقین وَالشُھَدَاءِ سچا امانت دار تاجر انبیاء صدیقین اور شہیدوں کے ساتھ ہو۔

(تفسیر طبری ج۲ صفحہ ۱۶۰)

ایک اور حدیث میں کپڑے کی تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے نفسیاتی پہلو کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔''کپڑے کی تجارت کرو کیونکہ کپڑے کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوش حال اور فارغ البال رہیں۔'' (کنز العمال ۲، کتاب البیوع فصل فی انواع الکسب)

پھر اسلامی معاشیات نے تجارت کو پیدائشِ دولت کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا ہے۔

تِسعَةَ اَعْشَار الرِّزْقِ فِی التَّجارة روزی کے ۹/۱۰ حصے تجارت سے ہیں۔

(کنز العمال ج۲،۱۹۲)

غرض تجارتی شعبہ قومی زندگی کا بڑا اہم ستون ہوا ہے۔

لَو لَا هٰذِهِ الْبُيُوع صِرتُم عَالَةً عَلی النَّاسِ اگر تجارت نہ ہوتی تو تم لوگوں پر بوجھ ہو جاتے۔ (کنزل العمال ج۲ صفحہ ۲۱۷ فضل الکتب)

اکثر اسلامی فقہاء نے اس پر طویل بحث کی ہے کہ معاشی نقطۂ نظر سے آیا زراعت زیادہ اہمیت رکھتی یا تجارت۔

شمس الائمہ السرخسی (المتوفی ۴۴۸ھ) نے بھی اس سوال کو اُٹھاتے ہوئے پہلے رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث پیش کی ہے کہ ارشاد نبوی ہے:

''لوگوں میں اچھا وہ ہے جو لوگوں کے لئے زیادہ فائدہ رساں ہو۔''

ایسا پیشہ جس کا فائدہ زیادہ عام ہو افضل ہے۔ (المسبوط السرخی ج۳۰ صفحہ ۲۵۹ کتاب الکسب)

تجارت کی چند اصطلاحیں

چند الفاظ اور اصطلاحات کا ذکر بار بار آئے گا، اس لئے ان کی تشریح شروع میں کر دی جاتی ہے۔

ا۔بیع

بیع کے معنی بیچنے کے ہیں اور بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں اور جو چیز بیچی جائے اسے مبیع کہتے ہیں

۲۔شراء

شراء کے معنی خریدنے کے ہیں اور خریدنے والے کو مشتری کہتے ہیں، کبھی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

۳۔ایجاب وقبول

جن الفاظ سے تجارت یا بیع وشراء کا معاملہ کیا جاتا ہے، ان کو ایجاب وقبول کہتے ہیں، مثلاً بائع نے کہا کہ میں نے یہ چیز اتنے میں فروخت کی اور خریدار نے کہا کہ میں نے لے لی تو بائع کا قول ایجاب اور مشتری کا قول قبول کہا جائے گا، اگر خریدار نے پہلے کہا کہ یہ چیز مجھے چاہیئے اور دوکاندار راضی ہوگیا، تو خریدار کا قول ایجاب اور دوکاندار کا قبول کہا

جائے گا، یعنی بات چیت کی ابتدا جس کی طرف سے ہوگی، اس کے قول کو ایجاب کہیں گے۔

بیع وشراء کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو منعقد ہو، دوسرے وہ جو منعقد نہ ہو، بیع منعقد کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔صحیح

۲۔فاسد

۳۔نافذ

۴۔موقوف

جو بیع وشراء منعقد نہ ہو وہ باطل ہے، ہر ایک کی تعریف یہ ہے۔

۴۔بیع صحیح

وہ بیع جو اپنی ذات اور اپنے خارجی اوصاف کے اعتبار سے شریعت کے مطابق ہو، یعنی وہ نہ باطل ہو اور نہ اس میں عدم تراضی پائی جائے اس میں بائع قیمت کا اور مشتری بیع کا مالک ہو جائے گا۔

۵۔بیع فاسد

البیع الفاسد هو البیع المشروع اصلا لا وصفًا، وہ بیع اپنی حقیقت کے اعتبار سے صحیح ہو، لیکن بعض خارجی اسباب کی بنا پر وہ شرعاً صحیح نہ ہو، بیع کے ارکان یعنی ایجاب وقبول میں کوئی نقص ہو، مثلاً اس میں دونوں نے ثمن یعنی قیمت کا ذکر نہ کیا یا مبیع یعنی جو چیز بیچی جا رہی ہے، وہ مجہول ہو، یا جیسے آم یا امرود کے باغ کی فروخت پھل آنے سے پہلے (شرح المجلہ ص۲۰۲) بیع فاسد میں دونوں کو بیع فسخ کرنے کا اختیار رہے، لیکن اگر مشتری نے قبضہ کرلیا ہے تو وہ نافذ ہو جائے گی، مگر اس کا حکم سودی معاملہ کا ہوگا۔

(امداد الفتاویٰ، ج۳ ص۹۳)

۶۔ بیع باطل

البیع بالباطل ما لا یصح اصلا یعنی لا یکون مشروعاً اصلا۔
یعنی رکن بیع اور محل بیع دونوں میں نقص ہو، یعنی کوئی چھوٹا بچہ بیع کرے، یا کسی حرام چیز کی خرید وفروخت ہو، یا وہ مال ابھی وجود ہی میں نہ آیا ہو اور اس پر قبضہ ممکن نہ ہو۔ (شرح المجلہ ص۲۰۲)

اسی طرح مبیع یا ثمن میں کوئی ایک حرام ہو تو یہ بیع باطل ہوگی، **اذا کان احد العوضین محرما او کلاهما (الجوهرة النیرة)**

۷۔بیع موقوف

کوئی آدمی بغیر اجازت کوئی معاملہ کرے تو مشتری کی اجازت پر بیع موقوف رہے گی، یا کوئی ہوشیار بچہ معاملہ کرے تو ولی کی اجازت پر یہ بیع موقوف رہے گی۔

۸۔ الفضولی

الفضولی هو من یتصرف بحق الغیر بدون اذن شرعی بغیر شرعی اجازت کے جو کسی چیز میں تصرف کرے اسے فضولی کہتے ہیں۔

۹۔بیع نافذ

بیع نافذ کی دو قسمیں ہیں، لازم اور غیر لازم۔

۱۰۔ بیع لازم

هو البیع النافذ العاری من الخیارات یعنی وہ بیع جس میں معاملہ کو رد کرنے کا کوئی اختیار باقی نہ ہو۔

۱۱۔ بیع غیر لازم

البیع الغیر اللازم هو البیع النافذ الذی فیه الخیارات وہ بیع

نافذ جس میں بائع یا مشتری کو ردکرنے کا اختیار باقی ہو،اس کی تین قسمیں ہیں،خیارشرط، خیارعیب،خیاروصف،ان تینوں کی تعریف آگے آئے گی۔

۱۲۔مال

المال ما یمیل الیہ طبع الا نسا ن و یمکن اد خا ر ہ ،وقت الحاجۃ مال وہ ہے جس کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہواور ضرورت کے وقت اس کا جمع کرنا ممکن ہو۔

۱۳۔مال متقوم

المال المتقو م یستعمل فی معین الا و ل بمعنی ما یبا ح الا نتقا ع بہ والثانی بمعنی المال المحر ز مال متقوم دو معنی میں استعمال ہوتا ہے،ایک وہ مباح چیز جس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

دوسرے وہ مباح چیز جس کو آدمی اپنے قبضہ میں کرلے،جیسے دریا میں مچھلی مال غیر متقوم ہے،لیکن شکار کرلیا جائے تو پھر مال متقوم ہے،پہلی صورت میں بیع ناجائز ہے اور دوسری صورت میں جائز۔

اسی طرح وہ مال تو ہو مگر شریعت اسے مال نہ تسلیم کرتی ہو وہ غیر متقوم ہے۔مثلاً شراب،سود،مردار،خون وغیرہ،یہ چیزیں مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے۔

(الفقہ علی المذاھب الاربعہ،ج۲ص۴۹)

۱۳۔ثمن

الثمن ما یکو ن بد لا للمبیع و یتعلق با لذ مۃ جو مبیع کے بدلہ میں دیا جائے وہ ثمن ہے،اوراس کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔

۱۴۔ الثمن المسمی

السمی ھو الثمن الذی یسمیہ و یعینہ العا قد ان وقت البیع بالتراضي سواء کا ن مطا بقاً لقیمتہ الحقییقیۃ اونا قصا بھا اوزائداً۔

یعنی جو رقم معاملہ کرتے وقت بائع اور مشتری کی رضامندی سے مقرر ہو،اس کو ثمن کہتے ہیں،چاہے اصل قیمت سے کم ہو یا زیادہ۔

۱۵۔ قیمت

القیمۃ ھی الثمن الحقیقی للشیٔ کسی چیز کا جو حقیقی دام ہو،اسے فقہ کی اصطلاح میں قیمت کہتے ہیں۔گویا ثمن اور قیمت میں یہ فرق ہے۔ (شرح المجلہ)

۱۶۔ بیع کی قسمیں

بیع کی مبیع کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں۔

(۱) بیع المال بالثمن یعنی سودا نقد رقم لے کر بیچا جائے،اصل بیع اسی کا نام ہے۔

(۲) دوسری قسم ''بیع صرف'' ہے،یعنی نقد کا تبادلہ نقد سے یا ایک جنس کے سکّہ کا تبادلہ ایک جنس سے ہو۔

(۳) تیسری قسم ''البیع المقائضہ''،یعنی نقد کے علاوہ کسی چیز کا تبادلہ کسی دوسری چیز سے۔

(۴) 'بیع سلم' یعنی دام نقد دیا جائے اور چیز کچھ مدت بعد لی جائے،یعنی اُدھار معاملہ ہو۔

ان چار قسموں سے بیع وشراء کی اور بہت سی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۷۔بیع تعاطی

ان المقصد الا علی من الا یجا ب والقبو ل ھو ترا ضی الطر فین

فینعقد البیع با لمبا د لة الفعلية الد الة على الترا ضى و يسمى هذا بيع التعاطى ۔(المجلہ ص۲۳)

ایجاب وقبول کا مقصد یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے آپس میں راضی ہوں تو زبان سے کہے بغیر طرزِ عمل سے بھی رضامندی ہوجایا کرتی ہے، اسی عمل رضامندی سے جو معاملہ کیا جائے اسے بیع تعاطی کہتے ہیں، مثلاً دوکان پر کسی چیز کا دام لکھا ہوا ہے خریدار نے دوکاندار کو پیسہ دیا اور وہ چیز لے لی، زبان سے کچھ نہیں کہا تو اسے بیع تعاطی کہتے ہیں۔

۱۸۔ملکیت

الملك ما ملكه الا نسا ن سوا ء كان اعيا ناً اومنا فع ۔

ملکیت وہ چیز ہے، جس کا انسان مالک ہوجائے، وہ کوئی مخصوص چیز ہو، یا اس سے کوئی منفعت حاصل ہورہی ہو، اعیان میں جیسے سامان، زمین، جانور، وغیرہ اور منفعت میں جیسے کرایہ پر مکان لینا یا دنیا، اجرت پر کام کرنا، کاریگر یا صناع جو کام کرتے ہیں وہ سب اس ضمن میں آتے ہیں، اس میں ایک طرف مال ہوتا ہے اور دوسری جانب کام یا منفعت ہوتی ہے اس لئے اس کو ملکیت کہیں گے، مگر اس کو مال نہیں کہیں گے، مال اس کو کہتے ہیں جس کو جمع کیا جاسکے اور منافع کو جمع نہیں کیا جاسکتا، اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

۱۹۔غبن فاحش یا زبردست نقصان

بیع وشراء میں اگر آدمی بڑا دھوکہ کھا جائے تو اس کو غبن فاحش کہتے ہیں جس کی تعریف یہ ہے۔

غبن علی قدر نصف العشر فی العروض والعسر فی الحیوانات والخمس فی العقا ر ۔

اگر سامان کی خرید وفروخت ہو، اور پانچ فیصد نقصان ہو تو یہ غبن فاحش ہے،

حیوانات کی خرید وفروخت میں دس فیصد نقصان ہو تو یہ غبن فاحش ہے، اور اگر زمین وغیرہ ہے تو اس میں بیس فیصد نقصان غبن فاحش سمجھا جائے گا، یعنی اس وقت معاملہ ختم کرنے کا بائع یا مشتری کو اختیار ہوگا، اس سے کم میں معاملہ نافذ سمجھا جائے گا۔

۲۰۔باطل

باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جن چیزوں کو مستقلاً حرام قرار دیا ہے ان کی خرید وفروخت باطل ہوگی، مثلاً شراب، گانے بجانے کا سامان، سور کی ہر چیز، کتا، مردار گوشت اس کی چربی یا جن ذرائع سے پیسہ پیدا کرنے کو اس نے حرام قرار دیا ہے، ان ذرائع سے دولت پیدا کرنا باطل ہوگا، مثلاً سود اور جوا، سود سے مراد صرف مہاجنی سود نہیں ہے یعنی کسی کو ایک روپیہ دے کر دو روپے لینے ہی کو سود نہیں کہتے، بلکہ سودی کاروبار کی ایک بڑی لمبی فہرست ہے۔ اسی طرح موجودہ زمانے میں جوئے کی جو بے شمار قسمیں پیدا ہوگئی ہیں، ان کی تفصیل بھی بعد میں آئے گی، ان کو شریعت مسلمان کے لئے مال متقوم تسلیم نہیں کرتی۔

اسی طرح جو چیز کسی کے قبضہ میں نہ ہو یا ابھی وجود میں نہ آئی ہو، ان سب کی تجارت باطل ہوگی، اسی طرح مال کے بازار میں آنے سے پہلے پہلے تاجر اوپر اوپر جو اس کے فائدہ کو اُچک لیتے ہیں تو یہ تجارت بھی اسلام میں مکروہ اور کبھی فاسد قرار پاتی ہے۔

۲۱۔بیع باطل وفاسد کا حکم

یہاں پر صرف تجارت کے باطل ہونے کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے، اسلامی فقہ میں باطل اور فاسد تجارت کی اصطلاحی تقسیم کی گئی ہے، اس کی تعریف آچکی ہے، باطل بیع واقع ہی نہیں ہوتی اور فاسد بیع اگر بائع مشتری کو قبضہ کی اجازت دے دے تو واقع ہوجائے گی مگر اس کا شمار سودی کاروبار میں ہوگا۔

۲۲۔ تراضی یعنی رضامندی

اسلامی شریعت نے تجارت کے صحیح ہونے کے لئے دوسری شرط باہم رضامندی کی لگائی ہے۔

اس قید کے لگانے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ خریدنے والے اور بیچنے والے میں کوئی اختلاف نہ ہو، کسی کے اوپر ظلم نہ ہو، کسی کا مال ناحق نہ لے لیا جائے اس قید کی بنا پر وہ تجارت بھی رضامندی کے بغیر سمجھی جائے گی، جن میں کچھ لوگوں کا نفع تو متعیّن ہو، اور کچھ لوگوں کا غیر متعین ہو اس قید کی بنا پر وہ تجارت بھی ممنوع ہوگی، جس میں آدمی حالات و ضروریات سے مجبور ہو کر کوئی چیز خریدتا ہے، مثلاً

ذخیرہ اندوزی، سٹّہ بازی کی وجہ سے عموماً اشیاء کی قلّت اور گرانی ہوتی ہے، مگر آدمی مجبور ہو کر گراں چیز خریدتا ہے، کیونکہ اگر نہ خریدے تو کھائے اور پہنے کیا، لیکن ظاہر ہے کہ اگر اس کو یہ علم ہو جائے کہ اس کی گرانی کا اصل سبب ذخیرہ اندوز اور سٹہ باز تاجر ہیں، تو وہ انتہائی ناپسندیدگی سے اس کو خریدے گا،

اسی طرح اگر کوئی تاجر جھوٹ بول کر کسی سے زیادہ دام لے لے تو بظاہر خریدار نے رضامندی سے وہ چیز خرید کی ہے، مگر درحقیقت اس کی رضامندی اس میں شامل نہیں ہے، اس لئے اگر اس کو علم ہو جائے گا کہ جھوٹ بول کر مجھ سے دام لئے گئے ہیں تو وہ انتہائی ناراضی کا اظہار کرے گا، غرض یہ کہ دھوکے فریب، اور جھوٹ اور دباؤ کے جتنے کاروبار ہیں، وہ سب عدم تراضی اور غبن فاحش کی فہرست میں آتے ہیں۔

تجارت کیا ہے

تجارت بائع اور مشتری کے درمیان ایک معاہدے کا نام ہے، اس وجہ سے اسلامی شریعت میں اس کو عقدِ بیع کہا جاتا ہے، عقد کے معنی باندھنے اور گرہ دینے کے ہیں، یعنی اس معاہدہ کے ذریعہ دو یا اس سے زیادہ آدمی گویا آپس میں بندھ جاتے ہیں، اب جس طرح کوئی معاہدہ، دھوکہ فریب کے ساتھ اور رضامندی کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا، اسی طرح خرید و فروخت کے معاہدہ میں بھی اگر دھوکہ و فریب ہو یا رضامندی نہ ہو تو وہ مکمل نہیں ہوسکتا۔

خرید و فروخت کا طریقہ

خرید و فروخت کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز خریدی یا بیچی جائے تو سودا اچھی طرح دیکھ لیا جائے اور قیمت اچھی طرح طے کر لی جائے، یا اگر دو چیزیں بدلنی ہوں تو دونوں کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے اور پھر زبان کے ذریعہ اس کا اقرار کر لیا جائے، کہ ہم نے اس چیز کی خرید و فروخت کی، یعنی سودے والا قیمت بتادے کہ اتنی ہے اور خریدار سودا دیکھ کر یا ہاتھ میں لے کر یہ کہے کہ ہاں ہم کو منظور ہے، مثلاً کسی نے دوکاندار سے پوچھا کہ گیہوں کتنے من ہے، دوکاندار نے بتایا کہ ستّر روپے من، اب اگر خریدار نے کہا کہ ہاں یہ قیمت منظور ہے، تو اب یہ گیہوں بک گیا، اگر اس نے کہا کہ ستّر روپے نہیں بلکہ ساٹھ روپے من لوں گا اور دوکاندار نے کہا کہ اچھا قیمت لائیے تو بھی بیع درست ہوگئی، اب خریدار کو اس کا خریدنا اور دوکاندار کو بیچنا ضروری ہے، اگر ان میں کوئی انکار کرے گا، تو قانوناً اس کو مجبور کیا جائے گا، اس قول و قرار کو شریعت میں ایجاب و قبول کہتے ہیں معاملہ کی ابتداء کرنے والے کی رضامندی کو ایجاب اور بعد میں راضی ہونے والے کی بات کو قبول کہتے ہیں، کبھی معاملہ

کی ابتداء خریدار کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی بیچنے والے کی طرف سے۔

عملی اقرار

اگر زبان سے دونوں نے اقرار نہیں کیا لیکن عملاً دونوں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے دونوں کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو، تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً کسی نے دالموٹ کے دوکاندار سے یہ کہا کہ ایک کیلو دے دو یا ایک پاؤنڈ اون فلاں نمبر کا دے دیجئے یا فلاں کمپنی کی لالٹین دے دیجئے، یا فلاں نمبر کی پالش دے دیجئے، تو اگر ان چیزوں کی قیمت پہلے سے اس دوکان یا بازار میں متعین ہے، تو اس کو چیز لے کر قیمت، دینا ہی کافی ہے، قیمت کا تعین اور خریدار کا قیمت دے دینا ہی اقرار سمجھا جائے گا، البتہ اگر دوکاندار بازار کی قیمت پر راضی نہ ہو تو پھر خریدار وہ چیز نہیں لے سکتا، اسی طرح اگر کسی نے کوئی چیز دوکان سے لے کر کہا کہ اتنی قیمت لیجئے اور دوکاندار نے لے لیا تو یہ بھی رضامندی ہوئی، مثلاً

کسی نے پھل بیچنے والے کی ٹوکری سے دس آم یا دس سنترے یا چار سیب لے لیئے اور دس روپے اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے، اگر اس نے لے لیا تو بیع ہو جائے گی۔ ساگ کی ایک ڈھیری دس روپے میں بک رہی ہے، ایک شخص گیا اور اس نے ڈھیری لے لی اور دس روپے دے دیئے، تو اگر زبان سے دونوں نے کچھ نہ کہا تو بیع ہو جائے گی، اس طرح کی بیع کو بیع تعاطی کہتے ہیں۔ (بیع تعاطی کی تعریف اوپر آچکی ہے)

والمعنی هو المعتبر فی هذه العقود و لهذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس و هو الصحیح ۔(ھایہ، ج ص ۲۵)۔و ینعقد البیع بالمعادلة الفعلیه الدالة علی التراضی و یسمی هذا بیع التعاطی۔ (المجلہ ص۲۳)

بیع تعاطی کو بعض فقہاء نے معمولی چیزوں میں صحیح سمجھا ہے، مگر عام فقہاء چھوٹی

بڑی اور معمولی اور غیر معمولی ہر چیز میں صحیح سمجھتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بیع تعاطی کو صحیح نہیں سمجھتے۔ (الفقہ علی المذاهب الاربعہ، ج۲ ص ۵۵۱)

تحریر کے ذریعہ

جس طرح زبان یا طرزِ عمل سے معاملہ طے ہو جاتا ہے اور رضامندی ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح تحریر کے ذریعہ دونوں کوئی معاملہ طے کر لیں تو اس کی بھی اجازت ہے، لیکن تحریر ایسی قابل اطمینان شکل میں ہونی چاہئے کہ آئندہ دونوں میں اختلاف نہ ہو۔

ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کے ذریعہ

اگر کوئی شخص، خرید و فروخت کا معاملہ کرے تو یہ جائز ہوگا، جن معاملات میں شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ تمام معاملات ان آلات کے ذریعہ صحیح ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ دونوں فریق کو اطمینان ہو جائے۔

سودا اور قیمت کا بیان

غرض یہ کہ سودا اور قیمت دونوں کا طے ہونا ضروری ہے، ان دونوں کے بارے میں اسلامی شریعت نے بہت سی شرطیں لگائی ہیں، یہاں ان کو بیان کیا جاتا ہے، سودے کو مبیع اور جو قیمت طے ہو اس کو ثمن کہتے ہیں۔

مَبیع کا بیان

مبیع یعنی جو چیز بیچی جائے اس کے لئے چند باتوں کا ہونا اور چند باتوں کا نہ ہونا ضروری ہے۔

(۱) وہ چیز جو بیچی جائے وہ سامنے موجود ہونی چاہیئے۔ اگر موجود نہ ہوگی تو اس کا بیچنا صحیح نہ ہوگا، مثلاً کسی نے ہندوستان میں بیٹھ کر امریکہ میں خریدے ہوئے غلّے، کپڑے یا کسی

اور چیز کا سودا کیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا، البتہ اگر غیر موجود چیز اس شرط پر بیچی جائے کہ خریدار دیکھنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ کرے گا تو اس کی اجازت ہے، یا اس مال کا نمونہ سامنے ہو تو خریدی وبیچی جاسکتی ہے، اسی طرح جو چیز ابھی وجود میں آئی نہیں ہے اس کی خرید وفروخت ناجائز ہے، مثلاً

باغ میں ابھی پھل آیا نہیں، اور باغ بیچ دیا گیا، گیہوں کی بالیاں ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھیں اور کھیت کا غلّہ بیچ دیا گیا، جانور کا بچہ پیٹ میں ہے اور اسے فروخت کر دیا گیا، تو بیچنا وخریدنا باطل ہوگا، اسی طرح اگر کوئی چیز موجود تھی مگر غائب ہوگئی یا معدوم ہوگئی تو اس کو بھی نہیں بیچا جاسکتا، مثلاً جانور تھا وہ گم ہوگیا تو اس کو نہیں بیچا جاسکتا، یا دومنزلہ مکان تھا، اوپر کا حصّہ گر گیا تو اب اوپر کی فضا کو فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

بیع المعدوم باطل فیبطل بیع الثمرة لم تبرز اصلا (شرح المجله ص ۹۸) ولا یجوز بیع الحمل والنتاج (الجوهرة النيرة ج ا ص ۲۰۴)

(۲) جو چیز بیچی جائے وہ بیچنے والے کی ملک ہونی چاہیئے، یا مالک نے اس کو بیچنے کی اجازت دی ہو، مثلاً کسی نے تالاب کا یا دریا وسمندر کا پانی یا اس کی مچھلیاں فروخت کیں، یا فضا کے پرندے بیچے یا جنگل کی لکڑیاں یا اس کے جانور یا میدان کی گھاس بیچی تو چونکہ یہ چیزیں اسلام میں کسی کی ملک نہیں ہیں، اس لئے کسی کو ان کے بیچنے کا حق نہیں ہے، چاہے بظاہر وہ اس کی ملک میں ہی کیوں نہ سمجھی جاتی ہوں،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانی، گھاس اور آگ تمام انسانوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلمون شركاء فى ثلث فى الماء والكلاء والنار** دوسری حدیث میں **الملح** کا لفظ بھی آیا ہے، یعنی نمک بھی عام چیز ہے، آگے تفصیل آرہی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جانور گم ہوگیا ہے اور اس کو

فروخت کر دیا گیا، یا جنگل کے جانوروں کو فروخت کر دیا گیا تو بیع باطل ہوگی، کیونکہ یہ چیزیں نہ تو بیچنے والے کے قبضہ میں ہیں، اور نہ ان کی ملک ہیں۔ **یلزم ان یکون المبیع مقدوراً التسلیم ویلزم ان یکون موجوداً وان یکون مالا متقوماً ویشترط ان یکون المبیع معلوماً عند المشتری۔** (المجله)

فروخت کرنے کا طریقہ

کوئی بھی چیز اس وقت فروخت ہوسکتی ہے، جب اس کے اوپر محنت یا روپیہ صرف کیا گیا ہو، مثلاً اگر کسی شخص نے یا حکومت نے دریا پر بندھ باندھا، یا تالاب کا پانی باقی رکھنے کے لئے کوئی تدبیر کی یا دریا سے نہر نکال کے یا مشین کے ذریعہ اس کا پانی باہر نکالا یا کسی نے جنگل یا گھاس پر پیسہ خرچ کر کے یا محنت کر کے اسے لگایا، یا دریا سے مچھلی پکڑی یا پکڑنے کے لئے کوئی تدبیر کی یا جنگل کی لکڑی کاٹ کے لایا تو ان تمام صورتوں میں وہ اس کو بیچ سکتا ہے، یا حکومت دوسرے آدمی کو اس کے بیچنے کی اجازت دے سکتی ہے، اسی طرح زمین کے نیچے کی معدنی اشیاء کو جب تک ان کے اندر سے نکال نہ لیا جائے بیچا نہیں جاسکتا۔ مثلاً

لوہا، تانبا، سونا، چاندی، گندھک، ابرک، کوئلہ، پٹرول، مٹی کا تیل وغیرہ، البتہ اگر ان چیزوں کے دریافت کرنے میں محنت ودولت خرچ کی گئی ہے تو پھر ان پر محنت کرنے والے اور روپیہ خرچ کرنے والے کی ملکیت تسلیم کی جائے گی۔

ملکیت کی تعریف

کسی چیز کے ملک میں آنے کی کئی صورتیں ہیں، مگر ان صورتوں کے بیان سے پہلے ملکیت کی تعریف ذہن نشین کر لینی چاہیئے، ابن ہمام نے فتح القدیر، (ج۵ ص۴۵۶) میں اور ابن نجیم نے (الاشباہ والنظائر، ص۶۰۵) میں ملکیت کی یہ تعریف کی ہے:۔

الملك هو قد ر ة يثبتها الشر ع ابتدا ء على التصر ف

تصرف پراس قدرت وقابو کا نام ہے جس کی اجازت شریعت نے دی ہے۔

فقہاء نے اور بھی تعریفیں کی ہیں، ان سب کی روشنی میں شیخ مصطفٰی زرقاء نے اپنی کتاب ''**المدخل الفقهی**'' میں امام قرافی کی کتاب (الفروق ج۲،ص۲۱۶) سے یہ جامع تعریف نقل کی ہے۔

اختصا ص حا جز شر عاً یسو غ صا حبه التصر ف الا لما نع (ج۱ص۲۲۰)

تصرف وہ خصوصیت ہے جو کسی شخص کو شریعت کی اجازت سے اس وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا مانع نہ ہو۔ حاجز سے مراد یہ ہے کہ دوسرا شخص اس سے بغیر اجازت متمتع نہ ہو سکے، اور مانع سے مراد یہ ہے کہ وہ تصرف کے لائق بھی ہو مثلاً استعمال کی اہلیت ہو، یا وہ دوسرے کی چیز نہ ہو۔

ملکیت کی اس اسلامی تعریف کے مقابلہ میں اہل مغرب ملکیت کی جو تعریف کرتے ہیں، اس میں ملکیت کا تصور بالکل بے قید ہو کر رہ جاتا ہے، مشہور مغربی محقق ماہر قانون جان آسٹین نے ملکیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے یہ کسی متعین شے پر ایک حق کی نشاندہی کرتا ہے، جو استعمال کے اعتبار سے غیر محدود اور تصرف اور انتقال کے اعتبار سے بے قید ہے''۔

(John Austin : Illlletures on juris prudence vol. 11 p. 790)

ملکیت میں آنے کی چند صورتیں

کوئی شخص جب کسی چیز کا مالک ہوتا ہے، تو اس کی چار صورتیں یا اس کے چار ذریعے ہوتے ہیں۔

پہلی صورت۔

عقود یا معاہدہ کے ذریعہ: یعنی دو آدمی آپس میں کوئی معاملہ کر کے ایک دوسرے کو مالک

بنادیں، عقود کی ایک قسم عقود جبریہ ہے یعنی حکومت کسی کو کسی دوسرے کی چیز کا مالک بنادے، مثلاً مقروض کا مال قرض دینے والے کو دلایا، یا احتکار کرنے والے کا مال لے کر بازار بھاؤ سے فروخت کرا دیا، شفعہ کی صورت میں بھی یہی ہوتا ہے، اسی طرح مصالحِ عامہ کے لئے کسی کی ملک پر حکومت قبضہ کر لے اور رفاہِ عام میں لگا دے، مثلاً اسکول کے لئے

دوسری صورت۔

مسجد کے لئے، راستہ کے لئے، کوئی زمین کسی کی ملک سے نکال کر مصالح میں دے دے۔

احراز المباحات۔ وہ چیزیں جو کسی کی ملک میں نہ ہوں، بلکہ وہ پوری نسل انسانی کا مشترکہ سرمایہ ہوں ان پر کوئی اپنی محنت و پیسہ لگا کر اسے حاصل کرے تو وہ اس کی ملک ہوگی مثلاً سمندر کا پانی، اس کی مچھلیاں اور اس کے دوسرے خزانے، جنگل کی گھاس، فضا کی چیزیں راقم الحروف کے نزدیک ان چیزوں پر کسی کا مستقلاً اقتدار و تسلط صحیح نہیں ہے۔

تیسری صورت۔

جانشینی۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسی شخص کا جانشین ہونا، مثلاً وراثت کی چیزوں کا آدمی مالک ہو۔

(۲) یا آدمی کسی معاوضہ یا جرمانہ وسزا میں کوئی چیز پائے، مثلاً کسی نے کسی چیز کا نقصان کر دیا اور اس کا عوض نقصان اٹھانے والے کو دلایا گیا یا مقتول کے ورثہ کو دیت وغیرہ میں کوئی مال ملا تو وہ اس کا مالک ہوگا۔

عام طور پر فقہاء ان ہی تین صورتوں کا ذکر کرتے ہیں، ۔مگر اس کی چوتھی صورت یہ ہے، جو چیز کسی کی ملکیت سے طبعی طور پر پیدا ہو وہ بھی اس کی ملکیت ہے، مثلاً درخت کا پھل، جانوروں کے بچے، بکری کے بال اور دودھ کی کوئی خرید وفروخت میں ان دونوں میں

سے کسی کو علیحدہ نہیں کرسکتا بلکہ وہ چیزیں خود بخود اس میں داخل ہیں۔

جو چیزیں ایسی ہوں کہ ان پر تمام انسانوں کو قابو حاصل نہ ہوسکتا ہو، ان پر نہ تو کسی کی ملکیت قائم ہوسکتی ہے اور نہ وہ بیچی جاسکتی ہیں، مثلاً جو لوگ سمندر یا فضا پر، یا فضا کی چیزوں پر اپنی ملکیت جمائے ہوئے ہیں، وہ انسان کے مشترک سرمایہ کے غاصب ہیں، ان کو اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

مبیع کی تیسری صورت

جو چیزیں بیچی جاسکتی ہوں ان کے تمام اوصاف خریدار کو بتادیئے جائیں، مثلاً اگر گیہوں بیچنا ہے تو اس کی پوری تفصیل بتادینی چاہیئے، مثلاً وہ سفید ہوگا یا لال، موٹا ہوگا یا پتلا یا چاول ہے تو نیا ہوگا یا پرانا، موٹا ہوگا یا باریک، یا اگر مکان ہے تو اس کی پوری حیثیت اس کے عیوب اور خوبیاں سب بتادی جائیں یا زمین ہے تو اس کی زرخیزی کی حیثیت بتادی جائے۔

یا جانور ہے تو اس کے محاسن ومعائب بیان کردیئے جائیں کپڑا ہے تو صاف بتادیا جائے کہ کٹا پٹا تو نہیں ہے مضبوط ہے یا کمزور ہے کس کمپنی کا ہے، غرض یہ کہ جو چیزیں دیکھی نہیں جاسکتیں یا دیکھی تو جاسکتی ہیں مگر ان کے بارے میں صحیح بات تجربہ کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے، مثلاً مکان ٹپکتا ہے، زمین شور یا کنکریلی ہے، جانور مارتا ہے یا کپڑا بہت دنوں کا رکھا ہے اور کمزور ہوگیا ہے، یا تھان کے اندر کا حصّہ کٹا ہوا ہے، تو ان باتوں کا دوکاندار کے لئے بتادینا ضروری ہے، اگر نہ بتایا تو یہ بیع فاسد ہوجائے گی، اور خریدار کو واپس کردینے کا حق ہوگا۔

مبیع کی چوتھی صورت

جو چیز بیچی جائے وہ ایسی ہو جسے اسلام مال تسلیم کرتا ہو، مثلاً جتنی چیزیں اسلام میں حرام ہیں، ان کو وہ مال تسلیم نہیں کرتا، اس لئے ان کا بیچنا اور خریدنا بھی حرام ہے، البتہ

اگر وہ انسان کی کسی ایک صنف کے لئے جائز ہے تو اس کا کاروبار جائز ہے مثلاً سونا، چاندی، ریشمی کپڑے وغیرہ عورتوں کے لئے جائز ہیں، مگر مرد کے لئے حرام ہیں۔

مبیع کی پانچویں صورت

اگر کسی دوکاندار نے کوئی چیز بیچی، اور جو صفت بتائی وہ اس کے لئے خلاف نکلی تو بیع فاسد ہوگی، اس نے کہا کہ اس کپڑے کا رنگ پختہ ہے اور کچّا نکلا، یہ لالٹین فلا کمپنی کی ہے اور دوسرے کارخانہ کی نکلی، یا موتی سچے ہیں اور جھوٹے نکلے، یا زیور سونے کا ہے اور ملمّع نکلا تو یہ تمام بیع فاسد ہونگی، اگر اس نے اس کو واپس نہیں کیا بلکہ استعمال کرلیا تو اب بیع نافذ ہوجائے گی۔

چھٹی صورت

کوئی شخص یہ کہے کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے وہ سب بیچتا ہوں تو یہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ ملکیت کا لفظ واضح نہیں ہے بلکہ مجہول ہے، ملکیت کی وضاحت ہونی چاہیئے۔

بیع میں خود بخود داخل ہونے والی اشیاء

بعض چیزیں ایسی ہیں جو بیچی ہوئی چیز کے ساتھ خود بخود بک جاتی ہیں، ان کی قیمت الگ سے نہیں لی جاسکتی۔ مثلاً

(۱) اگر کوئی مکان بیچے تو اس کے دروازے کھڑکیاں، باورچی خانہ، پیشاب خانہ، پاخانہ، اس میں جانے کا راستہ سب بک گیا۔ **ویدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار (کنز الدقائق ص ۲۲۹)**۔ اسی طرح کسی نے گھوڑا، بیچا تو اس کی لگام اور زین بھی بک گئی یا کسی نے تالا بیچا تو اس کی کنجی بھی بک گئی، کسی نے بچّہ والی اور دودھ دینے والی گائے یا بھینس بیچی تو اس کا دودھ اور بچّہ بھی بک گیا، البتہ اگر بچّہ دودھ نہ پیتا ہو، تو پھر وہ

اس میں داخل نہیں ہے، کسی نے اپنا باغ بیچا تو پھل بھی بک گیا، لیکن اگر زمین بیچی اور اس میں درخت ہیں یا فصل لگی ہوئی ہے تو جب تک صراحۃً اس کا ذکر نہ ہو یہ مبیع میں داخل نہیں ہیں، اسی طرح چھوٹی چھوٹی چیزیں جو منتقل ہوسکتی ہیں وہ بھی داخل نہیں ہیں، مثلاً کسی نے مکان بیچا اور اس نے مکان کے اندر گملوں میں پھول لگا رکھے ہیں تو مکان میں یہ چیز شامل نہیں ہے۔

غرض یہ کہ عرف عام میں جو چیزیں مبیع میں داخل سمجھی جاتی ہیں وہ اس کا جزو سمجھی جائیں گی۔

(۲) کسی چیز کی خرید وفروخت کی بات چیت طے ہوگئی، مگر ابھی خریدار بائع یعنی بیچنے والے کے پاس سے اسے لے نہیں گیا ہے اور اس مدت میں اس میں کچھ اضافہ ہوگیا، تو وہ خریدار کا حق ہے۔ مثلاً کسی نے باغ خریدا اور ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ پھل آ گیا، یا گابھن جانور خریدا تھا اور اس نے بچہ دیا تو یہ سب خریدار کا حق ہے، بائع اس کو نہیں لے سکتا۔

(۳) اگر کسی نے اپنا باغ بالکل بیچ دیا، یا کوئی کھیت بیچ دیا اور باغ کے درختوں پر پھل ہے، یا کھیت میں فصل لگی ہوئی ہے، تو یہ بائع کا حق ہے، مشتری یعنی خریدار کو اس کے لینے کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ اگر معاملہ کرتے وقت یہ طے ہوجائے کہ پھل اور لگی ہوئی فصل بھی بیع میں داخل ہے تو پھر خریدار کا حق ہوجائے گا، اسی طرح کسی نے مکان فروخت کیا تو جو چیز اس کا جز نہیں ہے، مثلاً تخت، پلنگ، کرسی، میز اور گھر کا دوسرا سامان تو ان پر خریدار کا کوئی حق نہیں ہے۔

ناپ تول یا گن کر بیچنے کی اجازت

۱۔ جو چیزیں تول کر یا ناپ کر یا گن کر بِک سکتی ہیں، ان میں اختیار ہے کہ چاہے ان کو تول کر یا ناپ کر بیچے یا ان کے ڈھیر کو اندازہ سے فروخت کردے، مثلاً غلّہ کو اس طرح بھی کہہ کر

بیچا جاسکتا ہے کہ چار روپے کے دو کلو اور اس طرح بھی کہہ کر بیچا جاسکتا ہے کہ یہ غلہ کا ڈھیر یا یہ پورا کھیت پچاس روپے میں یا سو روپے میں بیچتا ہوں اسی طرح پھل وغیرہ کے ڈھیر کی بھی قیمت لگائی جاسکتی ہے، اور ان کو گن کر بھی بیچا جاسکتا ہے، مثلاً بائع یہ کہے کہ امرود کی یا سنترے کی یہ ڈھیری چار روپے میں ہے یا دو روپے میں دس یا پانچ سنترے ملیں گے یا امرود ایک روپے کے ایک سیر ملیں گے تو یہ سب صورتیں جائز ہیں، اسی طرح اگر پھلوں کی پوری ٹوکری کو بیچ دیا اور کسی نے لے لی تو یہ جائز ہے، چاہے اس میں کتنا ہی پھل نکلے، لیکن اگر کوئی یہ کہہ کر بیچے کہ اس میں اتنے پھل ہیں، مثلاً سنترہ یا آم یا امرود کی ٹوکری کے بارے میں یہ کہا کہ اس میں پانچ سو پھل ہوں گے اور اس کی قیمت دس روپے ہوگی، پھر اگر پانچ سو سے کم ہوں تو پھر خریدار کو اختیار ہوگا کہ وہ خریدے یا نہ خریدے لیکن اگر پانچ سو سے زیادہ ہوں گے، تو وہ بیچنے والے کے ہوں گے۔

۲۔ اگر کوئی چیز سامنے ہو تو اس کی طرف اشارہ کردینا کافی ہے، مثلاً غلّہ کا یا پھول کا ڈھیر لگا ہوا ہے، بیچنے والے نے کہا کہ یہ ڈھیر میں اتنے روپے میں بیچتا ہوں، تو یہ جائز ہے۔

۳۔ جن چیزوں میں یکبارگی پھول پھل نہیں آتے بلکہ برابر آتے رہتے ہیں تو ایسے درختوں میں جب کچھ پھل آجائیں تو ان کو بیچا جاسکتا ہے، مثلاً مہوے کے درخت، امرود کے درخت، ترکاریوں، پھول کے پودے۔

۴۔ جن درختوں اور پودوں میں ایک ساتھ پھل آجاتے ہیں، یا دانے نکلتے ہیں، مثلاً آم، بیر اور تمام غلّے تو ان کا حکم یہ ہے کہ جب یہ سب ظاہر ہوجائیں تو ان کو فروخت کیا جاسکتا ہے، چاہے کھانے کے لائق ہوں یا نہ ہوں، مثلاً جب آم میں کیریاں اچھی طرح آجائیں، یا گیہوں کے کھیت میں بالیں ظاہر ہوجائیں، یا بیر کے پھل ظاہر ہوجائیں، اگرچہ ابھی کھانے کے لائق نہ بھی ہوں تو ان کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔

۵۔اگرکسی نے صرف گزرنے کا حق یعنی راستہ بیچا، یا تالاب اور کنویں کا پانی بیچا، یا پانی لے جانے کی نال بیچی تو یہ بیع جائز نہیں ہے، البتہ اگر زمین کے ساتھ راستہ اور نالی کنویں کے ساتھ پانی وغیرہ بیچا تو یہ صحیح ہے۔

۶۔اگرکسی نے باغ بیچا تو شیخین کے نزدیک اس کے پھل کا فوراً توڑنا ضروری ہے، مگر امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے استحساناً فوری طور پر توڑنا ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ پکنے تک باقی رکھنے کی خریدار شرط لگا سکتا ہے، اس لئے کہ باغ کا فائدہ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے، اسی طرح باغ کے کسی ایک درخت یا ڈالی کو بیع سے مستثنیٰ کرسکتا ہے، لیکن متعین تعداد کا مستثنیٰ کرنا صحیح نہیں ہے۔

۷۔اگرکوئی مشترک زمین یا کوئی مشترک جائداد ہو تو حصہ دار کو اپنے حصّہ کے فروخت کرنے کا حق ہے، چاہے وہ تقسیم ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو، یا شریک سے اجازت لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو۔

ثمن یعنی قیمت کا بیان

ثمن یا قیمت سے مراد وہ رقم ہے جو کسی مال کو خریدنے کے بدلے میں دی جاتی ہے، مثلاً ایک جانور کے بدلے دوسرا جانور یا ایک کپڑے کے بدلے دوسرا کپڑا جب چیز کے بدلے چیز جنس کے بدلے جنس دی جائے تو اس کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں ذراسی بے احتیاطی سے خرید وفروخت کا معاملہ سود ہو جاتا ہے، اس کا مفصل بیان سود کے سلسلہ میں آئے گا، یہاں اس کے بارے میں چند باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔

۱۔ قیمت کو واضح طور پر بتادینا ضروری ہے کہ اگر کسی نے مجمل رکھی تو بیع فاسد ہوگی، مثلاً کسی نے کہا کہ اس بیگ یا ہاتھ میں جتنا روپیہ ہے، وہ سب کے بدلے میں فلاں چیز خریدتا

ہوں تو یہ جائز نہیں ہے، یا دوکاندار نے کہا کہ چیز لے جائیے جو واجب دام ہوں گے، آپ سے مناسب لے لئے جائیں گے، یا میں بعد کو بتاؤں گا، یا جتنا فلاں نے دیا ہے آپ بھی دے دیجئے گا، یا آپ جو مناسب سمجھئے دے دیجئے، یا فلاں آدمی جو دام لگادیں گے وہ دیدیجئے گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، البتہ اگر قیمت طے ہو جائے، پھر چاہے بعد میں ادا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، یا قیمت بتا کر کہے کہ لیجائیے سوچ کر لینے نہ لینے کا فیصلہ کیجئے گا تو یہ کہنا صحیح ہوگا، اگر اس نے سوچ کر قیمت بھجوادی تو بیع ہوگئی، ثمن اور قیمت کا فرق اوپر بتایا جاچکا ہے۔

۲۔جو قیمت ادا کی جارہی ہے، یا جس چیز کے بدلے چیز بدلی جارہی ہے، وہ سامنے ہو، تو پھر اس کی مقدار یا تعداد دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سامنے رکھی ہوئی رقم یا موجود غلہ کے بدلے ہم یہ جانور یا کپڑا بیچتے ہیں۔

۳۔اگر قیمت خریدتے وقت نہ دی جائے مگر بائع کو یہ بتادیا جائے کہ ہم اتنے روپے میں یہ چیز خریدتے ہیں بعد میں ادا کریں گے، تو یہ درست ہے۔

۴۔کسی نے کوئی چیز خریدی اور یہ کہا کہ بارش کے موسم تک قیمت ادا کریں گے، تو یہ بیع فاسد ہوگی اس کو دن یا تاریخ بتانا ضروری ہوگا۔

۵۔خریدار نے کوئی چیز ادھار خریدی مگر ادائیگی کی کوئی مدّت نہیں بتائی اور یوں ہی لے کر چلا گیا تو وہ مدّت ایک ماہ سمجھی جائے گی، ایک مہینہ کے بعد اسے ادا کردینا چاہیئے، ایک ماہ بعد دوکاندار اس کے خلاف قانونی کاروائی کرسکتا ہے۔

۶۔اگر کسی دوکاندار کے یہاں سے سامان آتا رہتا ہے اور مہینہ میں حساب ہوجاتا ہے، جو کچھ مہینہ کے شروع یا آخر میں نکلتا ہے وہ دے دیا جاتا ہے، تو یہ صورت جائز ہے، لیکن حساب کے وقت اگر قیمت مقرر کرنے میں اختلاف کا خوف ہو تو پھر جائز نہیں ہے،

ایسی صورت میں قیمت طے کر کے پھر سودا منگانا چاہئیے۔

۷۔ جو سکّے کسی ملک میں رائج ہوں، ان میں سے جو سکّہ بھی قیمت میں دیا جائے دوکاندار کو لینا پڑے گا، البتہ اگر دوکاندار نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم ریزگاری نہیں لیں گے، یا عموماً ریزگاری قیمت میں نہ لی جاتی ہو، تو پھر دوکاندار ریزگاری لینے سے انکار کر سکتا ہے، اگر کسی ملک میں کئی طرح کے سکّے رائج ہوں تو اس کی تصریح ضروری ہے، مثلاً سنگاپور اور ملیشیا کے ڈالر اور امریکن ڈالر کی قیمت میں فرق ہے، تو اگر یہ تینوں سکّے کہیں چل رہے ہوں تو اس کی تصریح ضروری ہے کہ کونسا ڈالر مراد ہے۔

نیلامی کا طریقہ

اگر کوئی شخص کسی چیز کو نیلام کر کے بیچے تو وہ جائز ہے یعنی کئی خریدار ہوں۔ آپؐ نے خود ایک صحابی کے پیالہ کی قیمت لگوائی اور پھر فرمایا "من یزید" کون اس سے زیادہ دے گا، جس کی قیمت زیادہ ہوئی، آپؐ نے اسے عنایت فرما دیا، اسی حدیث کی روشنی میں حنفی فقہاء نے لکھا ہے۔ **ولا یکرہ بیع من یزید** (شرح وقایہ ج۲ ص۵۶)

۸۔ جو مال اُدھار بیچا جائے اس میں مدت مقرر کر کے اکٹھا قیمت لینا اور قسط مقرر کر کے لینا دونوں درست ہے، مگر مدّت کا تعین ضروری ہے۔

۹۔ اگر خریدار یہ کہے کہ پہلے سودا میرے حوالے کر دو تو میں قیمت دوں گا اور بیچنے والا پہلے قیمت طلب کرے تو پہلے خریدار سے قیمت دلائی جائے گی پھر سودا۔

معاملہ طے ہوجانے کے بعد

خرید وفروخت کا معاملہ کرنے کا جو طریقہ اوپر بتایا گیا، اور سودا اور قیمت کے بارے میں جو تفصیل کی گئی ہے اگر اس طریقہ پر کوئی معاملہ طے کر لیا تو پھر بائع اور مشتری

میں سے کسی کو اس سے انکار کرنے کا حق نہیں ہے، مثلاً ایک خریدار نے کپڑے کے دوکاندار یا غلّہ کے بیوپاری سے کپڑے یا غلہ کا معاملہ طے کیا اور دونوں میں بھاؤ اور قیمت طے ہو گئی، تو پھر ان میں کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ انکار کرے، دوکاندار کو بیچنا اور مشتری کو خریدنا پڑے گا، الا یہ کی قیمت یا مال میں کوئی عیب نکل جائے یا اس نے سودا دیکھا نہ ہو، یا معاملہ تو طے ہو گیا اور بائع نے یہ کہا کہ آج موقع نہیں ہے، کل سودا لے جائیے گا، یا مشتری نے کہا کہ میں کل قیمت دوں گا اور غلہ لیجاؤں گا، تو دوسرے دن چاہے غلہ کا بھاؤ بڑھ جائے یا کم ہو جائے دونوں اس معاہدہ کے پابند ہوں گے جو اس سے پہلے طے ہو گیا ہے، اگر کوئی انکار کرے گا تو وہ مجبور کیا جائے گا، اور اسلامی حکومت قانوناً اس معاملہ کو نافذ کرے گی۔

بائع و مشتری کے معاملہ فسخ کرنے کا طریقہ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خریدار کو کوئی چیز خریدنے کے بعد واپس کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، یا دوکاندار کسی وجہ سے سودا دینا نہیں چاہتا اور قیمت واپس کر دینا چاہتا ہے اگر ایسی صورت پیش آجائے تو پھر ان دونوں کو معاملہ کے فسخ کرنے کا اختیار رہے، بشرطیکہ دونوں اس پر راضی ہوں، اگر دونوں راضی ہوں تو پھر خریدار مال واپس کر دے، اور دوکاندار قیمت واپس کر دے، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار مال کا کچھ حصّہ استعمال کر چکا ہوتا ہے اور دوکاندار وہ پیسے خرچ کر دیتا ہے، تو اگر مال کا کچھ حصہ اس نے استعمال کر لیا ہے تو بھی اس کو پھیرنے کا اختیار رہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ دوکاندار پھیر لینے پر اور یہ استعمال شدہ حصہ کی قیمت وضع کر لینے کے بعد بقیہ قیمت لینے پر راضی ہو۔

اگر اس پر وہ راضی نہ ہو اور پوری قیمت مانگے تو دوکاندار کو حق ہے کہ وہ واپس کرے، مثلاً کسی نے ایک پیکٹ بسکٹ ایک روپیہ میں خریدا، اور اس میں بیس بسکٹ ہیں، اس میں سے چار بسکٹ کھا لئے، پھر وہ پسند نہیں آئے یا اسکی ضرورت نہیں سمجھی، تو اگر دوکاندار بقیہ

کے واپس کرنے پر راضی ہوتو واپس کرسکتا ہے، اوراس کو اختیار ہے کہ وہ چار بسکٹ کی قیمت کاٹ لے اگر دوکاندار واپسی پر راضی نہ ہوتو پھر خریدار اس کو مجبور نہیں کرسکتا،

اسی طرح کسی نے زمین مع فصل یا باغ مع پھل خریدا اوراس نے جب فصل کاٹ لی، یا پھل کھا لیا اس کے بعد زمین واپس کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی واپسی بائع کی رضامندی اور فصل اور پھل کی قیمت وضع کرنے کے بعد ہوسکتی ہے۔

لیکن اگر خریدار نے پوری چیز استعمال کرلی، تو پھر اب اس کی واپسی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، مثلاً اگر اس نے پورا پیکٹ بسکٹ کا استعمال کرلیا تو پھر رقم کی واپسی کا اختیار نہیں رہا، خواہ اس کو وہ پسند آئے ہوں یا نہ آئے ہوں وہ اچھے رہے ہوں یا خراب، کیونکہ اس کے پاس وہ چیز ہی نہیں ہے تو واپس کیا کرے گا، اس کو شریعت میں بیع **اِقَالَہٗ** کہتے ہیں۔

خیارشرط

خرید وفروخت کا معاملہ طے ہوگیا مگر خریدار نے خریدتے وقت یہ شرط لگادی کہ میں دو یا تین روز میں بتاؤں گا کہ اس کو لیتا ہوں یا نہیں، یا گھر میں دکھلا کر پھر بتاتا ہوں، تو خریدار کو اس کے پھیر دینے کا اختیار رہے، اس کو خیارشرط کہتے ہیں، یعنی اس شرط لگادینے کی وجہ سے اس کو یہ اختیار مل گیا، اسی طرح بائع کو بھی شرط لگانے کا اختیار رہے یعنی وہ کسی خریدار کی پسندیدہ چیز کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ میں اس کے بیچنے کا فیصلہ دوروز یا تین روز بعد کروں گا، لیکن خیارشرط کے بارے میں چند باتیں یادرکھنی ضروری ہیں،

(۱) خیارشرط کی مدت کی تعیین ضروری ہے کہ وہ کتنے دن میں لینے یا نہ لینے کا جواب دے گا۔

(۲) اگر کسی اجنبی آدمی کو یہ خیار دے دیا جائے تو بائع اور مشتری کا اختیار ختم نہیں ہوگا۔

(۳) اگر مقررہ مدت کے بعد اس نے کوئی جواب نہیں دیا، تو اب بائع یا مشتری کو واپسی کا

کوئی اختیار نہیں ہے، ہاں اگر بائع اپنی خوشی سے واپس کرلے تو اور بات ہے۔

(۴) جس طرح بائع اور مشتری زبان سے بیچنے اور خریدنے کے ساتھ ہی خیارشرط کرتے ہیں۔

اسی طرح کوئی ایسا فعل ان سے سرزد ہو، جس سے خیار کی اجازت یا اس کا فسخ سمجھا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ مثلاً اس نے اس چیز کو استعمال کرلیا تو یہ قبول سمجھا جائے گا۔

۵۔ اگر خریدار سے کسی نے خیارشرط کی مگر گھر لے جاکر اس کو استعمال کرلیا تو پھر اب واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے، بلکہ اب اس کو قیمت ادا کرنا پڑے گی، البتہ اگر وہ ایسی چیز ہو جس کے استعمال کے بعد ہی اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے تو پھر استعمال کا حق ہے، مثلاً کسی نے ایک پلنگ خریدا، یا کرسی ومیز خریدی، یا چادر خریدی، یا جوتا خریدا اوراس کو لے جاکر استعمال کرلیا اور کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی تو کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر گھڑی خریدی اور دو تین دن تک کلائی میں لگا کر یا میز پر رکھ کر یا دیوار پر ٹانگ کر اس کا وقت دیکھا اوراس کے بعد واپس کیا تو اس کو واپسی کا حق ہے،

اسی طرح اگر اس نے موٹر خریدا، سائیکل خریدی تو اس کی رفتار وغیرہ دیکھنے کے لئے اس پر چڑھنے کا حق ہے، اسی طرح اگر دودھ کے لئے گائے بھینس خریدی، یا سواری کے لئے گھوڑا خریدا، تو اس کو اس مدت میں دودھ دوہنے اور گھوڑے پر سواری کرنے کا حق ہے، اسی طرح کسی نے سوئٹر خریدا، یا موزہ خریدا یا بنیان خریدا تو ان کو پہن کر دیکھ سکتا ہے، کیوں کہ ان تمام مذکورہ چیزوں کی اچھائی یا خرابی بغیر استعمال کئے نہیں معلوم کی جاسکتی۔

اسی طرح اگر بائع یہ کہے کہ میں تین دن کے اندر واپس لے سکتا ہوں، اسکے بعد نہیں لوں گا، تو اس کو اس کا اختیار ہے۔

موت کے بعد خیارشرط

اگر خیارشرط کی مدت میں بائع یا مشتری میں سے کوئی مرجائے تو اب ورثہ کو اس

کے توڑنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہے گا، یعنی اگر بائع مرجائے تو اب مشتری کو وہ چیز لینی پڑے گی، اگر مشتری مرجائے تو بائع کو اس کی قیمت لینے کا حق ہوگا، چیز واپس کرنے کا حق مشتری کے ورثہ کو نہیں ہوگا۔

اگر خیار شرط بائع کی طرف سے ہے تو مال اسی کی ملکیت سمجھا جائے گا، اگر اس مدت میں مشتری سے وہ مال ضائع ہوگیا تو مشتری کو اس کی اصل قیمت ادا کرنی ہوگی اور اگر خیار مشتری کی طرف سے ہے، اور قبضہ کے بعد اس مدت میں مال ضائع ہوگیا تو مشتری کو طے شدہ رقم یعنی ثمن دینا ہوگا۔

خیار نہ ہونے والی چیزیں

دس معاملات ایسے ہیں جن میں خیار شرط کی اجازت نہیں ہے

(۱) نکاح (۲) طلاق (۳) یمین یعنی قسم (۴) نذر (۵) بیع صرف (۶) بیع سلم (۷) اقرار اس کی دو صورتیں ہیں، ایک اقرار ایسی چیز میں ہو جس میں خیار کی اجازت نہیں ہے تو بھی اگر وہ اقرار کرے گا، تو مان لیا جائے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسی چیز میں اقرار کرتا ہے جس میں خیار ہے تو پھر عقد کے اعتبار سے وہ صحیح سمجھا جائے گا، اس کی اقرار کی وجہ سے نہیں۔ (۸) وکالت (۹) وصیت (۱۰) ہبہ۔

عام طور پر فقہاء خیار وصف کا ذکر الگ سے نہیں کرتے بلکہ اسے خیارِ رویت اور خیارِ عیب کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں۔

خیارِ وصف

کسی دوکاندار نے کسی کپڑے کی، یا سنار نے کسی زیور کی، یا کسی پھل والے نے پھل کی، یا کسی جانور کے بیوپاری نے جانور کی چال کی یا اس کے دودھ کی بڑی تعریف کی

رات کا وقت تھا خریدار نے غور سے دیکھا نہیں یا محض اس کی ترغیب کی بنا پر خرید لیا مگر جب گھر لے جا کر دیکھا اور آزمایا تو اس چیز کو تعریف کے مطابق نہیں پایا، تو اب اس کو اس کی واپسی کا حق حاصل ہے، اسی طرح ایجنٹ نے کوئی چیز عمدہ دکھائی یا ہوائی جہاز یا مشین کا فوٹو نمونہ کے طور پر دکھلایا اور اس کے اوصاف بیان کئے اور خریدار نے اس کا آرڈر دے دیا، مگر جب چیز آئی تو نمونہ کے مطابق نہ تھی، تو اس کو واپسی کا حق ہے۔

البتہ اگر اس نے اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا، یا خود استعمال کرلیا تو پھر واپسی کا حق نہیں ہے، استعمال کرنے کی جو تفصیل خیار شرط میں بیان کی گئی ہے اس کو یہاں بھی سمجھنا چاہئے، خیار وصف کی صورت میں اگر خریدار کا انتقال ہوگیا تو ورثہ کو بھی اس مال کے واپس کرنے کا حق باقی رہے گا۔

خیار وصف کے دوسرے احکام قریب قریب وہی ہیں، جو خیار شرط اور خیار رویت کے ہیں۔

خیار رویت

اگر کسی نے بائع کے کہنے اور بتانے پر بغیر دیکھے ہوئے کوئی چیز خرید لی، تو اس کے دیکھنے کے بعد خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار باقی رہے گا، اس کو خیار رویت کہتے ہیں، البتہ بائع یعنی بیچنے والے کو خیار رویت کا حق نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے ایک مکان کسی دوسری جگہ پر خریدا، یا کسی دوسرے ملک سے کوئی مال منگا لیا اور دیکھنے کے بعد پسند نہ آیا، تو اس کو لینے یا نہ لینے کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر کسی نے کوئی مال یا جائداد دوسرے شہر میں وراثت میں پائی، یا اور کسی طریقہ سے اس کو مل گئی اور اس نے کسی کے ہاتھ فروخت کردی، تو اب بائع کو دیکھنے کے بعد واپسی کا حق نہیں ہے، چاہے اس میں اس کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو، اس کو پہلے ہی دیکھ لینا چاہئے تھا، کیونکہ یہ اس کی ملک میں تھی، بخلاف خریدار کے کہ چونکہ اس کی

ملکیت میں یہ چیز نہیں تھی، اس لئے اس کو دیکھنے کے بعد فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں چند باتیں اور یاد رکھنی چاہئیں۔

نمونہ دیکھنے کے بعد

کسی چیز کا نمونہ دیکھ لینے کے بعد معاملہ کیا تو اب واپسی کا حق نہیں ہے، البتہ اگر مال نمونہ کے مطابق نہ ہو تو دیکھنے کے بعد واپس کر سکتا ہے، مثلاً کسی نے کپڑے کا، اون کا، یا گھڑی کا یا غلہ کا نمونہ دکھایا اور اسی کے مطابق اس نے مال بھیج دیا تو اب اس کو واپسی کا حق نہیں ہے، البتہ اگر نمونہ کے مطابق نہ ہو تو پھر واپس کر سکتا ہے۔

ایک چیز پر دوسری چیز کا اندازہ

جن چیزوں کا صرف نمونہ دیکھنے سے اندازہ نہ ہو سکے، ان میں نمونہ دکھانا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو دیکھنے کے بعد واپس کرنے کا اختیار ہوگا، مثلاً ایک بکری دکھا کر سو بکری کا معاملہ طے کیا، یا ایک بیل یا ایک گھوڑا دکھا کر چار بیلوں یا گھوڑوں کا معاملہ طے کیا، یا ایک یا چند پھل دکھا کر پوری ایک گاڑی پھل کا معاملہ طے کیا گیا، تو ان چیزوں میں چونکہ یکسانیت نہیں ہوتی اس لئے خریدار کو خیار رویت کا حق باقی رہے گا۔

کھانے پینے والی چیزوں کے چکھنے کا اختیار

جو چیزیں کھانے پینے والی ہیں، ان کو صرف دیکھنے ہی کا حق نہیں ہے، بلکہ ان کو چکھنے کا حق بھی خریدار کو ہے، بشرطیکہ اس سے بائع کو بہت زیادہ نقصان نہ ہو، یا وہ چیز بالکل خراب نہ ہو جائے اور بائع کو مطلع کر دیا گیا ہو، کہ ہم چکھیں گے، مثلاً اگر کسی نے بسکٹ کا پیکٹ خریدا، جیلی کا ایک ڈبّہ خریدا، امرود یا سنترے خریدے تو ان چیزوں کو آپ چکھ سکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ کو بائع سے یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ ہم چکھ کر خریدیں گے اگر وہ

راضی ہو تو چکھنے کے بعد بھی خریدار واپس کر سکتا ہے لیکن اگر وہ راضی نہ ہو تو اس کو چکھنے کا حق نہیں ہے، یا چکھنے کی صورت میں دوکاندار کو زیادہ نقصان ہو تو بھی وہ اس پر مجبور نہیں ہے مثلاً اگر جیلی کا ڈبّہ آپ کھول کر اس کو چکھیں اور پھر نہ لیں تو اس صورت میں دوکاندار کو بہت زیادہ نقصان ہوگا، کیونکہ کھل جانے کے بعد اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اور اگر کچھ دن نہ بکے تو خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے، لیکن معمولی پھل وغیرہ کے چکھنے میں یہ بات نہیں اس لئے اس کے چکھنے کی مطلقاً اجازت ہے، برخلاف اس کے اگر گیہوں خریدا، یا آٹا خریدا، اور پسانے یا پکانے پر وہ خراب نکلا تو پھر بائع کی مرضی کے خلاف وہ واپس کر سکتا ہے، البتہ جتنا آٹا یا گیہوں وہ استعمال کر چکا ہے اس کی قیمت وضع کر لینے کا حق بائع کو ہے۔

دوبارہ خیار کا حق نہیں

اگر خریدنے سے پہلے اس چیز کو دیکھ لیا تھا، اس کے بعد خریدنے کا معاملہ کیا تو اب دوبارہ اس کو خیار رویت نہیں ہے، لیکن دیکھنے اور معاملہ کرنے کی درمیانی مدت میں اس میں کوئی خرابی آ گئی ہو تو البتہ واپسی کا حق ہے، مثلاً کسی کا مال اسٹیشن پر یا دوسرے کسی مقام پر پڑا ہوا ہے، خریدار نے اسے دیکھ لیا اور پھر اس نے مال والے سے اس کے خریدنے کا معاملہ کر لیا تو پھر اب دوبارہ دیکھ کر اس کو واپس کرنے کا حق باقی نہیں رہا، البتہ اگر اسی درمیان میں بارش آ گئی، یا کوئی اور حادثہ پیش آ گیا، اور وہ مال خراب ہو گیا تو پھر اس کو واپسی کا حق ہے۔

نمائندہ کا دیکھنا

کسی دوکاندار کا نمائندہ اگر کوئی چیز دیکھ کر خریدے تو اب مالک کو واپسی کا حق نہیں ہے، لیکن اگر اس نے مال کی خریداری کا نمائندہ اس کو نہیں بنایا تھا، بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ وہ مال حفاظت سے پیک کرا کے بھیج دے، یا وہاں سے اٹھوا دے، تو پھر اس نمائندہ کا

دیکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ اصل مالک کا دیکھنے کے بعد واپسی کا اختیار باقی رہے گا۔

استعمال کے بعد واپسی کا حق نہیں

اگر خریدار اس چیز کو اپنے استعمال میں لے آئے، تو پھر اس کو واپسی کا حق نہیں ہے، لیکن یہ استعمال چکھنے والا نہ ہو، مثلاً کسی نے سوڈبّے جیلی کے منگائے اور اس میں سے دس بیس ڈبے فروخت کر لئے تو اب پھر مال واپس کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں اگر ایک ڈبّہ کھول کر دوکاندار نے چکھا اور وہ خراب نکلا تو واپسی کا حق ہے، یا ابھی دو ایک ڈبّے فروخت کئے تھے، اور خریدار نے شکایت کی تو پھر اس کو مال واپس کر دینے کا حق ہے۔

اندھے کا خیار

اگر کوئی اندھا ہو اور وہ اپنے ہاتھ سے چھو کر یا چکھ کر یا سونگھ کر یا دوسرے سے پوچھ کر کوئی خرید لے تو اب اس کو خیار رویت باقی نہیں رہے گا۔

خیار رویت کی مدت میں مشتری کا انتقال ہو گیا تو اس کے ورثہ کو خیار رویت کا حق نہیں پہونچتا، اب وہ معاملہ طے سمجھا جائیگا۔

مکان کے کمروں کا دیکھنا

اگر کوئی مکان خریدا تو سارے کمروں کو دیکھنا ضروری ہے، لیکن اگر ایک ہی طرح کے سارے کمرے ہوں تو ایک کا دیکھ لینا کافی ہے، اگر مختلف ہیں اور سارے کمروں کو نہیں دیکھا تو اس کو خیار رویت باقی رہے گا، اور اگر یکساں ہیں تو ایک کا دیکھ لینا کافی ہے

ڈھیر کی چیزیں

اگر مختلف چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے، تو ہر چیز کو دیکھنا ضروری ہے، اگر خریدار نے بعض کو دیکھا اور بعض کو نہیں دیکھا تو اب اس کو یا تو سب لینا ہوگا یا سب کو رد کر دینا ہوگا۔ مثلاً

بہت سے جوتے، چپل، سائیکلیں، کاریں وغیرہ ایک جگہ رکھی ہوئی ہیں اور سب کو خریدنا ہے تو اسے ہر ایک کو دیکھ لینا چاہئے ورنہ اگر ایک سائیکل دیکھ کر یا ایک چپل کو دیکھ کر پورے ڈھیر کا معاملہ کرے گا تو اسے سب لینا ہوگا یا سب چھوڑنا ہوگا۔

خیار عیب

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جو چیز بیچی جائے، بیچنے والوں کو چاہئے کہ اس کی اچھائی اور برائی کو وہ بتا دیں، اگر کسی نے دھوکے سے کوئی چیز بیچ دی، یا کسی نے خراب نوٹ یا روپیہ دھوکے سے کسی چیز کی قیمت میں اس کو دے دیا، تو ایسا کرنا حرام ہوگا اور وہ سخت گنہ گار رہوگا، اور یہ خرید وفروخت باطل ہوگی، خریدار کو واپسی کا حق ہوگا، اس کو خیار عیب کہتے ہیں،

ایک دن نبی ﷺ ایک غلّہ کی دوکان پر تشریف لے گئے، اور اس کے غلّہ کے ڈھیر میں دستِ مبارک ڈال کر دیکھا تو اندر کچھ نمی محسوس ہوئی، آپؐ نے پوچھا کہ کیا بات ہے، اس نے کہا کہ بارش سے یہ غلہ بھیگ گیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ پھر بھیگے ہوئے غلہ کو اوپر کیوں نہیں کر دیتے تاکہ لوگوں کی نظریں پڑیں اور دھوکہ نہ کھائیں، پھر فرمایا کہ جسنے دھوکے سے کوئی چیز فروخت کی وہ میری امّت سے نہیں ہے۔

من غش فليس منى ۔ (مسلم بحوالہ مشکوۃ)

اس حدیث اور متعدد احادیث نبوی وآیاتِ قرآنی کی روشنی میں فقہاء کرام نے خیار عیب کے بے شمار مسائل مستنبط کئے ہیں۔

عیب کی تعریف

عیب سے مراد ایسی خامی یا کمی یا نقص ہے جس سے چیز کی قیمت گر جاتی ہے۔

اگر بائع نے کسی چیز کی قیمت اتنی لی، جتنی صحیح سالم چیز کی لی جاتی ہے، اس کے

بعد عیب نکلا تو خریدار کو واپس کر دینے کا حق ہے، اگر خریدار اس عیب دار چیز کو لینا چاہتا ہے تو قیمت کم کرانے کا اس کو اختیار نہیں ہے، بلکہ یا تو وہ اسی قیمت پر لے لے ورنہ واپس کر دے، البتہ اگر دوکاندار اپنی خوشی سے کچھ دام کم کر دے تو اس کو اختیار ہے۔

عیب بتانے کے بعد

اگر دوکاندار نے عیب بتا دیا اور اسکے باوجود کسی نے وہ چیز خرید لی، تو اب اس کو واپسی کا حق نہیں ہے۔

خریدار کے گھر کا عیب

اسی عیب و نقص کی بنا پر کسی چیز کے واپس کرنے کا حق ہے، جو دوکان یا بائع کے گھر میں پیدا ہو چکا ہو، یعنی خریدنے سے پہلے موجود ہو، اگر خریدار کے گھر میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اب واپسی کا حق نہیں ہے، یا ایک عیب دوکان کا تھا، دوسرا اس کے گھر پیدا ہو گیا، تو اس صورت میں بھی اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، مثلاً کپڑا خریدا، اور وہ کچھ کٹا ہوا تھا، گھر لا کر رکھا اور اس کے اوپر روشنائی گر گئی، یا چوہے نے کاٹ دیا، یا خود ہی اس نے قینچی لگا دی، تو اب اس دوسرے عیب کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کو واپسی کا حق باقی نہیں رہا۔ البتہ پہلے عیب کے بقدر اس کی قیمت کم کرانے کا حق ہے، قیمت کا اندازہ اس پیشہ کے ماہر یا اس چیز کے مستقل بیچنے والے یا خریدنے والوں سے کرانا چاہیئے۔ اگر دوکاندار دوسرے عیب کے باوجود واپس کر لے تو یہ اس کی شرافت ہے، مگر خریدار کو اس کی شرافت یا مروّت سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیئے۔ کیوں کہ اس میں اس کا نقصان ہے۔

اگر بائع یہ کہہ کر کوئی چیز فروخت کرے کہ ظاہری طور پر اس میں کوئی عیب نہیں ہے اور خریدار نے بھی اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہے تو اب اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر محض اس کے کہنے پر لے لیا اور خود دیکھا بھالا نہیں تو اس کو واپسی کا حق ہوگا۔

عیب معلوم ہونے کے بعد

عیب معلوم ہو جانے کے بعد خریدار کو چیز فوراً واپس کر دینی چاہیئے، اگر اس نے اس کے بعد بھی استعمال کی تو اب اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر ایسی چیز ہے جس کا عیب استعمال کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً گھڑی، پین، سواری کا جانور، موٹر سائیکل، رکشا، موٹر تو ان چیزوں کا تھوڑا سا استعمال جائز ہے، اسی طرح اگر جوتہ پیر میں ڈال کر دیکھ لیا یا سوٹر پہن کر دیکھ لیا اور عیب نکلا تو اس کو واپسی کا حق ہے۔ لیکن اگر اس نے کئی دن استعمال کر لیا تو پھر واپسی کا حق نہیں ہے، لیکن اگر کسی ایسی چیز کا استعمال کر لیا، جس کا عیب استعمال کے بغیر معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً پلنگ، کرسی، میز، تخت، بغیر سلا ہوا کپڑا، کتاب، کاغذ، وغیرہ تو ان چیزوں کے استعمال سے واپسی کا حق جاتا رہے گا، یا اس نے کوئی جانور خریدا، اور گھر لے جانے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے، یا اس میں کوئی اور عیب ہے، مگر اس کے باوجود جانور پر سواری کرنے لگا، یا اس کا دودھ دوہنے لگا، یا اس کو ہلی میں ھل سے جوتنے لگا، یا اس کا علاج کرانے لگا، تو اب اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے، یا کپڑا لیا، اور عیب معلوم ہو جانے کے بعد اسے رنگ دیا، یا سلنے کو دے دیا، تو اب اس کو اختیار نہیں ہے، یا کوئی زمین لی اور اس کو معلوم ہوا کہ یہ اوسر ہے یا بنجر ہے مگر اسکے باوجود اس نے اس میں درخت بٹھا دیا، یا کوئی چیز بو دی تو اس کو واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔

گھر میں دیکھنے پر خرابی معلوم ہو

اگر کوئی چیز ایسی خریدی، جس کو گھر لا کر دیکھا تو کچھ خراب نکلی اور کچھ اچھی تو خریدار کو یہ حق نہیں ہے کہ اچھی چیزیں رکھ لے اور خراب واپس کر دے، البتہ اگر دوکاندار خوشی سے واپس لے لے تو کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً ایک من غلہ خریدا اس میں نصف سے

زیادہ جوملا ہوا ہے، یا گردوغبار ہے، یا پھل لیا اور اس میں آدھے کے قریب سڑے نکلے تو، یا
تو پورا لے، یا پورا واپس کردے، چھانٹ کر لینے کا حق اس وقت ہے، جب بیچنے والا ہنسی
خوشی اس پر راضی ہو۔

غلّہ میں گردوغبار ہوتو

اگر کسی نے غلّہ خریدا اور ذرا سا اس میں گردوغبار نکلا یا جو یا مٹر یا کنکری نکلی تو اس کا
کچھ اعتبار نہیں، البتہ اگر ایک من میں دو چار سیر گردوغبار نکل جائے تو واپس کرنے کا حق ہے
اس کا تعلق عرف عام سے ہے، یعنی عام طور پر جتنا گردوغبار غلّوں میں رہا کرتا ہے یا
دوسرے اناج کی ملاوٹ رہتی ہے اتنے میں تو واپسی کا حق نہیں ہے اور اس سے زیادہ میں
ہے۔ مثلاً ایک من گیہوں میں اگر آدھ سیر یا پاؤ بھر گردوغبار یا سیر یا دو سیر دوسرے اناج کی
ملاوٹ ہو تو یہ عیب نہیں سمجھا جائے گا، لیکن اگر چار چھ سیر گردوغبار یا ملاوٹ نکلے تو یہ عیب
ہے خریدار کو واپسی کا حق ہے۔

اسی طرح کسی نے ایک سیر بادام یا چار درجن انڈے خریدے اور جب توڑا تو دو
چار خراب نکل گئے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

البتہ اگر زیادہ خراب نکلیں تو اتنی قیمت خریدار کو واپس لینے کا حق حاصل ہے مثلاً
ایک انڈا خریدا اور وہ خراب نکلا یا دو خریدے اس میں سے ایک خراب نکلا تو خریدار کو واپس
لینے کا حق ہے۔

سبزیوں کا عیب کاٹنے کے بعد معلوم ہونے پر

ایسی ترکاریاں یا ایسی چیزیں جن کی اچھائی یا خرابی کا پتہ کاٹنے کے بعد ہی چل
سکتا ہے تو اگر وہ سب کی سب بیکار اور پھینک دینے کا قابل ہوں، تو پھر خریدار کو دام واپس

لینے کا حق ہے، اگر کچھ خراب ہیں تو اس کا حکم اوپر آچکا ہے، اگر یہ کھانے کے کام میں لانے
کے قابل نہ ہوں، مگر کسی دوسرے کام میں آجائیں تو ان کی قیمت کم کرانے کا خریدار کو حق
ہے، مثلاً کسی نے لوکی یا ککڑی یا خربوزہ خریدا، گھر لا کر کاٹا، تو سب خراب نکلے تو ایسی صورت
میں واپس کرنے اور دام لینے کا حق ہے، یہ بیع باطل ہے

اگر وہ آدمی کے کھانے کے قابل نہیں تھے مگر اسے کسی جانور کو کھلا دیا تو اس صورت
میں قیمت کم کرانے کا حق ہے، یا دودھ لیا اور جس برتن میں لیا ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں
تھی اور پھٹ گیا تو اگر وہ استعمال کے قابل تھا، اور اسے استعمال کرلیا تو اس سے قیمت کم
کرانے کا حق ہے، اگر پھینک دینے کے قابل تھا، تو پھر پوری قیمت واپس لینے کا حق ہے،
اسی طرح بادام اور انڈے وغیرہ کا حکم ہے۔

مقررہ مدت کا خیار

اگر کوئی شخص کئی چیزوں کی قیمت بتا کر مشتری سے کہے کہ اتنے دن میں آپ کو جو
چیز لینی ہو اسے طے کر لیجئے تو بیع صحیح ہوگی، اور مشتری کو مقررہ مدّت کے اندر ایک یا دو چیز
جو اسے خریدنا ہے، اس کی تعین کر لینی ہوگی، اسی طرح بائع ان میں سے جو چیز چاہے بیچے
دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہوگی، اس کو خیار تعیین کہتے ہیں، مگر مدّت کی تعیین ضروری ہے
کہ اتنے دن میں یہ لے لے گا یا نہیں لے گا۔ خیار تعیین کے زمانے میں مبیع بائع کی ملکیت
سے نکل جاتی ہے یا نہیں؟ بعض ائمہ کے یہاں نکل جاتی ہے اور بعض کے یہاں نہیں!

بائع اور مشتری کے اختیارات

جب تک خرید وفروخت کی بات چیت مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک دونوں میں
سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ معاملہ کو ختم کردے مگر مکمل ہو جانے کے بعد یا خیارِ شرط، خیارِ

رویت، خیارِ عیب، اور خیارِ وصف کی وجہ سے معاملہ ختم ہوسکتا ہے، یا پھر دونوں میں سے کسی کو شدید قسم کا دھوکا دیا گیا ہو، جسے فقہاء کی اصطلاح میں غبن فاحش کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے سونے کے زیور خریدے اور سونے کے نہیں نکلے، بلکہ صرف اس پر سونے کا ملمعہ تھا یا خریدار نے جو روپے دیئے وہ سب کھوٹے نکلے، یا جعلی تو ایسی صورت میں دونوں کو واپس کر دینے کا حق ہے۔

معاملہ طے ہوگیا لیکن خریدار نے قیمت نہیں دی

اگر معاملہ طے ہوگیا مگر خریدار نے ابھی قیمت نہیں دی، تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قیمت فوراً دینے کا وعدہ تھا تو جب تک مشتری قیمت ادا نہ کرے، بائع کو اپنی چیز اپنے پاس روکے رکھنے کا حق ہے دوسری صورت یہ ہے کہ معاملہ اُدھار طے ہوا تھا اور خریدار سودا اپنے گھر لے گیا تو بائع کو اپنی چیز واپس لینے کا حق نہیں ہے،

اگر مشتری خود واپس کردے تو اور بات ہے، اس کو پہلے ہی سوچ سمجھ کر دنیا چاہیئے تھا، اب خریدار کی حیثیت مقروض کی ہوگی، اور بائع کی قرض خواہ کی، جس طرح مقروض سے روپیہ وصول کرنے کا حکم شریعت نے دیا ہے اسی طرح وصول کرلے، قرض کا بیان آگے آئیگا، لیکن اگر مدت مقرر ہو اور اس مدّت تک وہ قیمت نہ دے تو بائع کو واپس لینے کا حق ہے۔

پہلے قیمت ادا کی جائے، پھر سامان پر قبضہ کیا جائے، خریدار کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ پہلے سودے کا مطالبہ کرے اور قیمت بعد میں دے۔

زمین کی فصل کا حکم

اگر کوئی زمین فروخت کی گئی اور اس میں فصل کھڑی ہے، یا باغ بیچا گیا اور اس میں پھل ہے، تو بائع کو فوراً اس زمین کو خالی کردینا، اور درختوں سے پھل کو توڑ لینا ضروری ہے، خواہ فصل کچّی اور پھل ناپختہ ہی کیوں نہ ہوں، البتہ اگر مشتری فصل کٹ جانے یا پھل کے

پک جانے تک کی اجازت دے تو یہ جائز ہے، مگر بیع کے وقت یہ شرط نہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ بیع فاسد ہوجائے گی۔

قبضہ میں دشواری نہ ہو

بائع جو چیز بیچے اس کو چاہیئے کہ وہ خریدار کے اس طرح حوالے کردے کہ اس کو قبضہ کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، مثلاً کوئی زمین بیچی اور رہن ہے تو یہ بیع جائز نہیں ہے کیونکہ رہن قبضہ میں مانع ہے، یا درخت بیچا اور اس میں کوئی اور شریک ہے تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں شرکت قبضہ میں مانع ہے، غرض یہ کہ ایسی صورت وہ پیدا کردے کہ خریدار اس کے حوالے کو اپنے قبضہ میں کرسکے، کوئی مزاحمت پیش نہ آئے، مثلاً مکان بیچا اور اس کا تالا کنجی اس کے حوالے کردیا تو اب قبضہ سمجھا جائے گا، یا اس نے آلو بیچا اور خریدار نے اس کو بورے میں کس لیا تو اب اس کا قبضہ ہوگیا۔

جہاں چیز بیچی جائے وہیں سپرد کی جائے

حوالہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جو چیز بیچی جائے وہاں وہ خریدار کی سپردگی اور چارج میں دے دی جائے، یہ ضروری نہیں ہے کہ خود بائع یا مشتری جہاں کے ہیں وہیں وہ چیز حوالہ کی جائے، مثلاً کسی ہندوستانی تاجر نے مصر میں یا کسی پاکستانی تاجر نے امریکہ میں اپنا کوئی مال بیچا اور خریدار کے حوالہ کردیا تو وہ بیع صحیح ہوگئی، اب خریدار خواہ ہندوستان کا ہو، یا جاپان وچین کا، بائع پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اس مال کو چین یا جاپان یا ہندوستان میں لاکر اس کے گھر پہنچادے یا اس کو یہیں لاکر فروخت کرے، اب یہ خریدار کی ذمہ داری ہے، کہ اس نے بخوشی خریدلیا ہے تو وہ اٹھا کر جہاں جی چاہے لے جائے۔ لیکن اگر خریدار نے یہ شرط لگادی تھی کہ ہم یہ مال ہندوستان، یا چین میں لیں گے، تو بائع پر یہ ذمہ

داری ہوگی کہ وہ شرط کے مطابق مال وہاں پہنچا بھی دے۔

خریدار کو مال کا پتہ نہ ہو

اگر بائع نے کوئی مال بیچا، مگر وہ سامنے نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے، تو خریدار کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد اگر معلوم ہو کہ مال ایسی جگہ ہے جہاں سے آنے میں خطرہ ہے یا بہت خرچ پڑے گا، تو وہ عقدِ بیع کو ختم کر سکتا ہے۔

قیمت ادا کرنے سے پہلے

معاملہ طے ہو گیا، لیکن ابھی خریدار نے قیمت نہیں دی ہے، تو جب تک بائع اجازت نہ دے اس کو چیز اٹھانے کا حق نہیں ہے، اگر اس نے اٹھا لیا اور اس چیز میں کوئی خرابی آگئی تو اب یہ اس کا مال تسلیم کر لیا جائے گا، اور اس کو قیمت دینی پڑے گی۔

قبضہ سے پہلے سامان خراب ہو گیا

معاملہ طے ہو گیا، مگر ابھی خریدار نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ چیز خراب ہو گئی، تو اس کا نقصان بائع کو برداشت کرنا پڑے گا، اور اگر اس نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ ٹوٹ گئی تو اب خریدار کو قیمت دے کر اس کو خریدنا پڑے گا۔ (المجلہ ص ۴۲)

مثلاً کسی نے شیشہ کا ایک گلاس خریدا، یا چمنی خریدی، یا چینی کا برتن خریدا، لیکن ابھی اس نے قیمت ادا نہیں کی تھی کہ وہ کسی طرح ٹوٹ گیا، تو خریدار پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اس نے پسند کر کے اپنے ہاتھ میں لے لیا، یا اپنے سامنے اسے رکھ لیا، اور وہ دھکا لگ کر یا گر کر ٹوٹ گیا، تو اب خریدار کو قیمت دینی پڑے گی، یعنی جس کے قبضہ میں وہ ٹوٹے گا، اسی پر ذمہ داری ہوگی۔

معاملہ طے ہونے کے بعد بائع اگر مر جائے

معاملہ طے ہو گیا تھا مگر قیمت دینے سے پہلے مشتری یا سودا دینے سے پہلے بائع مر گیا، تو بائع کو قیمت لینے کا اور مشتری کو سودا لینے کا حق ہوگا، فرض کیجئے کہ بائع نے دو سو روپے کا غلّہ بیچا اور قیمت بھی لے لی، مگر ابھی غلّہ خریدار کے حوالے نہیں کیا تھا کہ وہ مر گیا اور اس کے اوپر کچھ قرض بھی ہے، تو خریدار کو اس کے ورثہ سے غلّہ لینے کا حق حاصل ہے، دوسرے قرض خواہ اگر غلّے کو اپنے قرض میں لینا چاہیں تو ان کو اس کا حق نہیں ہے، اسی طرح اگر مشتری مر جائے اور اس نے قیمت نہ دی ہو تو بائع کو لینے کا حق ہے، قرض خواہ روک نہیں سکتے۔

بخوشی زیادہ چیز دینے کی گنجائش

بائع نے اگر کوئی چیز بخوشی زیادہ دے دی، یا خریدار نے کچھ قیمت زیادہ دے دی، تو معاملہ طے ہو جانے کے بعد کسی کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، یوں اپنی خوشی سے واپس کر دیں تو ان کو اختیار ہے، مثلاً کوئی دوکاندار ایک روپیہ میں دو درجن بٹن بیچتا ہے اور اس نے اپنی خوشی یا رعایت سے کسی کو ایک روپے میں ڈھائی درجن دیئے تو اب اس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے، اسی طرح اگر خریدار نے اس کو بخوشی ایک روپے کی چیز کی قیمت ڈیڑھ روپے دی تو اب اس کو واپسی کا حق نہیں ہے، البتہ غلطی سے دونوں نے زیادہ دے دیا تو واپسی کا حق باقی رہے گا، مثلاً خریدار نے غلطی سے ایک روپے کے بجائے سوا روپے دیئے، یا دوکاندار نے دو درجن کے بجائے غلطی سے ڈھائی درجن بٹن دے دیئے، تو دونوں کو اپنی زیادہ چیز واپس لینے کا حق ہے۔

قیمت کی ادائیگی اور مبیع کے اخراجات

چھوٹی موٹی یا تھوڑی چیزوں کی دست بدست خرید وفروخت میں کچھ خرچ نہیں ہوتا لیکن کوئی بڑی یا بہت زیادہ چیز خریدی جائے، یا کوئی چھوٹی چیز باہر سے منگائی جائے، یا کسی چیز کا تبادلہ کیا جائے تو پھر اس میں ڈاک خرچ یا بار برداری کا خرچ بھی ہوتا ہے تو یہ اخراجات کس پر ہوں گے، اس بارے میں بھی اسلامی شریعت نے یہ ہدایتیں دی ہیں۔

قیمت کی ادائیگی سے متعلق خرچ

قیمت کی ادائیگی کے متعلق جو اخراجات ہوں گے، وہ خریدار کے ذمہ ہوں گے، مثلاً منی آرڈر کا خرچ، بیمہ کا خرچ یا ڈرافٹ کا خرچ وغیرہ۔

لکھنے پڑھنے کے اخراجات

اسی طرح لکھا پڑھی کے جتنے اخراجات ہوں گے، وہ سب خریدار کو دینے پڑیں گے، مثلاً کوئی زمین یا مکان خریدا تو اس کے دستاویز رجسٹری وغیرہ کے اخراجات خریدار کو دینے پڑیں گے۔

تولنے کی ذمہ داری

جو اخراجات مبیع یعنی بیچی ہوئی چیز کو خریدار کے حوالے کرنے سے متعلق ہیں، وہ بائع کے ذمہ ہوں گے، مثلاً غلّہ بیچا تو اس کے تولنے کی ذمہ داری بائع پر ہے، اگر زیادہ غلہ ہوا تو اس کے تولنے یا ناپنے میں جو خرچ آئے گا، وہ بھی بائع پر ہوگا، اسی طرح کوئی جائداد بیچی مگر اس کا کاغذ اس کے پاس نہیں ہے تو اس کاغذ کے حصول میں جو خرچ ہوگا وہ بائع کے ذمہ ہوگا۔

اندازے سے بیچی گئی چیزوں کا حکم

اگر کوئی چیز تول کر نہیں، بلکہ اندازے سے بیچ دی گئی، مثلاً کھڑی فصل بیچ دی یا باغ بیچ دیا، تو کھیت کاٹنے یا باغ کے پھل توڑنے یا تڑوانے وکٹوانے کی ذمہ داری بائع پر نہیں مشتری پر ہوگی۔

کسی چیز کے بھیجنے کے خراجات

جو چیز سواری یا ڈاک خانہ یا ریل یا مزدور کے ذریعہ بھیجی جائے، اس کے تمام اخراجات خریدار کو برداشت کرنے پڑیں گے، البتہ اگر بائع خود اخراجات برداشت کرلے تو یہ اس کا احسان ہوگا، مگر خریدار کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں، اور اگر اس نے یہ شرط لگادی کہ خرچ بائع برداشت کرے گا، تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

تبادلے کی شکل میں

اگر اشیاء کا تبادلہ اشیاء سے ہوگا، مثلاً ہندوستان کی حکومت یا ہندوستان کے کسی تاجر نے امریکہ سے غلّہ منگایا اور اس کے بدلہ میں پٹ سن چمڑا یا کوئی اور جنس دی تو دونوں خریداروں کو اپنی اپنی چیزوں کے منگانے اور بار برداری کے اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے، البتہ اگر دونوں میں طے ہوجائیکہ دونوں ایک دوسرے کی جائے قیام تک پہونچادیں، تو پھر دونوں کو اپنی اپنی چیز پہونچانے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔

بیع کے تین طریقے

عام طور پر تین طریقوں سے خرید وفروخت ہوتی ہے، اور اسلامی شریعت نے ان تینوں طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔

نقد فروخت کرنا

ایک یہ کہ خرید وفروخت یا دو چیزوں کا تبادلہ دست بدست ہو، یعنی اسی وقت خریدار کو سودا مل جائے اور دوکاندار کو قیمت، بیع کا سب سے عام اور اچھا طریقہ یہی ہے، اور اوپر زیادہ تر اسی طریقہ کا بیان ہوا ہے۔

قیمت ادھار ہو تو

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سودا تو معاملہ کرنے کے بعد ہی دے دیا جائے اور قیمت اُدھار لگا دی جائے۔

اس طریقۂ بیع کو اسلامی شریعت میں بیع نَسیہ اُدھار بیع کہا جاتا ہے اس طریقۂ بیع کی اجازت خریدار کی سہولت کے پیش نظر دی گئی ہے۔

قیمت پہلے لی جائے اور سودا بعد میں دے

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ قیمت تو پیشگی وصول کر لی جائے، مگر سودا بعد میں دیا جائے، اس کو اسلامی شریعت میں بیع سلم یا بیع سلف کہتے ہیں، اور اسی کی ایک قسم بیع استصناع ہے، اس طریقۂ بیع کی اجازت اصلاً بائع کی سہولت کے پیش نظر دی گئی ہے، مگر اس میں خریدار کا فائدہ بھی مضمر ہے۔

بیع نَسیہ

جو چیزیں ادھار بیچی جائیں، یعنی سودا پہلے دے دیا جائے، اور قیمت اس کے کچھ دن بعد لی جائے اسے بیع نسیہ کہتے ہیں، اس کے بارے میں کچھ باتیں قیمت کے بیان میں آچکی ہیں، چند باتیں اور بیان کی جاتی ہیں۔

ادھار میں بائع کی رضامندی ضروری ہے

اُدھار معاملہ کرنے میں، بائع کی رضامندی ضروری ہے، بغیر اس کی رضامندی معلوم کئے قیمت ادھار لگانا جائز نہیں ہے۔

قیمت کی ادائیگی میں تاریخ کا تعین

قیمت کی ادائیگی کی مدّت اسی وقت مقرر ہو جانی چاہیئے، یعنی یہ فلاں مہینہ یا فلاں تاریخ کو یا فلاں مہینہ کے فلاں دن کو دیں گے، یا یہ کہہ دیا کہ عید کے دن یا عیدالاضحیٰ کے دن تو بھی جائز ہے، مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے، کہ جاڑے تک یا گرمی تک یا بارش تک دیں گے، کیوں کہ جاڑے اور گرمی میں بڑی گنجائش ہے اس لئے اس میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ پھر دیں گے، یا جب خرچ آئے گا تو دیں گے، یا جب پیسہ آئے گا، تو دیں گے۔

ادھار مال لینے کے بعد

ادھار فروخت کر دینے کے بعد بائع کو سودا کے واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔

ادھار کی مدّت بڑھانے کا اختیار بائع کو ہے۔

اگر کوئی مدّت مقرر نہ کی تو وہ مدت زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ کی ہوگی، ایک ماہ کے بعد خریدار یا تو فوراً قیمت دے یا بائع سے کچھ اور مہلت مانگے، اس نے مہلت نہ دی تو لامحالہ خریدار کو قیمت اس مدت کے ختم تک دے دینی پڑے گی۔

ادھار کے مدت کی شروعات

ادھار کی مدّت اس وقت سے شروع ہو جاتی ہے، جس وقت بائع نے وہ چیز خریدار کے حوالہ کر دی، اگر بائع نے معاملہ کے بعد ایک مہینہ بعد یا دس دن بعد چیز دی تو

دس دن بعد یا ایک ماہ بعد سے مدت شروع ہوگی ، اسی طرح بائع نے تو چیز حوالہ کردی ، مگر مشتری اس وقت اس کے پاس سے لے نہیں گیا ، بلکہ دس دن بعد لے گیا ، تو جس وقت بائع نے حوالہ کیا ہے ، اسی وقت سے ادھار کی مدت شروع ہو جائے گی ، خریدار کا جب جی چاہے لے جائے ، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قسط مقرر کرنا

اگر بائع نے قیمت کی ادائیگی کی قسط مقرر کردی ہے تو پھر پوری قیمت اکٹھا مانگنے کا حق اس کو نہیں ہے۔

نقد ادھار میں فرق

بائع کو اختیار ہے کہ نقد کوئی چیز سستی بیچے اور ادھار کچھ گراں ، مگر اس بارے میں خریدار کو بتا دینا اور اس کا منظور کر لینا بھی ضروری ہے ، لیکن اگر بغیر بتائے فروخت کرے گا تو یہ جائز نہیں۔

اُدھار خرید وفروخت کے سلسلہ میں نبی ﷺ نے جو ہدایتیں دی ہیں ان کو ضرور سامنے رکھنا چاہیئے ، اوپر ذکر آچکا ہے کہ سامان ادھار دینے اور پھر تقاضے میں آسانی کرنے والے کی بڑی فضیلت ہے ۔ آپؐ نے ایک طرف بائع کو ہدایت دی اور دوسری طرف خریدار کو بھی تنبیہ فرمائی۔

بائع کو پریشان کرنا حرام ہے

خریدار کے پاس جب قیمت ہو جائے ، تو پھر اس کو ٹالنا اور بائع کو پریشان کرنا حرام ہے ، اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو سزا دیجائے گی ، جو استطاعت کے باوجود کسی کی بقایا رقم نہ ادا کرے ، آپؐ نے فرمایا ہے۔

مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ (بخاری ومسلم) دینے کی قدرت رکھنے والے کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ "سب سے اچھا وہ شخص ہے ، جو کسی کا بقایا اچھے طریقے پر ادا کردے"۔

بیع سَلَم

اُدھار بیع کی ایک قسم بیع سلم ہے ، یعنی بائع نے مشتری سے قیمت پہلے لے لی یا مشتری نے خود پہلے قیمت دے دی ، اور چیز بعد میں دینے کا وعدہ ہوا ، اسی کا نام بیع سلم ہے ، اس میں بھی اسی طرح ایجاب وقبول ہوتا ہے ، جسطرح دوسرے طریقہ بیع میں ہوتا ہے ، بیع سلم کی اجازت شریعت نے بائع اور مشتری دونوں کی سہولت کے لئے دی ہے ، اس لئے کہ کبھی خریدار یعنی مشتری کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے ، اور کبھی بائع کو

بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے ، جس کی صفت زبان سے بیان کی جاسکے ، یا تحریر میں لائی جاسکے اور اس کی مقدار کا اندازہ ناپ کر یا تول کر یا گن کر کیا جاسکتا ہو ، تاکہ بائع و مشتری کے درمیان جھگڑا نہ پیدا ہو ، بیع سَلَم کے احکام فقہاء نے آیتِ دین

یٰـا ایُّھَا الَّـذِینَ اٰمَـنُو اِذَا تَـدَ ایَـنْتُم بِدَیْنٍ اِلیٰ اَجَلٍ مُسَمًّی فَا کتُبُو ہُ وَلْیَکْتُبْ بینَکُمْ کَا تبٌ بِا العَدْلِ (الخ سورۂ بقرہ رکوع ٦)

اور متعدد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان کئے ہیں ، ایک حدیث میں ہے۔

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو بیع سلم یعنی لوگ ادھار لین دین کیا کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ جو ادھار لین دین کرے تو اس کا وزن معلوم ہونا چاہیئے اگر ناپ تول کی چیز ہے تو پیمانہ معلوم ہونا چاہیئے ،

اور وقت کی تعیین بھی ہونی چاہیئے‘‘۔ (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۵۰)

اس کے صحیح ہونے کے لئے چند شرطیں لگائی گئی ہیں، اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط بھی نہ پائی جائے گی، تو بیع باطل ہو جائے گی۔

بیع سلم کی شرطیں

پہلی شرط یہ ہے کہ بات چیت پختہ ہو اور وہ خیارِ شرط سے خالی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو چیز لینی ہو، اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جانی چاہیئے اور بہتر ہے کہ کوئی نمونہ دکھلا کر بتا دیا جائے، مثلاً غلہ لینا ہو، تو غلہ کے بارے میں پوری تفصیل آ جانی چاہیئے، گیہوں ہوگا یا جو، اگر گیہوں ہوگا تو کیسا ہوگا، موٹا ہوگا یا پتلا، سفید ہوگا یا لال، اسمیں گرد وغبار نہ ہوگا، دوسرے غلوں کی ملاوٹ نہ ہوگی، خشک ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اگر کپڑا لینا ہے تو اس کی قسم معلوم کر لینی چاہیئے، یعنی ململ ہوگا یا چھالٹی، تن زیب ہوگا یا ادھی سوتی ہوگا یا ریشمی وغیرہ وغیرہ۔ سائیکل، گھڑی، یا قلم خریدنا ہے تو بتا دینا چاہیئے کہ فلاں کارخانہ اور فلاں ماڈل کی ہوگی، اگر یوں کہہ دیا کہ کوئی چیز کیسی بھی دے دینا تو یہ صحیح نہیں ہے، اس میں آئندہ اختلاف کا خدشہ ہے، اور جہاں اختلاف کا خدشہ ہو وہ بیع درست نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بھاؤ اور قیمت بھی طے کر لی جائے، یعنی اگر گیہوں لے گا تو ایک روپے کا کتنا کلو لے گا، اور کتنے روپے کا لے گا، یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ فصل کے وقت جو بھاؤ ہوگا لے لینا، اسی طرح ایک سائیکل یا فاؤنٹین پین یا گھڑی کے بارے میں بات چیت ہوئی اور دوکاندار نے کہا کہ ہم منگا دیں گے، قیمت آپ پیشگی دے دیجئے یا خریدار نے خود ہی پیشگی رقم دے کر کہا کہ ہمیں یہ چیز منگا دیجئے تو اسی وقت یہ بات چیت ہو جانی چاہیئے کہ وہ کتنی قیمت کی ہوگی تا کہ بعد میں کوئی اختلاف نہ ہو، یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے میں پڑے گی، لے لیجئے گا، اسی طرح اگر کپڑا منگانا ہے تو وہ موٹا ہوگا یا باریک، سوتی ہوگا یا

ٹیریکاٹ اور کس کمپنی کا ہوگا، اسی طرح مشین یا کار وغیرہ کے سلسلے میں ہر چیز طے ہونی چاہیئے، غرض یہ کہ نرخ اور قیمت دونوں طے ہو جانی چاہیئے، ہاں منگانے کے اخراجات کے سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جتنا خرچ ہوگا وہ دید یجئے گا، کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اور یہ خریدار کے ذمّہ ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مال لینے کی مدّت مقرر کر لی جائے، یعنی یہ طے ہو جانا چاہیئے کہ فلاں مہینے یا فلاں تاریخ کو ہم مال دے دیں گے، یا عید تک یا بقرعید تک دے دیں گے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ خریدار وہ جگہ بتا دے کہ ہم یہ چیز فلاں جگہ لیں گے، مگر یہ شرط ان چیزوں میں ہے جو آسانی سے منتقل نہ ہو سکیں، مثلاً دس بیس، یا سو دو سو من غلہ خریدنا ہے یا دو چار گانٹھ کپڑے کی لینی ہے، یا دس بیس کرسیاں خریدنی ہیں، تو ایسی چیزوں کے بارے میں خریدار بائع کو یہ بتا دے کہ ہم کو فلاں جگہ یہ چیزیں پہنچا کر دینی ہوں گی، اگر ایسی چیزیں ہیں جو آسانی سے منتقل ہو سکیں، مثلاً گھڑی فاؤنٹین پین، لالٹین، دس بیس گز کپڑا، دس بیس سیر غلّہ تو پھر ایسی چیزوں میں اس کی شرط کی اجازت نہیں ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ پورا روپیہ معاملہ کرتے وقت ہی ادا کر دیا جائے، اگر بات چیت آج ہوئی اور روپیہ کل دیا، تو بائع کے اوپر کوئی ذمّہ داری نہیں ہے کہ وہ کل کی بات کا آج بھی پابند رہے، بلکہ اب پھر سے اس کو معاملہ کرنے اور انکار کر دینے کا حق ہے، گویا وہ پہلی بات چیت ختم ہوگئی۔ اس میں تمام ائمہ متفق ہیں۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ جتنی مدّت کے لئے یہ معاملہ کیا گیا ہے، اس پوری مدت میں وہ چیز بازار میں موجود ہو، اگر وہ بازار سے غائب ہو جائے تو پھر بائع روپیہ واپس کر سکتا ہے، یہ قید فقہاء احناف نے لگائی ہے مگر امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت اس کو وہ چیز دینا ہے، اس وقت موجود ہونا چاہیئے، اور اگر وہ چیز نادر الوجود ہو تو

پوری مدّت میں موجود رہنا ضروری نہیں ہے۔

راقم کے نزدیک عام حالت میں فقہائے احناف ہی کی رائے کتاب وسنت کی عام ہدایات کے زیادہ مطابق معلوم ہوتی ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ

نهى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن بيع النخيل حتٰى يو كل ،

اس مفہوم کی دوسری احادیث بھی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز موجود نہ ہواس کا اُدھار معاملہ کرنا صحیح نہیں ہے مگر شدید ضرورت میں ائمہ ثلثہ کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے، شدید ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ جب اشیاء کی قلّت کا شدید اندیشہ ہو، اور اگر ابتلائے عام ہوجائے تو مولانا تھانویؒ نے امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔
(امدادالفتاوی)

بیع استصناع

بیع سلم ہی کی ایک قسم بیع استصناع بھی ہے، استصناع کے معنی بنوانے کے ہیں، یعنی وہ معاملہ جو کسی چیز کے بنوانے کے لئے کیا جاتا ہے، دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ بیع سلم میں قیمت معاملہ کرتے ہی ادا کردیجائے اور بیع استصناع میں قیمت فوراادا کرنی ضروری نہیں ہے، بلکہ جب اس کو مال مل جائے، تب قیمت ادا کرلے اور تمام باتیں بیع سلم کی طرح پہلے ہی طے ہوجانی چاہئیں، بیع استصناع ہر جائز چیز میں جائز ہے جس کے بنانے اور بنوانے کا رواج ہو۔

بیع کے ناجائز طریقے

اوپر کی اصطلاحوں کی تشریح کے ضمن میں جائز اور ناجائز بیع کا ذکر آچکا ہے، اب تک بیع کے جائز طریقوں کا ذکر تھا، اب بیع کے ناجائز طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فقہاء

ناجائز بیع کی تین قسمیں کرتے ہیں ایک بیع باطل، دوسرے بیع فاسد، تیسرے بیع مکروہ۔

بیع باطل کا حکم

بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ وہ خرید وفروخت کا معاملہ بالکل کالعدم سمجھا جائے گا، یعنی خریدنے والا نہ تو چیز کا مالک سمجھا جائے، اور نہ بیچنے والا قیمت کا، اس کا کھانا اور پھر اس کا بیچنا سب حرام ہے، مثلاً کسی نے سودی کاروبار کیا یا شراب کا کارخانہ قائم کیا، یا اس کی دوکان کھولی، یا جوئے کے ذریعہ آمدنی بڑھالی، جیسے لاٹری، اور معمّے وغیرہ تو چونکہ یہ چیزیں اسلام میں مال ہی تسلیم نہیں کی گئی ہیں، اس لئے یہ سارا کاروبار حرام اور باطل ہوگا۔

بیع فاسد ومکروہ کا حکم

بیع فاسد ومکروہ کا حکم یہ ہے کہ اگر غلطی سے ایسی خرید وفروخت ہوگئی ہے تو اس معاملہ کو فسخ کردینا چاہیئے، اگر نہ کرے گا، تو اسلامی حکومت بیع فاسد کو تو زبردستی فسخ کرادیگی، بیع مکروہ کو زبردستی فسخ نہیں کرائے گی ایسا کرنے والا گنہ گار ہوگا۔

بیع باطل

جو چیز شریعت میں حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے، البتہ اگر وہ مردوں کے لئے حرام ہو اور عورتوں کے لئے نہ ہو تو اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے، اسی طرح بعض چیزوں کا کھانا حرام، مگر ان کی خرید وفروخت حرام نہیں ہے، اب ان سب کی تفصیل کی جارہی ہے۔

چاندی اور سونے کی بنی ہوئی چیزیں

ایک تو وہ چیزیں جو سونے یا چاندی سے بنی ہوں، اگر وہ سونے یا چاندی یا ان کے سکّوں سے خریدی، یا بدلی جائیں، تو اس میں دو باتیں ضرور ہی ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ

دونوں کاوزن برابر ہو دوسری یہ کہ دست بدست ہوں، یعنی آمنے سامنے دونوں چیزیں بدلی جائیں اگر ان میں کوئی بات نہ ہوگی تو یہ معاملہ سود کا معاملہ ہو جائے گا، اس کی دوصورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ دونوں طرف چاندی ہو، یا دونوں طرف سونا ہو، مثلاً کسی کے پاس چاندی ہے وہ چاندی کے بدلہ دوسری چاندی یا چاندی کا زیور لینا چاہتا ہے، یا سونا ہے اور اسکے بدلہ میں دوسرا سونا یا سونے کا زیور لینا چاہتا ہے، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملہ دست بدست کرے، اور دونوں کا وزن برابر ہو، اگر اس نے ادھار معاملہ کیا، یا دونوں کے وزن میں کمی بیشی کی تو یہ معاملہ حرام ہو جائے گا، اگر نئے زیور کی بنوائی دینی ہو تو اس کو الگ سے دینا چاہیئے، جس چاندی یا سونے یا ان کے بنے ہوئے زیور یا برتن کے بدلہ میں یہ نیا زیور لیا جارہا ہے، اس میں کمی بیشی نہ ہونی چاہیئے۔

سونے چاندی کے سکّے

اسی طرح جن ملکوں میں سونے یا چاندی کے سکّے چلتے ہیں، مثلاً حجاز اور عرب کے بعض ملکوں میں دینار اور درہم چلتے ہیں یا ہندوستان میں پہلے چاندی کے روپے اور سونے کی گنی چلتی تھی، تو ان سکوں کے بدلے میں اگر وہ سونا اور چاندی ہو تو اتنی ہی چاندی لینی چاہیئے، اسی طرح جب ایک حکومت دوسری سے سونے اور چاندی کے سکوں کا تبادلہ کرتی ہے تو اس میں سے دونوں حکومتیں کچھ بٹہ کاٹتی ہیں، یہ بھی اسلام میں سود ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دینار کو دو دینار کے بدلہ یا ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ نہ بیچو، آپ کے اس حکم کو سمجھنے کے لئے موجودہ زمانہ میں سکوں کے تبادلہ کو جاننا ضروری ہے، اسی طرح سکوں کی بلیک مارکٹنگ بھی ناجائز ہے، آج ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں پر یہ کاروبار خوب ہوتا ہے، بلکہ اب تو اندرون ملک بھی باقاعدہ اس کی تجارت ہونے لگی ہے۔

بدلنے کی صورت میں

اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ سونے کو چاندی سے یا چاندی کو سونے سے بدلے، یا سونے کے سکّے سے چاندی خریدے یا چاندی کے سکّے سے سونا خریدے تو اس صورت میں وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے لیکن ایک شرط اس میں باقی رہے گی، وہ یہ کہ معاملہ دست بدست ہو، اگر ادھار ہوا تو یہ ناجائز ہوگا، مثلاً ایک تولہ سونے کے بجائے جتنی چاندی ملے، لے سکتا ہے یا دس تولے چاندی کے بدلے میں جتنا سونا بھی ملے وہ خرید سکتا ہے مگر لین دین کا معاملہ دست بدست ہونا چاہیئے،

غرض یہ کہ چاندی اور سونا اس کی بنی ہوئی چیزوں کو اگر ایک ہی جنس سے بدلنا ہے تو پھر اس میں دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وزن بھی برابر ہو، اور دست بدست بھی ہو، لیکن اگر جنس بدل جائے تو پھر کمی بیشی تو ہو سکتی ہے مگر دست بدست ہونا ضروری ہے۔

تول کر بکنے والی چیزیں

تول کر بکنے والی چیزوں کا بیان سونا چاندی کے علاوہ جو چیزیں تول کر بکتی ہیں، مثلاً غلہ، ترکاری، میوہ، شکر، نمک، گوشت، دودھ، لوہا، تانبا، پیتل، المونیم، اگر یہ چیزیں روپے پیسے سے خریدی جائیں پھر تو خریدار اور دوکاندار میں جو بھاؤ اور قیمت طے ہو جائے، اس کے مطابق وہ خریدی و بیچی جاسکتی ہیں، لیکن اگر ان میں سے کوئی چیز یا ان کی بنی ہوئی چیزیں ایک دوسرے سے بدلی جائیں تو ان کی دوصورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ دونوں طرف ایک ہی جنس کی چیز ہو، مثلاً آپ تانبے کا لوٹا دے کر تانبے کی پتیلی لیں، یا گیہوں دے کر گیہوں لیں، یا جو دے کر جو لیں، المونیم دیکر المونیم یا شکر دے کر شکر لیں تو اس تبادلہ میں اوپر کی دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، یعنی وزن بھی برابر ہو، اور آمنے سامنے اور ہاتھ در ہاتھ معاملہ ہو جائے، اب اگر کوئی شخص گیہوں سے

گیہوں کا آٹا، یا جو کے آٹے سے جو کا آٹا بدلنا چاہے تو اس میں کمی بیشی اور اُدھار جائز نہیں ہے، بلکہ وزن بھی برابر ہونا چاہیئے، اور ہاتھ در ہاتھ لینا دینا چاہیئے، خواہ ایک طرف خراب اور دوسری طرف اچھی ہی چیز کیوں نہ ہو، اور دونوں اس کے بدلنے پر راضی کیوں نہ ہوں، کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

مثلاً کوئی شخص خراب گیہوں دے کر اچھا گیہوں لینا چاہتا ہے تو دست بدست ہونا چاہیئے اور دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیئے، البتہ اگر اس نے وہ گیہوں قیمت سے خرید لیا، تو اس قیمت سے وہ جس بھاؤ سے بھی دوسرا گیہوں چاہے، خرید لے یہ جائز ہے، غرض یہ کہ تول کر بکنے والی چیزوں میں اگر ایک جنس کا تبادلہ دوسری جنس سے کرنا ہو تو پھر وزن میں برابری اور دست بدست ہونا ضروری ہے۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ جو چیزیں بدلی جا رہی ہیں، وہ مختلف جنس کی ہیں، مثلاً کسی نے گیہوں دے کر جو لیا، یا جو دے کر دھان لیا، یا دھان دے کر چنا یا باجرہ لیا، یا کوئی غلہ دیکر ترکاری لی، یا دودھ لیا، تانبے کی چیز دے کر المونیم یا لوہے، یا پیتل کی چیز لی، تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، مگر معاملہ آمنے سامنے ہونا چاہیئے، ادھار اور وعدہ کرنا صحیح نہیں ہے، یعنی اس صورت میں وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے، کمی بیشی جائز ہے، مگر معاملہ فوراً ہونا چاہیئے، کیونکہ اس صورت میں ادھار معاملہ کرنے میں اختلاف اور وزن میں کمی بیشی ممکن ہے مثلاً کسی نے دھان دے کر ترکاری خریدی، یا ترکاری آج لی گئی، اور دھان اس کو کل دینے کا وعدہ کیا گیا، تو اس بارے میں یہ اختلاف ہو سکتا ہے کہ ترکاری والا کہے کہ دھان تو اچھا نہیں ہے، یا یہ وزن میں کم ہے، اور دینے والا باصرار کہے کہ تم کو یہی لینا پڑے گا تم سے میں نے اسی کا وعدہ کیا تھا۔

پیمانے سے بکنے والی چیزیں

پیمانے سے ناپ کر بکنے والی چیزوں کا حکم بھی وہی ہے، جو تول کر بکنے والی چیزوں کا ہے، مثلاً ایک بوری سمینٹ لینی ہے، یا کنکری کا سوفٹ چونا دے کر دوسرا سوفٹ چونا لینا ہے تو دونوں کے پیمانے کا برابر ہونا بھی ضروری ہے، اور دست بدست ہونا بھی لیکن ایک بوری سمینٹ دیکر چونا یا چونے دکر سمینٹ لیتی ہے، تو پھر اس میں کمی وبیشی ہو سکتی ہے، مگر معاملہ آمنے سامنے ہونا چاہیئے، یعنی جو چیزیں بدلنی ہوں وہ الگ کر دی جائیں۔

ناپ کر یا گنتی سے بکنے والی چیزیں

جو چیزیں تول کر نہیں بکتیں، بلکہ ناپ کر بکتی ہیں، مثلاً کپڑا، فیتہ، ٹاٹ وغیرہ، یا تعداد کے اعتبار سے گن کر بکتی ہیں، مثلاً آم، انڈے وغیرہ، تو ان کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے، مثلاً کسی نے ایک کتاب دے کر دوسری کتاب یا کاغذ لے کر کاغذ بدلا، یا ایک جوتہ دے کر دوسرا لیا، تو اس کے لئے صرف ایک شرط ہے، وہ یہ معاملہ آمنے سامنے اور دست بدست ہو یعنی دینے والی چیز فوراً دی جائے اور لینے والی چیز فوراً لے لی جائے۔

الگ الگ قسم کی چیزیں

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں چیزیں دو قسم کی ہوں، مثلاً کسی نے کتاب کے بدلہ جوتہ لیا، یا جوتہ کے بدلہ کپڑا لیا یا ان میں سے ایک چیز تول کر بکنے والی ہے، دوسری ناپ کر مثلاً کسی نے ایک من گیہوں دے کر کپڑا یا ترکاری یا آم دے کر کپڑا لیا، یا سنترے دے کر میوے خریدے، تو ان تمام صورتوں میں نہ تو وزن کے برابر ہونے کی ضرورت ہے، اور نہ دست بدست کی، بلکہ ادھار بھی لین دین ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر ایک ہی طرح کی

چیز ہو، مگر اس کی صورت یا اس کی قسم بدل گئی ہو تو بھی اس میں ان دونوں شرطوں کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً کپڑے بہت قسم کے ہوتے ہیں، مثلاً کسی نے ٹیریکاٹ کے بدلے ململ خریدی یا بدلی یا دودھ دے کر کھویا لیا، یا کاغذ دے کر کاپی لی، یا کتاب دے کر کاپی خریدی، تو ان تمام صورتوں میں برابر ہونا یا دست بدست ہونا ضروری نہیں ہے۔

جوا اور شرط والے کاروبار

جس طرح ہر طرح کا سودی کاروبار حرام ہے، اسی طرح جوئے کا تمام کاروبار حرام ہے، جوا خواہ بازی لگا کر کھیلا جائے، یا کوئی شرط لگا کر یا بخت و اتفاق کی بنا پر کوئی فائدہ اٹھایا جائے، اسلام میں یہ سب ناجائز ہے، قرآن و حدیث میں جوئے (میسر) کو حرام کیا گیا ہے، مگر جوا صرف یہی نہیں ہے کہ چند روپے، یا چند پیسے کی بازی لگا کر فائدہ یا نقصان اٹھایا جائے، بلکہ جوئے اور قمار بازی میں وہ تمام صورتیں داخل ہیں جن میں ایک آدمی کا مال دوسرے آدمی کو بخت و اتفاق کی بنا پر مل جاتا ہو، چنانچہ موجودہ زمانہ میں لاٹری، ریس، اور معمّہ وغیرہ کے ذریعہ جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، وہ سب جوئے میں داخل ہے، کیونکہ اس میں سارا فائدہ یا نقصان اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔

مَیسِر یعنی جوئے کی تعریف

میسر کی تعریف علماء نے یہ کی ہے، **تَعلیقُ الملك علی الخطر** (اپنی ملکیت کو خطرہ میں ڈالنا۔)

یعنی اس کا فائدہ اتفاق پر مبنی ہو، اسی بنا پر حدیث میں بیع الغَرَر اور اس کی تمام قسموں سے منع کیا گیا ہے، مثلاً بیع مُنابذہ، بیع ملامسہ، بیع الحصاۃ وغیرہ، بیع الغرر ایک جامع لفظ ہے، اس میں ہر وہ کاروبار داخل ہے، جس میں مذکورہ صفت پائی جائے، گویا غرر کی جو تفسیر آپ ؐ نے

فرمائی ہے، ان میں سے ایک میسر بھی ہے، غرر کی چند قسمیں یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

بیع منابذہ

یہ ہے کہ ایک طرف تو متعین رقم جنس ہو اور دوسری طرف غیر متعین رقم یا جنس ہو، مثلاً کسی نے کہا کہ اس باغ کا پھل میں نے اس شرط پر بیچا، کہ اگر اس میں پانچ ہزار پھل سے جتنے زیادہ ہوں گے تو وہ سب میرے ہونگے اور اگر کم ہونگے تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوگی، یا کسی نے کہا کہ اس چار من گیہوں کے بدلے مجھے اس مٹر کے کھیت کی فصل فروخت کر دو، یا کسی نے کہا کہ فلاں جہاز پر جو سامان آرہا ہے، یا فلاں ریل کے ڈبّہ میں جتنا سامان ہے، وہ سب ہم اتنے روپے پر بیچتے ہیں تو ان تمام صورتوں میں خرید و فروخت صحیح نہ ہوگی۔

کیونکہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ قیمت کی تعیین بھی ہونا چاہیئے، اور جو چیز بیچی جارہی ہے، اس کو متعین اور مقرر ہونا چاہیئے، کیونکہ جس وقت یہ معاملہ طے ہو جائے گا، تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو بائع کو نقصان اٹھانا پڑے گا یا مشتری کو، اور دونوں صورتوں میں اختلاف اور ناراضگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، یوں تو نقصان و فائدہ کا امکان ہر خرید و فروخت میں ہوتا ہے، مگر اس کی وجہ دوسری ہوتی ہے اس کا اصل معاملہ اتفاق پر مبنی نہیں ہوتا، اور یہاں اصل معاملہ ہی اتفاق پر مبنی ہے، اس لئے اس میں ایک کا فائدہ اور ایک کا نقصان بالکل متعین ہوتا ہے، چنانچہ آئے دن ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ ایک آدمی ایک جہاز کا مال بغیر اس کو دیکھے ہوئے خرید لیتا ہے، اور اس کو ایسا دھکّا لگتا ہے کہ وہ بالکل دیوالیہ ہو کر پیسے پیسے کو محتاج ہو جاتا ہے۔

بیع الملامسہ اور بیع الحصاۃ

یہ ہے کہ بہت سی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، ایک شخص نے ان میں سے ایک چیز کو چھو دیا، یا اس نے کسی چیز پر ایک کنکری پھینک دی، یا یہ کہا کہ میرا ہاتھ جس چیز پر پڑ جائے، یا جس پر کنکری پہنچ جائے وہ میری ہے، جیسا کہ آج کل ریس میں اور لاٹری میں ہوتا ہے کہ لاکھوں روپے کا مال صرف پانسے، داؤں اور بازی کے ذریعہ بک جاتا ہے

لاٹری اور معمّہ بازی

لاٹری اور معمہ بازی میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کا فائدہ تو متعین ہوتا ہے، ایک معمّہ یا لاٹری جاری کرنے والے کا، دوسرے جس نے بازی جیتی ہے، یا انعام پایا ہے، مگر ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کی جیب کا پیسہ بلا کسی وجہ کے نکل جاتا ہے، اور یہ سب اتفاقی طور پر ہوتا ہے اور پھر لاٹری اور معمہ بازی اس پہلو سے بھی اسلامی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتی کہ یہ صریح ظلم ہے کہ ہزاروں کی جیب کاٹ کر دو آدمی کی جیب بھر دی جائے، اور یہ ظلم ہزاروں آدمی صرف ایک موہوم امید کی بنا پر برداشت کرتے ہیں۔

اگر ان میں سے ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ اس کے حصے میں کچھ نہیں آئے گا، تو بہت کم آدمی ہوں گے، جو اپنا روپیہ معمّہ کی نذر کریں گے، اور اس کے حل کرنے میں اپنی محنت عزیز ضائع کریں گے، معمہ صرف وہی حرام نہیں جو فیس ادا کر کے شائع کیا جائے، بلکہ وہ بھی ناجائز ہے جو بغیر فیس کے شائع کیا جاتا ہے، اور بظاہر بغیر فیس کے جو معمّے شائع کئے جاتے ہیں، ان میں بھی اس رسالہ کو بیچ کر ایک دوسرے طریقے سے فیس حاصل کر لی جاتی ہے، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک رسالہ دس آدمی لے کر اور اس سے نقل کر کے اپنا حل بیج دیں، بلکہ ہر معمہ بھیجنے والے کو ایک رسالہ خریدنا پڑتا ہے، جب تک کسی حل کے ساتھ اس

رسالہ کی کوپن نہ بھیجی جائے گی، اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

بیمہ کی شرعی حیثیت

بیمہ خواہ مال کا ہو یا جان کا ناجائز، اور حرام ہے، اس میں سود بھی ہوتا ہے، اور قمار بھی اور رشوت بھی، مثلاً مال کے بیمہ میں جو معاوضہ بیمہ کمپنی دیتی ہے، وہ معاوضہ کسی مال کا نہیں ہوتا، بلکہ اس رقم کا ہوتا ہے جو بیمہ کرانے والے اس کو سالانہ ادا کرتے رہتے ہیں، ورنہ مال سے تو اس کمپنی کو کوئی فائدہ ہوتا نہیں، ظاہر ہے کہ نفع بالکل بخت واتفاق پر مبنی ہے، اور اسی کا نام میسر یا قمار وجوا ہے۔

یہ سود اس طرح ہے کہ بیمہ کمپنی نقصان کا جو معاوضہ دیتی ہے وہ رقم یا تو اس رقم سے زیادہ ہوگی، جو اس کو بیمہ کرانے والوں سے ملی ہے، یا اس سے کم دونوں صورتوں میں کسی نہ کسی فریق کا نقصان ہوگا، اور کسی نہ کسی کا فائدہ، اور اسی کا نام سود ہے کہ ایک کا فائدہ یا نقصان تو متعین ہو اور دوسرے کا غیر متعین۔

اسی طرح جان کا بیمہ سود ہونے کے ساتھ رشوت بھی ہے، کیونکہ جان اسلام کے نزدیک مال متقوم نہیں ہے، یعنی وہ عوض یا خرید وفروخت کے بدلہ میں استعمال نہیں کی جا سکتی ہے معاملات میں دونوں طرف ایسی چیزوں کا ہونا ضروری ہے، جو عوض بن سکیں اور رشوت کی یہی تعریف ہے کہ رشوت کسی مال متقوم کے عوض کے بغیر دی جاتی ہے مگر اس وقت ساری دنیا میں بیمہ کا رواج ہے، اس لئے اس کی مزید تفصیل کی جاتی ہے، اور یہ تفصیل ڈاکٹر نور محمد غفاری صاحب کے مضمون اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مضمون ’’بیمہ کی شرعی حیثیت‘‘ سے ماخوذ ہے۔

بیمہ میں دھوکہ ہے

اوپر عرض کیا گیا ہے کہ بیمہ میں رِبوٰ یعنی سودی لین دین بھی ہوتا ہے، اور اس میں

قمار یعنی جوا بھی ہوتا ہے، اور غرر یعنی دھوکہ بھی ہوتا ہے، اور اس پر رشوت کی تعریف بھی صادق آتی ہے، انشورنس (Insurance) انگریزی لفظ ہے، جس کا ترجمہ اردو میں بیمہ کیا جاتا ہے، جس کے اندر ضمانت اور تحفظ کا مفہوم شامل ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

”انشورنس کا تازہ ترین مفہوم ایسی ضمانت ہے، جو لوگوں کا ایسا گروہ دیتا ہے جن میں سے ہر ایک خطرہ میں ہوتا ہے، جس کے اثرات خطرہ کو واقع ہونے سے پہلے جانچا نہیں جا سکتا، ایسا خطرہ جب بھی واقع ہوتا ہے، تو اس کے اثرات اس کے گروہ کے تمام افراد پر تقسیم کر دیئے جاتے ہیں“۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ایڈیشن گیارہ، ج ۱۴ص ۱۵۶)

مذکورہ اقتباس کی روشنی میں انشورنس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ انشورنس گویا مستقبل کے خطرات کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، اس سلسلہ میں انشورنس کے حامیوں میں دو رائیں ہوگئی ہیں، ایک گروہ اسے ”خطرات سے بچاؤ کی تدبیر“ کا نام دیتا ہے، اور دوسرا گروہ اسے خطرات کے خلاف ایک اہتمام تصور کرتا ہے۔

غرض یہ کہ انشورنس کی ابتداء ایک جذبۂ خیر خواہی اور ہمدردی کے تحت ہوئی تھی مگر جب سے یہ اسکیم یہودی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں گئی تو انہوں نے اسے ربو و قمار کی لعنت تک پہنچا دیا جیسا کہ ان کی دوسری معاشی اسکیموں میں یہی ذہنیت کام کر رہی ہے، علامہ ابو زہرہ مرحوم اور شیخ مصطفےٰ زرقاء میں اس مسئلہ پر جو مباحثہ ہوا تھا، وہ کتابی شکل میں عقد التامین کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس میں شیخ ابو زہرہ کے الفاظ یہ ہیں۔

”اگر چہ اس کی ابتداء جذبۂ تعاون سے ہوئی، لیکن جب یہ ادارہ یہودی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں گیا تو انھوں نے اپنی ہر معاشی اسکیم کی طرح اسے ایک ایسے یہودی نظامِ معیشت میں تبدیل کر دیا جس سے تعاون علی البر والتقویٰ کی روح رخصت ہو

گئی، اور وہ بھی سود، اور قمار یعنی جوا کا مجموعہ ہو کر رہ گئی“۔ (عقد التامین ص ۸۰، مطبع جامع دمشق ۱۹۶۲ء)

انشورنس کا طریقۂ کار

انشورنس کمپنی انشورنس کرانے والے سے ایک معاہدہ کرتی ہے، جس کی رو سے بیمہ کرانے والا ایک معینہ رقم بیمہ کمپنی کو ہر ماہ یا سالانہ جمع کرتا ہے، رقم کی تعیین اگر بیمہ جان کا ہے، تو اس کی صحت کی جانچ کے بعد اس کی تعین ہوتی ہے، اور اگر جائداد یا دوکان کا ہے، تو اس کی نوعیت اور نقصانات اور خطرات سے متعلق تجربات بیمہ کمپنی کے اخراجات اور اس سے متوقع یعنی شرح سود سے اس کی تعیین ہوتی ہے، پھر ایک متعینہ مدت کے بعد وہ رقم بیمہ دار یا اس کے وارث کو جسے وہ نامزد کر دے، مل جاتی ہے، اس کی اصل رقم کے ساتھ کمپنی ایک مقررہ شرح کے ساتھ کچھ مزید رقم بھی دیتی ہے، جو در اصل سود ہوتا ہے، مگر انشورنس کمپنی اسے بونس کہتی ہے۔

بیمہ کمپنی پالیسی ہولڈروں کی اس رقم کو سود پر تاجروں کو دیتی ہے، اس طرح وہ اس رقم سے ایک کثیر رقم کماتی ہے جس کا بیشتر حصہ وہ کمپنی خود رکھ لیتی ہے اور ایک قلیل مقدار بیمہ کرانے والوں کو دیتی ہے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کمپنی خود اپنا ایک پیسہ بھی اس میں نہیں لگاتی، یہ سب رقم بیمہ کرانے والوں (پالیسی ہولڈرس) کی ہوتی ہے۔

انشورنس کے شرائط

انشورنس کے طریقۂ کار کے ساتھ اس کے شرائط کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ اسی سے اس کی شرعی حیثیت معلوم ہو سکے گی۔

پہلی شرط۔

اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ بیمہ دار یا پالیسی ہولڈر جب دو سال تک مسلسل اپنی

معینہ رقم کی قسط ادا کرتا رہے گا، تو اس کا اہل سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی جمع شدہ رقم کے بقدر کم سود پر کمپنی سے قرض لے سکے۔

دوسری شرط۔

بیمہ دار کو ایک متعینہ رقم ادا کرنی پڑتی ہے، جسے پریمیم (Premium) کہا جاتا ہے، اگر وہ بعض اپنی مجبوریوں کی وجہ سے کچھ قسطوں کی ادائیگی کے بعد وہ پوری رقم نہ جمع کر سکے تو اس کی جمع شدہ رقم سوخت ہو جائے گی، پھر اپنی بقیہ رقم جمع کر کے بیمہ دار بن سکتا ہے لیکن بند کرنے کی صورت میں جمع شدہ رقم کا حقدار نہیں ہے، اس میں جو نئی ترمیمات ہوئی ہیں، ان کے مطابق اگر تین سال تک وہ قسط ادا کرتا رہا ہے اور پھر بند کر دیا تو اسکی کچھ رقم اس کو واپس ہو سکتی ہے مگر کل نہیں۔

انشورنس کی شرعی حیثیت

انشورنس اپنی سادہ صورت میں ایک مفید اسکیم ہے جس میں بیمہ کرانے والوں کو یا ان کے ورثاء کو تھوڑی سی راحت مل جاتی ہے، مگر جن شرائط کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی اس کے اندر دینی و دنیوی جو مفاسد پوشیدہ ہیں، ان کی بنا پر وہ اسلامی شریعت کے نزدیک ناجائز ہے، اوپر سود کی معاشی اور اخلاقی برائیوں کی طرف جو اشارہ کئے گئے ہیں، بالکل اس سے کچھ بڑے پیمانہ پر مفاسد موجودہ نظام انشورنس میں پائے جاتے ہیں، سود کی برائی کو ہم براہ راست معلوم کرتے ہیں، مگر انشورنس کی برائی پر انسانی ہمدردی اور تحفظ جان و مال کا پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے، اس لئے وہ ہمیں ظاہری طور پر بہت زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس سے ہم کو وہ کراہت محسوس نہیں ہوتی، جو براہِ راست سودی کاروبار میں محسوس ہوتی ہے، حالانکہ دونوں کے نتائج یکساں طور پر شرعی، اخلاقی اور معاشی زندگی کے لئے تباہ کن ہے۔

سود کی شکل میں

انشورنس کے کاروبار کا ہر حقیقت شناس یہ بخوبی جانتا ہے کہ اس کاروبار میں شریعت کا اصطلاحی ربو دو صورتوں میں پایا جاتا ہے۔

پہلی صورت

انشورنس کمپنی جو سرمایہ مختلف ادارے سے اکٹھا کرتی ہے، اسے کاروباری کمپنیوں یا افراد کو سود پر دیتی ہے، اور ان سے سود وصول کر کے کچھ بیمہ کمپنی کے مالکان کھا لیتے ہیں ، اور کچھ بیمہ داروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

دوسری صورت

انشورنس کمپنی بیمہ دار شخص کو مدت مکمل ہونے پر حادثہ وغیرہ کی شکل میں مقررہ مدّت سے پہلے ہی وہ رقم ادا کر دیتی ہے، جس پر بیمہ دار کی زندگی یا جائداد کا بیمہ کیا گیا ہے۔

اب بیمہ کمپنی جو رقم بیمہ دار کو دیتی ہے، اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ کمپنی مدت بیمہ کی تکمیل کے بعد بیمہ دار کی اصل رقم فرض کیا ۵۰ ہزار روپے واپس کر دیتی ہے۔

۲۔ کمپنی بیمہ دار کو اصل رقم سے زائد ادا کرتی ہے، مثلاً ۷۰ ہزار روپے

ان دونوں صورتوں میں اسلام کے اصطلاحی ربو کی دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی صورت میں جب کمپنی بیمہ کی مقررہ مدت کے بعد بیمہ دار کی اصل رقم کے برابر رقم ادا کرتی ہے تو یہ ربوٰ بالنّسیہ ہوگا، گویا یہاں نقد کی بیع نقد روپے کے ساتھ کی گئی ہے، یعنی ۵۰ ہزار کے عوض میں ۵۰ ہزار روپے ادا کئے گئے،

تمام فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر نقد یعنی روپے پیسے کی بیع نقد

کے ساتھ ادھار پر کی جائے تو یہ ربوٰ بالنسیہ ہوگا۔

(ڈاکٹر حسین حامد خان: حکم الشریعۃ الاسلامیہ فی عقد التامین دار الاعتصام، قاہرہ ۱۹۶۹ء)

اس صورت کی وضاحت کے لئے ذرا اہم چند سوالات کرتے ہیں۔

(ا) بیمہ دار کمپنی کو جو رقم قسط کے طور پر ادا کرتا ہے، وہ کس چیز کی قیمت ہے، جو اس نے بیمہ کمپنی سے خریدی ہے، یا کون سا قرض اس نے بیمہ کمپنی سے لیا ہے جس کی قسطوں کے طور پر ادائیگی کی جارہی ہے؟

۲۔ کیا بیمہ کمپنی کی بیمہ پالیسی مال ہے یا قرض حسنہ ہے؟ ظاہر ہے وہ مال ہے نہ قرض حسنہ پھر ادائیگی کس لئے؟ بیمہ کمپنی والے اور بیمہ کے موید ین اسے کوئی نام دیں مگر ہے وہ قرض، جسے بیمہ کمپنی بعد میں مع سود کے ادا کرے گی، گویا بیمہ کمپنی نے نقد کی بیع نقد کے ساتھ کی ہے، جسے فقہائے اسلام کی اصطلاح میں ربوٰ بالنّیہ (ادھار پر سود) کہا جاتا ہے۔

دوسری صورت میں اگر مقررہ مدت سے قبل حادثہ کی صورت میں کمپنی بیمہ دار کی ادا کردہ قسطوں کی رقم فرض کیا ۲۰ ہزار روپے سے زائد یعنی ۵۰ ہزار روپے جن پر بیمہ ہوا تھا، ادا کرتی ہے تو یہ ۳۰ ہزار روپے زائد بغیر کسی عوض کے ہیں، لہٰذا فقہاء کے نزدیک اس بغیر کسی عوض کے زیادتی کی صورت میں ربوٰ بالفضل (نقدلین دین میں زیادتی) اور ربوٰ بالنسیۂ دونوں پائے جاتے ہیں، ان نظریات کی تائید مندرجہ ذیل اقوال سے ہوتی ہے۔

(ا) **ربا النسیة محرم فی النقود مطلقاً۔**

نقد کی لین دین میں ربوٰ بالنسیہ مطلقاً حرام ہے۔

(ب) **ان الزیادة الخالیة عن عوض هو مال من الربا الذی لا یخفیٰ علیٰ الحد۔**

(کسی عوض کے بغیر جو زیادتی) مال پر دی یا لی جائے، وہ ربو کا مال ہے اور یہ کسی پر مخفی نہیں۔

(ج) **اجمع العلماء علیٰ ان بیع الذهب بالذهب والفضة باالفضة ای النقد بالنقد لا یجوز الا مثلاً بمثل ویداً بیدٍ۔** (اعلام الموقعین، ج۲ ص۹۹ منیریہ قاہرہ)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سونے کی بیع سونے کے ساتھ اور چاندی کی چاندی کے ساتھ یعنی نقد کی بیع نقد کے ساتھ اُدھار پر جائز نہیں، ہاں اگر برابر برابر ہو، اور دست بدست ہو (تو جائز ہے۔)

اب ان تینوں اقوال کا اطلاق انشورنس کمپنی کی رقم کی ادائیگی پر کیجئے، مذکورہ بحث کی روشنی میں فرض کریں، بیمہ کمپنی بیمہ دار کو اصل رقم یعنی بغیر کسی زیادتی کے واپس کرتی ہے ،تو یہ (ربوٰ بالنسیہ) یعنی ادھار پر سود ہے، جو شریعت اسلامی کی رو سے حرام ہے، جیسا کہ قول (الف) (ج) سے واضح ہے۔

مثلاً جب کوئی شخص دوسرے شخص سے یہ کہے کہ تم اپنے تین سو روپے مجھے ایک سال کے لئے تین سو روپے کے عوض فروخت کرو تو یہ حرام ہے، البتہ قرض حسنہ کے نام پر تین سو روپے لینا، دینا ایک سال یا اس سے زیادہ کے لئے نہ صرف جائز ہے بلکہ وہ مستحسن ہے۔

لیکن بیمہ کمپنی یہ رقم قرضِ حسنہ کے نام پر نہیں لیتی ہے، بلکہ وہ یہ رقم ایک موہوم بیمہ پالیسی کے عوض حاصل کرتی ہے، فرض کریں ایک بیمہ دار ۵۰ ہزار روپے بالاقساط ادا کر کے ۵۰ ہزار روپے کی بیمہ پالیسی خریدتا ہے، گویا نقد کے بدلے نقد خریدتا ہے، اس کے لئے ایسا معاملہ کرنا حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ہے۔

عن عبادہ بن صامتؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر باالشعیر والتمر باالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یداً بید فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف مشئتم اذ کان یداً بیدٍ۔ (مسلم)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سونے کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا چاندی سے اور گیہوں کا گیہوں سے اور جو کا جو سے، خرمے کا خرمے سے اور نمک کا نمک سے برابر برابر دست بدست ہونا چاہیے، یعنی ناپ تول میں مساوی ہوں، البتہ اگر اس ایک جنس کا تبادلہ ہم جنس کے ساتھ نہ ہو تو کمی بیشی کے ساتھ جس طرح معاملہ کرو لیکن معاملہ ادھار کا نہ ہو، بلکہ دست بدست ہونا ضروری ہے۔
(مسلم)

دوسری حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فمن زا دأو استز ا د فقد أر بی الآ خذ والمعطی فیه سواء ۔(مسلم)

’’جس میں اس نے زیادتی کی، یا زیادتی چاہی اس نے سود کا معاملہ کیا اور اس کے گناہ میں لینے والے اور دینے والے دونوں برابر ہیں‘‘۔

قرآن پاک کی صریح آیت اور مذکورہ بالا احادیث کو جو حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں، اور قمار اور دھوکہ وغیرہ کی صورتوں کو سامنے رکھا جائے تو موجودہ نظام انشورنس کو قطعی جائز نہیں کہا جاسکتا۔

قمار بازی

انشورنس کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئے اس معینہ مدت (جس میں بیمہ ہوا ہے) سے پہلے مر جائے یا تلف ہو جائے تو اصل رقم کے ساتھ جو بونس ملے گا، اس کی شرح زیادہ ہوگی (فرض کریں اس طرح ۵۰ فیصد) اور اگر اس معیّنہ مدت کے بعد تک وہ بیمہ شدہ شخص زندہ رہتا ہے، یا جائداد باقی رہتی ہے، تو شرح بونس کم ہوگی (فرض کریں ۴۵ فیصد) جب کہ تلف ہونے کے وقت کا علم اور تعین کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں، اس شرط کے تحت انشورنس کا کاروبار قمار (جوا) سے مشابہ ہے، ہمارے اس نظریے کی دلیل الفرڈ میز

(Alfred Mans) کا وہ قول ہے جو وہ بیمہ کے قواعد وضوابط کے ضمن میں لکھتے ہیں:

’’ایسے معاملات میں انشورنس کے کاروبار میں شرط یا جوا کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں‘‘۔ (انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنس ج ۷ (انشورنس)

قمار کے بارے میں علمائے اسلام کا فیصلہ

تعلیق الملك علی الخطر و المال فی الجا نبین

(مفتی محمد شفیعؒ و مفتی علی حسن (بیمہ زندگی)

’’قبضہ کا کسی ایسی شئے پر موقوف رکھنا جس کے ہونے اور نہ ہونے کا برابر کا احتمال ہو، اور مال دونوں طرف ہو‘‘۔

اس احتمال کی تفصیل انشورنس کمپنی کے معاہدہ کی روشنی میں یہ ہے کہ اگر بیمہ دار معینہ مدت سے پہلے مر گیا، تو رقم کی اتنی مقدار (فرض کیا ۶۰ ہزار) کا مالک ہوگا، اور اگر معینہ مدت کے بعد زندہ رہا تو اتنی رقم (فرض کیا ۴۵۰۰۰/۰۰ روپئے) کا مالک ہوگا، مقدار رقم کی تعین میں دونوں طرح کا احتمال ہے، زیادہ ملنے کا بھی اور کم ملنے کا بھی، لہٰذا بیمہ کا کاروبار ہوا ہے، کیونکہ جوا کھیلنے والا نہیں جانتا کہ اسے کتنی رقم ملے گی یا وہ کتنی رقم ہارے گا۔

جوا کی حرمت قرآن مجید میں آئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾
(سورہ المائدہ آیت نمبر ۹۰)

اے ایمان والوں! شراب اور جوا، اور دیواستھان (بت)، اور پانسے گندے شیطانی کام ہیں، تو تم ان سے بچتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہو۔

میسر (جوا) کی تفصیل میں امام ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

ولا خلا ف بین اهل العلم فی تحریم القما ر وا ن المخا طر ة من

القمار فقال ان مخاطرة قمار وان اهل الجاهلية كانو ايخاطرون

على المال والزوجة وقد كان مباحاً الىٰ ان ورود الحرمة

(ابوبکر جصاص: احکام القرآن، ج ا ص ۳۸۸)

جوئے کی حرمت کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اس فعل میں ''خطرہ'' کی ساری صورتوں کے شامل ہونے پر بھی اتفاق ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خطر (کم یا زیادہ ملنے کا احتمال) جوا ہے، اہل جاہلیت اپنے مال اور بیوی ہر دو کو داؤ پر لگاتے تھے، شروع شروع میں اس کی اباحت تھی، مگر پھر تحریم نازل ہوئی۔

انشورنس چونکہ ایک جوا ہے، لہٰذا غرر کی تشریح کر دی جاتی ہے، تاکہ مسئلہ زیادہ واضح ہو جائے۔

خطر اور غرر

خطر وہ ہے جس کا ''ہونا نہ ہونا'' معلوم نہ ہو، اور غرر بھی انجام سے بے خبری کو کہتے ہیں۔

الغرر ما يكون مستور العاقبة

(ابوبکر الکاسانیؒ: بدائع الصنائع ج ۳: قاہرہ ۱۹۱۰ء: ص ۶۸)

غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو۔

فقہائے مالکیہ کے نزدیک ''ماتردد بین السلامۃُ الخطف'' (حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ج ۳ ص ۲۵) (غرر وہ شئے ہے جو سلامتی اور ہلاکت کے درمیان ہو۔)

اور شوافع کے نزدیک "کل ما یمکن ان یوجد وان لا یوجد"۔

(غرر وہ شئے ہے جس کے ملنے یا نہ ملنے دونوں طرح کے احتمالات پائے جاتے ہوں۔)

رشوت۔

سود اور جوا کی طرح رشوت بھی حرام ہے، قرآن میں بھی اس کی ممانعت آتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع فرمایا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ رشوت، لینے اور دینے والے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ **لعن اللہ علی الراشی والمرتشی**۔(ابوداؤد، ترمذی)

قرآن پاک کی آیت ''و تدلو بہا إلی الحکام'' کا ذکر اوپر آچکا ہے۔)

رشوت یہ ہے کہ آدمی ایک کام کے لئے مقرر ہے، اور وہ اس کام کے لئے حکومت سے یا کسی ادارہ یا کسی شخص کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے، اور پھر بھی اسی کام کے کرنے کے لئے وہ کچھ اور معاوضہ لیتا ہے، مثلاً ایک دفتر کا کلرک اس لئے مقرر ہے، کہ وہ لوگوں کا پاسپورٹ بنا دیا کرے، اب اگر پاسپورٹ بنانے میں تنخواہ کے علاوہ پاسپورٹ بنوانے والے سے اس نے کچھ لیا تو رشوت ہوگی، کیونکہ اس کو اس کام کا معاوضہ مل رہا ہے، اب یہ رقم وہ کس چیز کے بدلہ میں لے رہا ہے۔

رشوت یہ بھی ہے کہ کسی عہدہ کی وجہ سے اس کو کوئی تحفہ اور ہدیہ ملے، ایک بار ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا، جب وہ واپس ہوا تو اس نے کہا کہ اتنا مال زکوٰۃ کا ہے اور اتنا مجھے ہدیہ ملا ہے۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے پھر دیکھے کہ کون ہدیہ اس کو دیتا ہے، یعنی یہ ہدیہ عہدہ کی وجہ سے ملا ہے۔

(ایک حدیث میں ہے کہ ''لعن اللہ علی الراشی والمرتشی والرائش''۔ رائش سے مراد جو رشوت لینے دینے کی دلالی کرے،) اس وقت رشوت نے ایک وبا کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

بیع معاومہ اور حبل الحبلہ یعنی مستقبل کے سودے

اسی طرح بیع معاومہ اور حبل الحبلہ سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، یعنی ایک شخص

دوتین سال کے لئے اکٹھا اپنے کھیت کی پیداوار یاباغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، یا جانور کے ایک یا کئی حمل کو بیچ دے، اس کو حبل الحبلہ کہتے ہیں۔

مثلاً کسی کھیت میں ایک سال دس کنٹل غلہ پیدا ہوا، یا باغ کا پھل پچاس ہزار روپئے میں بکا تو اسی پر قیاس کر کے یا انداز ے سے دوتین سال آئندہ کے لئے معاملہ کرلے، یا جانور نے بچّہ نہیں دیا، مگر اس کو فروخت کر دیا، یا ایام حمل کے بچہ کو ماں کے بغیر، یا ماں کو بچہ کے بغیر بیچ دیا، نبی کریم ﷺ نے اس طرح کے تمام کاروبار سے اس لئے روکا ہے کہ یہ بھی غرر اور میسر کی ایک قسم ہے۔

(حدیث میں اس طرح کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔"نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع حبل الحبلة و عن بيع الغرر"مسلم، ترمذی، المنتقی ج ۳ ص ۳۱۸، اس حدیث کی روشنی میں فقہا نے لکھا ہے کہ"ولا يجوز بيع الحمل والے نتاج"۔الجوہرۃ النیرۃ ج ا ص ۲۰۲)

موجودہ زمانہ میں چھوٹی تجارت سے لے کر بڑی سے بڑی تجارت میں مستقبل کے سودے کا طریقہ جاری ہے، اس کے ناجائز ہونے کی طرف مسلمان تاجروں کا خیال بھی نہیں جاتا، اس کے ناجائز اور حرام ہونے کے دو خاص پہلو قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں جو چیز بیچی جارہی ہے وہ سامنے اور قبضہ میں نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ محض بخت و اتفاق پر مبنی ہے، غرض یہ کہ یہ خصوصیات جس کاروبار میں پائی جائیں گی، وہ ناجائز ہوگا، خاص طور پر مستقبل کے سودوں کی وجہ سے تو کہیں کہیں چھوٹے تاجروں کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے، مگر زیادہ تر اس سے بڑے تاجروں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ چیزوں کا اسٹاک کر کے گرانی پیدا کریں اور خوب فائدہ اٹھائیں۔

بیع الحبلہ کے بعض اور مسائل

بیع الحبلہ صرف حمل ہی کے بیچنے کو نہیں کہتے بلکہ ہر مجہول چیز کے بیچنے کو کہتے ہیں، مثلاً کسی نے کہا کہ گائے کے تھن میں جو دودھ ہے، وہ میں بیچتا ہوں، یا بھیڑ کے بدن پر

جتنے بال ہیں وہ سب میں بیچتا ہوں، یہ سب بیع الحبلہ میں داخل اور ناجائز ہے، دودھ کو بیچنا ہے تو دودھ نکال کر بیچئے، اور بال کو بیچنا ہے تو کاٹ کر بیچئے، اسی طرح جو لکڑیاں یا بانس مکان میں لگے ہوں، ان سب کا بیچنا باطل اور حرام ہے، اگر بیچنا ہے، تو ان کو نکال کر بیچنا چاہیئے۔

جس کاروبار میں فریب یا دھوکہ ہوا

جس کاروبار میں دھوکہ یا فریب ہو وہ اسلام میں حرام یا مکروہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غش، غرر، نجش اور مُصرّاۃ وغیرہ سے روکا ہے، غرر کے معنی خطرہ برداشت کرنے کے ہیں، وہ کاروبار جس میں کسی فریق کا فائدہ خطرہ میں ہو یا پڑ جائے۔

(المنتقی ج ۲ ص ۳۱۸، مشکوۃ ج ا ص ۲۴۷)

یا جس چیز کی فروخت ہوئی ہے، وہ قبضہ سے باہر ہو تو یہ سب غرر میں شامل ہے، مثلاً کسی نے دریا کی مچھلی فروخت کی، جیسا کہ آج کل حکومتیں ملاحوں کو مچھلی کا ٹھیکہ دیتی ہیں، اسلام میں ان تمام چیزوں کا ٹھیکہ دینا فاسد ہے، جو اس کی ملکیت میں نہ ہوں، اسلامی شریعت میں یہ مچھلیاں ان لوگوں کی ملک ہیں، جو ان کو پکڑتے ہیں، حکومت کا کام یہ نہیں ہے کہ ان سے ٹھیکہ کے ذریعہ فائدہ اٹھائے، بلکہ اس کام میں صرف اتنا ہونا چاہیئے کہ ان کو پکڑنے کے لئے وہ آسانی فراہم کرے، اسی طرح وہ کاروبار جس میں خریدار یا بائع کا فائدہ خطرہ میں ہو ناجائز ہے، جیسا کہ اوپر معاومہ، اور حبل الحبلہ وغیرہ کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے، غرر کی چند اور قسمیں ملاحظہ ہوں۔

غشّ اور مُصرّاۃ

غش کے معنی کھوٹ کے ہیں، اسی سے دھوکے کا مفہوم نکلا ہے اور مُصرّاۃ کے معنی ہیں، کسی گائے، بھینس یا بکری کا دوتین وقت کا دودھ تھن میں اس لئے روک لیا جائے کہ خریدار سمجھے کہ یہ بڑی دودھاری گائے یا بکری ہے۔ **(بخاری و مسلم، المنتقی ج ص ۳۵۱)**

اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، اگر ایسا دھوکہ دیا گیا تو خریدار کو واپسی کا حق ہے۔

غش اور مصرّاۃ میں وہ تمام کاروبار آجاتے ہیں، جن میں لوگ غلط پُروپیگنڈے، شو، اور دکھاوے کے زور سے اپنا خراب مال بھی اچھی سے اچھی قیمت سے بیچ دیتے ہیں، اور لوگ دھوکے میں پڑ کر اسے خرید لیتے ہیں، اگر اسلامی حکومت ہوگی تو وہ غلط پروپگینڈے اور غلط ذرائع سے کیے گئے اس کاروبار کا ناجائز قرار دے گی، جس میں خراب یا نقلی مال کو عمدہ دکھا کر اور اصلی بنا کر یا ملاوٹ کر کے بیچ دیا جاتا ہے، اور لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ (المنتقی ج۲،ص۳۲۲)

اور اگر ایسا دھوکہ میں ہو گیا تو ہر ایک کو مال یا قیمت کے واپس لینے کا حق ہے۔

غیر موجود یا اُدھار مال یا قیمت

ایک طریقہ یہ بھی رائج ہے، کہ مال اور قیمت دونوں غیر موجود یا ادھار ہوتے ہیں، اور خرید و فروخت ہو جاتی ہے، اس کو حدیث میں الکالی بالکالی کہا گیا ہے، اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (رسول ﷺ نے فرمایا ہے لاتبع مالیس عندک ایضاً)

چنانچہ ہندوستان، پاکستان کے ساحلی شہروں مثلاً کلکتہ، بمبئی، کراچی وغیرہ میں اسی طرح لاکھوں روپے کا کاروبار روزانہ صرف زبانی ہوتا ہے، ایسے کاروباریوں کو صرف چند منٹ بات کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑتی ہے، یا پھر کسی مال کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کہ وہ کہاں ہے اور کہاں سے آرہا ہے، اپنی جیب سے ایک پیسہ خرچ کئے بغیر اور مال کے موجود ہوئے بغیر ہزاروں روپے کا فائدہ یا لاکھوں روپے کا نقصان اٹھاتے ہیں، اور اس فائدہ اور نقصان دونوں کا اثر عام خریداروں کی جیب پر پڑتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ایک ادھار معاملہ پر دوسرا ادھار معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً کسی

نے ایک مکان خریدا، اور قیمت ادھار لگادی، پھر کچھ دن کے بعد اس نے فروخت کرنے والے یعنی بائع سے کہا کہ اس مکان کی اگر تم اتنی قیمت دے دو تو پھر تم کو واپس کر دوں، یا اتنا روپے لے کر مکان یا جانور واپس لے لو، تو یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، یا کوئی مال امریکہ یا روس سے چلا ہے، اور ابھی وہ راستہ ہی میں ہے کہ مال کے ایجنٹوں سے ممبئی یا کلکتہ کا ایک تاجر معاملہ طے کر لیتا ہے، اور پھر وہ تاجر کسی دوسرے تاجر سے کچھ منافہ لے کر پھر وہ مال بیچ دیتا ہے، آخری خریدنے والے کو کبھی نقصان بھی ہوتا ہے، اور زیادہ تر فائدہ ہوتا ہے مگر اس الٹ پھیر کی وجہ سے وہ چیز جو یہاں دو روپے میں بکتی وہ پانچ روپے میں یقیناً بکتی ہے۔

جن چیزوں سے جرائم کی ترغیب ہوتی ہو

اسی طرح جن چیزوں سے کسی جرم یا گناہ کی ترغیب ہوتی ہو ان کا بیچنا اور خریدنا سب حرام ہے، مثلاً کسی سامان سے یا سامان پر بنی ہوئی تصویر سے یا اشتہار سے، زنا کی، سود لینے کی، شراب پینے کی، چوری یا ڈاکے یا کسی اور جرم کی ترغیب ہوتی ہو، ان کی خرید و فروخت اور اشاعت دونوں حرام ہے، سنیما کا موجودہ کاروبار، غیر تمدنی فلم سازی، عریاں تصویریں، فحش گانے، اور فحش ناولیں یہ سب حرام ہیں۔

بیع عِینَہ

ایک شخص نے کوئی چیز خریدی، مگر قیمت ابھی ادا نہیں کی ہے کہ پھر بائع نے کہا کہ کچھ قیمت کم لے کر مجھے فروخت کر دو، تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پہلا معاملہ تو درست ہے، لیکن دوسرا درست نہیں ہے، یعنی یہ بیع فاسد ہے اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ بیع نسیہ ہے، بیع عینہ نہیں ہے، وہ بیع عینہ کی تعریف میں دوسرے معاملہ کی وجہ سے داخل ہوا ہے، اس لئے اصل میں دوسرا معاملہ ہی بیع عینہ ہے، پہلا اپنی جگہ پر باقی رہے گا۔

دام پر دام لگانا

اسی طرح کسی خریدار نے ایک چیز کا دام لگایا، اور بائع تیار بھی ہوگیا، اسی درمیان میں ایک دوسرا شخص آکر مال کی قیمت اس لئے بڑھا دیتا ہے کہ خریدار نہ خرید سکے، یا وہ خود اس کو خرید لے، یا وہ زیادہ قیمت دے کر خریدے، اسی طرح ایک بائع یعنی دوکاندار نے کسی چیز کی قیمت بتائی اور خریدار بالکل لینے کے لئے تیار تھا کہ ایک دوکاندار سے چیز کا نمونہ دکھا کر کہتا ہے کہ میں اس سے کم دام پر دے سکتا ہوں، اب وہ خریدار بدک جاتا ہے، یہ تمام صورتیں ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہیں، اگر اس طریقہ پر خرید وفروخت کا معاملہ کرلیا جائے، تو امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ بیع باطل ہوگی، اور دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ بیع کالعدم تو نہیں قرار دی جائے گی، مگر یہ بیع مکروہ ہوگی، اس کو حدیث میں بخش بھی کہا گیا ہے، بخش کے معنی کریدنا اور نفرت دلانا ہیں۔

بیعانہ یا ایڈوانس

کسی چیز کے خریدنے کے لئے خریدار نے کچھ رقم، دوکاندار کے اطمینان کے لئے پیشگی دی، اور دوکاندار نے یہ شرط لگائی کہ اگر آپ یہ چیز نہ لے جائیں تو میں یہ رقم بھی واپس نہ کروں گا، تو یہ باطل ہے، مثلاً کسی نے موچی سے کہا کہ ایک جوڑا جوتہ تیار کردو، موچی نے کہا کہ کچھ بیعانہ دے دیجئے، اگر آپ نے جوتہ نہ لیا تو بیعانہ واپس نہیں ہوگا تو اس کو یہ شرط لگانے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر بغیر شرط کے پیشگی یا بیعانہ لے لے، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، مگر سودا لینے کی صورت میں وہ بیعانہ ہڑپ نہیں کرسکتا اس کو ''بیع عربون'' کہتے ہیں۔

بیع تلجۂ

بیع تلجۂ یہ ہیکہ آدمی کسی دشمن یا حاکم کے خوف سے کسی آدمی سے کہے کہ میں نے

ظاہری طور پر فلاں چیز آپ کے ہاتھ بیچ دی ہے، تو یہ بیع لغو سمجھی جائے گی، گویا اس نے اپنی چیز کی حفاظت کے لئے ایسا کیا ہے، وہ حقیقی بیع نہیں ہے۔ اگر اس نے کوئی تحریر لکھ دی ہے یا رجسٹری کردی ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں وہ چیز دینے والے ہی کی رہے گی۔

کمیشن کی صورتیں

مال کے بیچنے کے لئے کمیشن پر یا اجرت پر ایجنٹ مقرر کئے جاسکتے ہیں، ان سے ضمانت بھی لی جاسکتی ہے، مگر ضمانت میں یہ شرط نہ ہو کہ اگر تم نے اتنا مال نہ فروخت کیا یا اتنے دن کام نہ کیا تو یہ ضمانت ضبط ہوجائے گی، ضمانت کا روپیہ صرف اس صورت میں لیا جا سکتا ہے، جب وہ ہدایت کے خلاف عمل کرے اور نقصان ہوجائے، یا وہ کوئی مال یا چیز لے کر غائب ہوجائے،۔

ایجنٹ کا مال

کسی نے ایجنٹ کو ایک مال دیا، اور حکم دیا کہ اس کو ۱۰؍ روپیہ درجن یا ۴۰ روپیہ من کے حساب سے بیچو، اس نے دو درجن والی چیز کو ۱۲؍ روپیہ میں، چالیس من کی چیز کو چوالیس میں بیچ دیا، تو یہ دو یا چار روپے ایجنٹ کے نہیں، مالک کے ہوں گے، ایجنٹ وہ نہیں لے سکتا، البتہ اگر مالک اپنی خوشی سے اس کو دے دے تو جائز ہے۔

باغ کا پھل

باغ کا پھل جس وقت بیچا جائے، خریدار کو اسی وقت توڑ لینا چاہیئے، اور بائع اس کو اس پر مجبور کرسکتا ہے، مگر ہندوستان اور پاکستان میں عام طور پر پھل پکنے تک درخت ہی پر رہتا ہے، اور بائع کی طرف سے اس کی اجازت بھی ہوتی ہے، اس لئے یہاں توڑنا ضروری

نہیں ہے، کیونکہ اس کا تعلق بائع کی رضامندی سے ہے، اور وہ یہاں موجود ہے، لیکن اگر کوئی بائع راضی نہ ہو تو پھر وہ توڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ)

(۱) کسی چیز کو نیلام کر کے بیچنا جائز ہے، خود رسول ﷺ نے ایک صحابی کا ایک پیالہ اور کمبل نیلام فرمایا تھا۔

(۲) ہنڈی وغیرہ میں بٹہ کاٹنا جائز نہیں ہے، اس کا ذکر حوالہ میں آئے گا۔

(۳) ریلوے کی طرف سے اسٹیشن سے مال اٹھالے جانے کی ایک مدت مقرر تھی، اگر اس وقت تک کوئی مال نہ اٹھا کر لے جائے تو اس کو فروخت کر کے قیمت ریلوے خود لے لیتی ہے، اس کو لینے کا حق نہیں ہے، وہ قیمت مال والے کو ملنی چاہیئے۔ (امداد الفتاویٰ)

(۴) اگر کوئی یہ اشتہار دے کہ جو لوگ اتنی قیمت یا چندہ بھیج دیں گے، ان کو یہ کتاب یا رسالہ یا یہ مال اتنے روپے میں ملے گا، اور اس کے بعد اس کی قیمت بڑھ جائے گی تو یہ جائز ہے۔

(۵) لیکن یہ طریقہ ناجائز ہے کہ جو اتنا روپیہ بطور چندہ یا بطور مدد دے، یا اتنی ممبری فیس ادا کرے، اس کو زندگی بھر ادارہ کا رسالہ اور اس کی مطبوعات دی جائیں گے، یہ بیع کئی وجوہ سے ناجائز ہے، یہ بیع مُعاومہ یعنی مستقبل کا سودا ہے، اس کے ناجائز ہونے کی تفصیل اوپر آچکی ہے، دوسرے پوری بیع ابھی وجود میں نہیں آئی ہے، اس لئے یہ بیع الحبلہ میں بھی داخل ہے، اس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے، پھر یہ رعایت اور فائدہ اتفاق پر مبنی ہے، اس حدیث سے یہ ایک طرح کا جوا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ ادارہ آئندہ چلے یا نہ چلے ایسی صورت میں کسی کو زندگی بھر کسی رعایت کے دینے کا لالچ دے کر روپیہ وصول کرنا ایک طرح کا دھوکہ ہے۔

(۶) بانڈ وغیرہ کا نفع یا سود بھی حرام ہے۔

(۷) بیع فاسد بھی سود کی ایک قسم ہے، اس لئے نتیجہ کے اعتبار سے بیع باطل اور فاسد دونوں حرام ہیں۔ (امدادی الفتاویٰ ج ۳)

(۸) مشتری کے اوپر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بائع سے جو چیز خرید رہا ہے اس سے یہ دریافت کرے کہ تم نے یہ چیز حرام ذریعہ سے کمائی ہے، یا حلال ذریعہ سے حاصل کی ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ وہ عموماً ایسی چیزیں بیچتا ہے جو چوری کی ہوتی ہیں، یا دھوکہ فریب وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہیں، تو پھر احتیاطاً دریافت کر لینا چاہیئے، اور اس کی خریداری سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیئے، مگر ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔

وراثت یا ہدیہ کا مال

اگر کسی کو ایسا مال وراثت میں یا ہدیہ میں ملے، جس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ حرام طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے، یا فلاں کا حق دبا کر لیا گیا ہے، تو یہ مال جس کا ہے، اس کو واپس کر دینا چاہیئے، اور اگر وہ نہ ملے تو پھر صدقہ کر دینا چاہیئے،

مثلاً کسی کے باپ نے کسی کی زمین دبالی ہے، یا اس نے رشوت سے یا چوری کے ذریعہ سے مال کمایا ہے، اور وہ مال یا زمین آپ کو وراثت میں ملتی ہے، تو آپ کو چاہیئے کہ اگر حقدار مل جائے، تو فوراً اسے اس کا حق واپس کر دیں، اگر نہ ملے تو صدقہ کر دیں، اگر مورث نے سود، جوا، زنا، گانے، بجانے یا کسی حرام ذریعہ سے یہ روپیہ حاصل کیا ہے، تو بہتر یہی ہے کہ اس روپے کو وہ اپنے اوپر صرف نہ کرے، بلکہ صدقہ کر دے، لیکن اگر استعمال کر لے، تو حکومت اس کو کوئی سزا نہ دے، مگر دیانۃً وہ گنہگار ضرور ہوگا، حکومت سزا اس لیے نہیں دے گی کہ حرام طریقہ سے روپیہ کمانے کا جرم اس نے خود نہیں کیا ہے اور دیانۃً اس لئے وہ گنہگار ہوگا کہ حرام چیز اس نے رغبت سے کھائی، خواہ وہ دوسرے ہی کی پیدا کردہ کیوں نہ ہو، البتہ اگر وہ بالکل معذور ہے، یا بہت زیادہ تنگدست ہے تو بقدر کفاف کھانے میں گناہ نہیں ہوگا۔

ناپاکی بھی عیب میں داخل ہے، یعنی اگر کسی نے ناپاک چیز بیچ دی، اور مشتری کو علم ہو، تو وہ اس کو واپس کرسکتا ہے۔

تیل یا گھی کا بیچنا

تیل یا گھی وغیرہ ناپاک ہوجائے، تو اس کا بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ اگر وہ کھانے کے کام میں نہیں آئے گا، تو دوسرے کام میں آجائے گا، مگر خریدار کو بتادینا ضروری ہے، تاکہ وہ اسے کھانے میں استعمال نہ کرے۔

عورت کا دودھ بیچنا ناجائز ہے۔ مگر علاج ومعالجہ کے لئے جائز ہے۔

بکری ادھیا پر دینے کا حکم

اگر کسی نے کوئی جانور اس شرط پر دیا کہ کھلانے، پلانے اور چرانے کے بعد جب بچّے ہونگے تو دونوں بانٹ لیں گے، اسے دیہات میں ادھیا کہتے ہیں، یہ ناجائز ہے، جو بچے ہوں گے، وہ مالک کے ہوں گے، چرانے والے کو کھلانے پلانے اور چرواہی کی اجرت ملے گی۔

اسی طرح کسی نے کہا کہ ہماری زمین میں درخت لگاؤ پھل اور درخت یا صرف درخت یا پھل میں دونوں آدھا آدھا لیں گے، تو یہ بھی ناجائز ہے، لگانے والے کو صرف پودے کی اور محنت کی اجرت ملے گی، درخت اور پھل میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

لیکن اگر اس نے لگے ہوئے باغ کے بارے میں کہا کہ اس باغ کے پھل کی نگرانی کرو، جو پھل ہوگا، وہ دونوں لے لیں گے، تو یہ جائز ہے، اس کا بیان مزارعت میں آئے گا۔

جاندار کھلونے

جو کھلونے کسی جاندار کی صورت میں بنائے جاتے ہیں، ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا سب حرام ہے اگر یہ چیزیں کوئی توڑ دے تو اس سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا دوسرے غیر جاندار چیزوں کے کھلونوں کا بنانا، بیچنا، خریدنا جائز ہے۔

کتّا کا پالنا: شوق وتفریح کے لئے کتا کا پالنا حرام ہے، البتہ اگر کھیتی، مکان یا جانور کی حفاظت یا شکار کے لئے پالا جائے، تو جائز ہے، نبی ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے، مگر حتی الامکان گھر کے اندر نہ جانے دینا چاہیے، الا یہ کہ چوری کا خوف ہو تو کوئی حرج نہیں، امام ابوحنیفہؒ اس کی خرید وفروخت کی اجازت اس لئے دیتے ہیں کہ جب شریعت نے ضرورت کے وقت اس کے پالنے کی اجازت دی ہے، تو پھر اس کی خرید وفروخت نہ ہوگی، تو یہ مقصد کیسے پورا ہوسکتا ہے، مگر دوسرے ائمہ اس حدیث کی روشنی میں اس کی خرید وفروخت کو فاسد کہتے ہیں، جس میں آپ نے کتے کی قیمت کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(البحر الرائق، ج ص۱۷۳)

واپس کی ہوئی چیز

اگر خریدار نے مال کے خریدنے کے بعد واپس کیا تو اگر وہ ایسی چیز ہے، جس کی واپسی میں مزدوری خرچ ہوگی، تو یہ مزدوری خریدار کے ذمہ ہوگی۔

مرغ کی خریداری

اگر کسی نے مرغ خریدا، جو ناوقت بولتا ہے، یا کوئی جانور خریدا وہ پاخانہ کھاتا ہے تو یہ بھی عیب ہے، وہ واپس کرسکتا ہے۔

بھاگنے والا جانور

اگر جانور دو تین دفعہ بھاگ جائے تو عیب نہیں ہے، لیکن اگر برابر بھاگتا رہے، تو عیب ہے، مشتری واپس کرسکتا ہے۔

منحوس مکان

اگر کوئی ایسا مکان خریدا جسے لوگ منحوس کہتے ہیں، تو گو اسلام میں نحوست وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لیکن چونکہ اس شہرت کی وجہ سے اس میں کوئی کرایہ دار نہیں آئے گا، یا اس کو بیچنا چاہے تو قیمت گھٹ جائے گی، اس لئے وہ واپس کرسکتا ہے۔

ٹکٹ کا بیچنا

آج کل جو یہ طریقہ رائج ہے کہ بعض صنعتی وتجارتی اداروں کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ جو اتنے ٹکٹ فروخت کردے، اس کو ادارہ فلاں چیز بطور انعام دے گا، اس طریقہ سے جو چیز حاصل کی جاتی ہے، وہ ناجائز ہے، اس کے ناجائز ہونیکی بہت سی وجہیں ہیں، ایک تو اس میں یہ شرط چھپی ہوئی ہوتی ہے، کہ اتنے ٹکٹ نہ بکے تو روپیہ ضبط ہو جائیگا، گویا اس کی منفعت بخت واتفاق پر مبنی ہے، اور یہ جوا ہے، اور شرط فاسد کا حکم سود کا ہے۔

راستہ میں مال کا نقصان

مال جب تک مشتری کو نہ مل جائے، اس وقت تک مال کا جو نقصان ریل، جہاز یا راستہ میں ہوگا، اس کی ذمہ داری بائع پر ہوگی، مگر جب مال اس مقام پر جہاں مشتری نے منگایا ہے، یا اس مقام کے اسٹیشن پر پہنچ گیا، اور اس کی اطلاع مشتری کو ہوگئی، تو اگر اس نے جتنا مال منگایا تھا، وہ پورا تھا، تو اب بائع کی ذمہ داری ختم ہوگئی، یعنی اگر اسٹیشن پر اس کے

پائے جانے اور دیکھ لینے کے بعد چوری ہوجائے، یا ٹوٹ جائے، یا اسٹیشن سے دوکان تک لانے میں نقصان ہوجائے، تو بائع پر اس کی ذمہ داری نہیں ہوگی، بلکہ اس کا نقصان مشتری کو برداشت کرنا ہوگا، کیونکہ جب اس نے اپنا مال دیکھ لیا، تو اب مال اس کے قبضے میں آگیا، اور قبضے میں آنے کے بعد بائع کی ذمہ داری ختم ہوگئی، اب بائع اور مشتری دونوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے مال کے نقصان ہونے کا تاوان ریلوے سے وصول کریں۔

ویڈیو اور ٹی وی

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جو آلات ابتداء لہو ولعب کے لئے یا گانے بجانے کے لئے ہی بنائے گئے ہوں، مثلاً طبلہ، ستار، ہارمونیم وغیرہ یہ تو ناجائز ہیں، اور ان کی خرید فروخت بھی ناجائز ہے، البتہ ٹیپ ریکارڈ، ریڈیو، سے کام گانے بجانے کا لیا جاتا ہے، مگر فی نفسہ وہ اس کے لئے نہیں، اس طرح ٹی وی اور ریڈیو کی ساخت اس لئے نہیں ہے کہ لوگ صرف گانے والے یا کھیلنے والوں کی تصویں دیکھیں بلکہ اس سے اچھے پروگرام بھی جو جائز ہیں دیکھے جاسکتے ہیں، اس لئے اس میں گنجائش ہے۔

اِحتکار یعنی ذخیرہ اندوزی

ہر زمانہ میں کچھ ایسے خود غرض لوگ موجود رہے ہیں، اور اس وقت ایسے لوگ کثرت سے ہوگئے ہیں، جو دوسروں کی تکلیفوں اور زحمتوں کا خیال کئے بغیر اپنے فائدے کے لئے ضروری چیزوں کا ذخیرہ کرلیتے ہیں اور پھر جب بازار میں اس چیز کی کمی ہوتی ہے، اور اس کی مانگ زیادہ ہوتی ہے، تو پھر وہ من مانے دام پر اسے بیچتے ہیں، اس کو شریعت میں احتکار کہتے ہیں۔

جب تک آمد ورفت اور سامان کے حمل ونقل اور دوسری جگہوں کی چیز منگانے کے ذرائع، وسائل وسیع نہ تھے، تو اس وقت بھی خود غرض تاجروں کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے گرانی ہوتی تھی، لیکن جب سے آمد ورفت کی آسانی، حمل ونقل کی سہولت، تار، ٹیلیفون، وائرلیس، ریڈیو، تولکس کی ایجاد ہوگئی ہے، اس وقت اگر چند خود غرض تاجر جب ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، تو پورے ملک کو تکلیف میں مبتلا کردیتے ہیں، کہ بڑے بڑے تاجروں نے یہ اندازہ کیا کہ ہندوستان میں سیلاب اور دوسری ارضی وسماوی آفتوں کی وجہ سے غلہ کی پیداوار گھٹ گئی ہے۔

حکومت نے باہر سے بھی غلہ کم منگایا ہے، اس لئے انھوں نے بینک سے بڑے بڑے قرض لے کر غلہ کی خریداری کی، اور اس کا اسٹاک کرنا شروع کردیا، اور گرانی بڑھنے لگی، یہاں تک کہ جب حکومت نے اپنا تمام ذخیرہ کیا ہوا غلہ باہر نکالا، اور سخت کنٹرول کیا تو پھر غلہ کے بھاؤ میں کچھ اعتدال پیدا ہوا، مگر اس کے باوجود ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کس وقت کون سا مال بازار سے غائب ہوجائے، اور گرانی کا دورہ پڑنے لگے، اسی طرح دوسری اشیاء کی گرانی بھی اس احتکار کا نتیجہ ہوتا ہے، اس وقت بھی ملک کے اندر وہی صورتحال قائم ہے، روز بروز گرانی بڑھتی جارہی ہے، حکومت خود تاجر بن گئی ہے، اسی لئے اس کو اس کی فکر نہیں ہے کہ عوام کتنی مصیبت جھیل رہی ہیں۔

موجودہ قانون میں ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کو پسند نہیں کیا گیا ہے لیکن اس پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی گئی ہے، لیکن اسلامی شریعت نے ذخیرہ اندوزی کو بھی انتہائی ناپسند کیا ہے، اور اس پر پابندی بھی عائد کی ہے، ایسے تمام طریقوں کو ممنوع قرار دیا ہے، جس سے ذخیرہ اندوزی کی صورت پیدا ہوسکتی ہے، مثلاً سٹہ بازی، مستقبل کے سودے وغیرہ، نبی ﷺ نے اس بارے میں سخت الفاظ فرمائے ہیں، آپؐ نے فرمایا ذخیرہ اندوز

ملعون ہے، آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص بھاؤ میں گرانی پیدا کرنے کا سبب ہو، وہ ایک مہیب آگ میں ڈالا جائے گا۔ (مسلم، ابوداؤد، مسند احمد، ابن ماجہ وغیرہ بحوالہ المنتقی، ج۲ص۳۵۳)

ان ہی ارشادات نبوی کی بنا پر چاروں امام اس کی کراہت پر متفق ہیں۔

وَاتَّفَقُوْا عَلیٰ کَرَاهَةِ الْاِحْتِکَار ذخیرہ اندوزی کے ناجائز ہونے پر سب متفق ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی چھوٹی بستی یا شہر میں احتکار کیا جائے، تو اس کا اثر چونکہ پوری بستی پر پڑے گا، اس لئے یہ ناجائز ہے، لیکن اگر کسی بڑی جگہ پر دو ایک تاجروں نے ایسا کیا تو چونکہ اس میں عام ضرر کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں ہے، مگر دوسرے ائمہ اس کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں، خواہ بڑی جگہ ہو یا چھوٹی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھاؤ بڑھانے کا سبب ہو، اس کو بازار میں اپنا مال بیچنے کی اجازت نہیں دی جائیگی، امام صاحب نے چھوٹی جگہ کی قید صرف اس لئے لگائی ہے کہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے، اور بڑی جگہ میں یہ اندیشہ نہیں ہے، امام صاحب کے زمانہ میں رسل ورسائل اتنے وسیع نہیں تھے، اس لئے انھوں نے مضرت کو ایک بستی تک محدود کردیا، لیکن موجودہ دور میں اب ساری دنیا ایک محلّہ بن گئی ہے، اور ایک ملک کی گرانی وارزانی کا اثر دوسرے ملک پر اسی طرح پڑتا ہے، جس طرح پہلے زمانہ میں ایک محلّہ کا اثر دوسرے محلّہ پر پڑتا تھا، یا ایک بستی کا دوسری بستی پر، مثال کے لئے امریکہ میں اگر روئی گراں ہوتی ہے، تو اس کا اثر فوراً مصر اور پاکستان کی روئی کی منڈی پر پڑتا ہے، چنانچہ روزانہ اخبارات میں اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں، اس لئے امام صاحب نے مضرت کی جو قید لگائی ہے، اس کے تحت پوری دنیا کو اس کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے، یعنی چھوٹی بڑی جس جگہ بھی ذخیرہ اندوزی کی جائے گی، وہ ضرر پہونچائے گی، اسلئے اس کو ممنوع قرار دیا

جائے گا، البتہ اگر ذخیرہ اندوزی سے کوئی مضرت نہ ہو تو پھر یہ ممنوع نہیں ہے خواہ چھوٹی جگہ ہو یا بڑی جگہ، امام ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

فَاِنَّ الْمُحْتَكِرَ الَّذِیْ یَعْمَدُ اِلَی شراءِ مَا یحتَاجُ الیه النَّاسُ مِنَ الطَّعَامِ فَیَحْبِسُهٗ عَنْهُمْ وَ یُرِیْدُ اِغْلَاءهٖ وَهُوَ ظَالِمٌ لِعُمُوْمِ النَّاسِ وَ حینئذٍ لِوَلِی الاَمرِ اَنْ یُّكرهَ الْمُحْتَكِرِیْنَ عَلیٰ بیعِ ما عِنْدَهُمْ بِقِیمَةِ الْمِثْلِ عِنْدَ ضَرُوْرَةِ النَّاسِ الیه ۔ (الطرق الحکمیہ)

ترجمہ:۔

جو ذخیرہ اندوز ضرورت کی چیزیں خرید کر ان کا اسٹاک کرتا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو گراں بیچ کر فائدہ اٹھائے تو عوام کے لئے وہ ظالم ہے اس لئے حکومت کو چاہئیے کہ اس کو زبردستی مجبور کردے کہ اس مال کی جو مناسب قیمت ہو اس پر فروخت کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان ہی وجوہ کی بنا پر بازار کی خود نگرانی کرتے تھے اور عجمی تاجروں کو بازار میں اپنا غلہ فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، غالباً اس کی دو وجہ تھی، ایک یہ کہ وہ ان اخلاقی قدروں کا لحاظ نہ کریں گے، جو اسلامی قانون تجارت کا جزو ہیں، دوسرے ان کی ذہنیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑے گا۔

ہدایت: اپنی پیداوار کو اپنی ضرورت کے لئے روک رکھنا احتکار نہیں ہے، بلکہ اس نیت سے روکنا کہ جب گرانی ہوگی تو بیچوں گا، یا بازار میں قلّت ہے اور مزید گرانی کے انتظار میں اپنی چیز روکے ہوئے ہے تو یہ احتکار ہے اور یہ ناجائز ہے، حکومت اس کو بازار بھاؤ یعنی اپنے مقرر کردہ بھاؤ پر بیچنے پر مجبور کرسکتی ہے۔

مضاربت کے معنیٰ

مضاربت کا لفظ ضرب سے نکلا ہے، ضرب کے معنی مارنے اور اگر صلہ کے ساتھ

آئے تو چلنے پھرنے کے ہوتے ہیں، اس کے ایک معنی رزق کے لئے زمین میں چلنے پھرنے اور دوڑ دھوپ کرنے کے ہیں، چونکہ اس میں ایک آدمی پیسہ دیتا ہے، اور دوسرا آدمی اپنی محنت اور دوڑ دھوپ سے مزید پیسہ پیدا کرنے اور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے اس معاملہ کو مضاربت کہتے ہیں، قرآن پاک میں ہے۔:

یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

ترجمہ:

’’زمین میں دوڑ دھوپ کرکے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں‘‘۔ (سورہ مزمل آیت نمبر ۲۰)

نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کا روپیہ لے کر اسی طریقہ سے تجارت کی تھی اور عام صحابہ لوگوں سے روپیہ لے کر یا دوسروں کو روپیہ دے کر خود فائدہ حاصل کرتے اور دوسروں کو فائدہ پہونچاتے تھے، حدیث نبوی میں اس کے لئے قراض اور مقارضہ کا لفظ بھی آتا ہے، حکیم بن حزامؓ کے بارے میں آتا ہے کہ:

انه کان یشترط علی الرجل اذا أعطاه مالا مقارضة ان لا تجعل فی کید رطبة و لا تحمله فی بحر و لا تنزل بطن المسیل فان فعلت من ذالك فقد ضمنت مالی ۔

وہ مضاربت پر مال دیتے وقت یہ شرط کرتے تھے کہ اس کو کسی خطرہ کے کام میں نہ لگانا، مثلاً سمندری تجارت یا جانوروں کی خریداری وغیرہ میں یا سیلاب زدہ جگہ میں اگر تم ایسا کروگے تو میرے مال کے ضامن ہوگے۔ (دارقطنی، المنتقی ج ۲ ص ۳۷۴)

مقارضہ قرض سے نکلا ہے، جس کے معنی کاٹنے کے ہیں، مضاربت ایک آدمی اپنے سرمایہ سے کچھ حصّہ کاٹ کر دوسرے کو کاروبار کے لئے دیتا ہے، اس لئے اسے قراض اور مقارضہ بھی کہتے ہیں، گویا مضاربت اور قراض کے لفظ سے اس کاروبار کی پوری نوعیت ظاہر ہوجاتی ہے۔ ایک صحابی رویفع بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ:

ان احد نا فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم لیا خذ نضواخیه علی أن له النصف ولنا النصف ۔

رسول ﷺ کے زمانہ میں ہم سے ایک آدمی اپنے دوسرے بھائی کے لئے اس شرط پر تیر لیتا تھا کہ اس سے وہ جو شکار کرے گا، اس میں دونوں برابر شریک رہیں گے۔
(المنتقی ج۲ ص۳۷۴)

انہی احادیث نبوی کی روشنی میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔

رسول ﷺ کی بعثت کے وقت لوگ مضاربت کا معاملہ کررہے تھے، تو آپؐ نے اسے صحیح قرار دیا، اور صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۲۴۱)

بعض ضروری اصطلاحیں

روپے دینے والے کو ربُّ المال اور محنت کرنے والے کو مضارب کہتے ہیں، اور جو روپیہ کام کے لئے دیا جاتا ہے، اسے رائس المال کہتے ہیں، کسی زمانہ میں مسلمان اس طریقہ پر بڑی سے بڑی تجارت کرتے تھے اور ان کا کاروبار پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔

مضاربت کی تعریف

تجارت کی طرح مضاربت بھی دو آدمیوں کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے، جس میں ایک شخص اپنا روپیہ دیتا ہے اور دوسرا محنت کرنے کا اقرار کرتا ہے، اور پھر یہ دونوں معاہدہ کرتے ہیں، کہ ایک کے روپیہ اور دوسرے کی محنت سے اس میں جو کچھ فائدہ ہوگا، اس میں آدھا ۲/۱ یا ۴/۱ چوتھائی سرمایہ لگانے والا پائے گا۔ اور ۴/۳ یعنی تین تہائی یا آدھا ۲/۱ محنت کرنے والے کو ملے گا۔ (ہدایہ ج۳ ص۱۴۱، المجلہ ص ۲۲۸)

مضاربت کے صحیح ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق البتہ اس کی بعض تفصیلات میں اختلاف ہے۔

مضاربت کی قسمیں

مضاربت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک مقیّد دوسرے مطلق، مقید اس مضاربت کو کہتے ہیں، جس میں روپے دینے والا کسی خاص جگہ کی یا کسی خاص مدت کی یا کسی خاص کاروبار کی قید لگادے، یعنی وہ یہ کہہ دے کہ اس روپے سے تم صرف لکھنؤ یا لاہور ہی میں کام کرسکتے ہو، دوسری جگہ نہیں، یا یہ کہہ دے کہ صرف ایک سال کے لئے میں مضاربت پر روپے دے رہا ہوں، یا یہ کہہ دے کہ یہ روپے صرف بساتے یا کپڑے ہی کے کام میں لگائے جائیں، دوسرا کام نہ کیا جائے، اور مطلق مضاربت وہ ہے جس میں ان میں سے کوئی قید نہ لگی ہو، بلکہ مضارب یعنی محنت کرنے والے کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہو۔

معاہدہ توڑنے کا اختیار

اگر مضاربت کا معاہدہ طے ہوگیا، اور مضارب نے اپنا کام ابھی شروع نہیں کیا تو تمام ائمہ متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک کو اس معاہدہ کے توڑنے کا اختیار ہے، لیکن اگر اس نے کام شروع کردیا ہے، تو پھر معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار رہے یا نہیں۔ اس بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اب کسی کو معاہدہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہے، اگر مضارب یعنی محنت کرنے والا مر بھی جائے تو اس کے لڑکوں کو اختیار رہوگا کہ وہ اس روپے سے کام کریں اور فائدہ اٹھائیں اور جی چاہے تو فسخ کردیں، کیونکہ کام شروع کرنے کے بعد معاملہ کو فسخ کردینے میں مضارب کو تکلیف ہوگی، اور اس کی محنت اور وقت ضائع ہوگا، مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو ہر وقت یہ اختیار رہے کہ جب چاہیں وہ معاملہ فسخ کردیں معاملہ کے ختم ہوجانے کی صورت میں مضارب نے جتنا کام کیا ہے، دستور کے مطابق اس کو اتنی اجرت ملے گی، دستور کے مطابق کا مطلب یہ ہے کہ عام

طور پر اتنے کام کی جتنی اجرت ملتی ہے، وہ ملے گی، امام مالک اور دوسرے ائمہ کی رائے میں صرف اتنا فرق ہے کہ کام شروع کر دینے کے بعد امام مالکؒ اس معاہدہ کو اب لازم قرار دیتے ہیں، اور دوسرے ائمہ لازم قرار نہیں دیتے، ان دونوں اماموں کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کی موت سے بھی یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا، مگر فسخ کی اطلاع دینی ضروری ہے، اسی طرح وقت کی تعیین کی صورت میں اس مدت کے ختم ہوتے ہی دونوں میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کر دینے کا اختیار رہے۔

مضاربت کے صحیح ہونے کی شرطیں

مضاربت کے صحیح ہونے کے لئے ان باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ روپیہ لگانے والے اور روپیہ لینے والے دونوں کا عاقل ہونا ضروری ہے، بالغ ہونا نہیں، عاقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں معاملات اور ان کے نفع ونقصان کو سمجھتے ہوں۔

۲۔ جو کچھ رقم مضاربت کے لئے مقرر کی جائے، وہ فوراً مضارب یعنی محنت کرنے والے کے حوالے کر دی جائے، مثلاً رب المال نے مضارب سے کہا کہ پانچ سو روپے ہم دیتے ہیں، اس میں تجارت یا کوئی اور کام کرو تا کہ پانچ سو روپے کام کرنے والے کے قبضہ میں دے دینا چاہئے، صرف وعدہ سے مضاربت نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسرے یہ کہ جتنی رقم سے کام شروع کرنے کا ارادہ ہو، وہ اسی وقت بتا دی جائے، اگر مجمل رکھا تو مضاربت صحیح نہ ہوگی، یعنی یہ واضح کر دیا جائے کہ سو، دوسو، یا پانچ ہزار یا دس ہزار سے کام شروع ہوگا۔

۴۔ چوتھے یہ کہ منافع طے ہو جانا چاہئے، یعنی یہ کہ کتنا نفع سرمایہ لگانے والے کو ملے گا اور کتنا مضارب کو، اگر رب المال نے صرف یہ کہا کہ ہم دونوں فائدہ میں شریک رہیں

گے تو اس سے یہ سمجھا جائے کہ آدھا نفع رب المال کا اور نصف مضارب کا، اگر صرف یہ کہا کہ اچھا جو ہوگا اس میں مناسب طور پر تقسیم کر لیا جائے گا، تو یہ مضاربت فاسد ہوگی، کیونکہ اس میں اختلاف کا خدشہ ہے، بلکہ حصّہ کے اعتبار سے منافع کی تقسیم طے ہو جانی چاہئے۔

۵۔ دونوں تحریری طور پر معاملہ کے شرائط لکھ کر اپنے اپنے پاس رکھ لیں تو بہتر ہے تا کہ بعد میں اختلاف نہ ہو، اگر بغیر تحریر کے بھی اطمینان کی کوئی صورت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۶۔ مطلق مضاربت میں دونوں یہ بھی طے کر لیں کہ کتنے دنوں کے بعد حساب کتاب کر کے منافع تقسیم ہوگا، ایک سال دو سال یا دو ماہ ایک ماہ بعد۔

کن چیزوں سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے

اگر رب المال یا مضارب نے یہ شرط لگائی کہ نفع میں سو یا دو سو روپے پہلے میں لوں گا، باقی جو بچے گا، اس میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے، تو ان دونوں صورتوں میں مضاربت فاسد ہو جائیگی غرض یہ کہ کوئی فریق نفع کی کوئی رقم اپنے لئے متعین ومخصوص نہ کرے، بلکہ یوں طے کر لینا چاہئے کہ آدھا آدھا نفع دونوں کا ہوگا یا رب المال کو ۴/۳ ملے گا، اور مضارب کو ۴/۱ یا ۴/۳ ملے گا اور ۴/۱ رب المال کو۔

رب المال اور مضارب کے حقوق واختیارات

جس نے سرمایہ لگایا ہے، یعنی رب المال اور جو محنت کر رہا ہے یعنی مضارب دونوں کے کچھ حقوق واختیارات ہیں، ان کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔

رب المال یعنی سرمایہ لگانے والے کے حقوق واختیارات

۱۔ سرمایہ لگانے والے کو یہ حق ہے کہ وہ یہ شرط لگائے کہ فلاں کاروبار میں روپیہ لگایا جائے، اگر مضارب اس کے خلاف کرے گا، اور اس میں نقصان ہوگا، تو اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔

۲۔ وہ یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ فلاں جگہ پر کاروبار کیا جائے، یعنی لکھنؤ میں، دلی میں، بمبئی میں، یا جہاں کا وہ باشندہ ہے۔

۳۔ وہ یہ بھی شرط لگا سکتا ہے کہ فلاں وقت تک کے لئے کاروبار کرنے کے لئے روپیہ دیتا ہوں، مثلاً چھ مہینے یا ایک ماہ یا ایک سال۔

۴۔ اگر مضارب نے اصل سرمایہ میں سے کچھ خرچ کر دیا ہے، تو جو کچھ نفع ہوگا، اس میں اصل سرمایہ کی رقم نکال کر پھر بقیہ نفع تقسیم ہوگا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ دیا مضارب نے اس میں سے سو روپے کھانے پینے یا کاروبار کے انتظام میں خرچ کر دیئے، اور پھر ایک سال یا چھ مہینہ میں دو سو روپے کمائے، تو ایک سو روپے تو اصل سرمایہ میں سے نکل جائیگا، اور بقیہ رقم ایک سو روپے اصل نفع سمجھی جائے گی، اور دونوں کے درمیان معاہدہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔

۵۔ سرمایہ کی تقسیم کے وقت مالک اور مضارب دونوں کا رہنا ضروری ہے۔

۶۔ اگر رب المال یہ شرط لگا دے کہ خسارہ دونوں میں مشترک رہے گا، تو یہ مضاربت فاسد ہوگی، اس کو اس کا حق نہیں ہے یہ شرط بے کار ہوگی۔

انفرادی کاروبار

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے سرمایہ سے خود ہی کاروبار کرے، ابتدا میں اکابر اسلام کا خاص مشغلہ رہا ہے، انفرادی کاروبار کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنی نگرانی میں چند مزدور رکھ کر ان سے اُجرت پر کام لیا جائے، چنانچہ اکثر چھوٹے کارخانے اسی طریق پر چلتے ہیں۔ اسلامی مأخذوں سے پتا چلتا ہے کہ بعض صحابہ اور تابعین حبشیوں کو اپنے کھیتوں پر رکھ کر اجرت پر ان سے کام بھی لیتے تھے۔ (بخاری، کتاب الصلوۃ، صلوۃ الجمعہ۔ زُریق حاکم ایلہ کا قصہ)

قراض یا مضاربت

شغل اصل کا ایک اور طریقہ قراض ہے، اگر کسی کاروبار میں ایک شخص تمام سرمایہ فراہم کرے اور دوسرا صرف محنت کرے اور دونوں منافع میں شریک ہوں تو اسے قراض یا مضاربت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

''اس کی صفت بیان کرنے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ قراض میں ایک شخص دوسرے کو تجارت کرنے کے لیے ایک مقرر کردہ معاوضے پر اپنا مال دیتا ہے اور کارکن (عامل) مال کے نفع میں تہائی یا آدھا جو بھی آپس میں طے ہو جائے لے لیتا ہے۔''

(ہدایۃ المجتہد لابن رشد الحفید ج ۲ صفحہ ۱۹۱ کتاب القراض، مطبع جمالیہ مصر)

اُجرت اور قراض میں فرق۔

''اُجرت اور قراض میں یہ فرق ہے کہ اُجرت کی ادائیگی سرمایہ دار (ربُ المال) کے ذمے ہوتی ہے، خواہ مال میں نفع ہو یا نہ ہو، اور قراض میں یہ صورت ہے کہ اگر نفع ہوتا ہے تو کارکن (عامل) کو اس کا ایک حصّہ ملتا ہے ورنہ کچھ نہیں ملتا۔''

(ہدایۃ المجتہد لابن رشد الحفید ج ۲ صفحہ ۲۰۳ کتاب القراض، القول فی حکم القراض الفاسد)

قراض کا عمل در آمد اسلام سے پہلے۔

اسلام سے پہلے بھی عرب میں قراض کے ذریعے کاروبار کرنے کا رواج تھا اور خود رسول اکرمؐ سے حضرت خدیجہؓ نے قراض پر کام لیا تھا، چنانچہ مورخ طبری ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ ”خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی نہایت مالدار تاجر بی بی تھیں، دوسرے لوگ ان کے مال کی تجارت کرتے تھے اور منافع میں سے وہ کچھ ان کو دے دیا کرتے تھے، قریش تاجر قوم تھی چنانچہ جب حضرت خدیجہؓ کو رسول اکرمؐ کی راست گفتاری، امانت داری اور نیک کرداری کا علم ہوا تو انھوں نے آپ ﷺ کو بلا بھیجا اور درخواست کی۔ آپؐ میرا تجارتی مال لے کر شام جائیں، میں اب تک دوسرے تاجروں کو منافع میں سے جس قدر دیتی تھی، اس سے زیادہ آپ کو دونگی، اور اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دوں گی، آپ نے یہ تجویز منظور فرمالی اوران کا مال لیکر روانہ ہوئے۔“

(تاریخ طبری صفحہ ۱۱۲۷ رسول اکرمؐ کی شادی حضرت خدیجہؓ سے نیز ابن سعد صفحہ ۸۳)

رسول اللہ ﷺ کا عمل۔

خیبر فتح ہوا تو رسول اللہؐ نے وہاں کی زمینیں بٹائی پر یہودیوں کو دی تھیں۔

”رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو اس شرط پر دیا تھا کہ وہ اس میں کام کریں اور جو کچھ اس کی پیداوار ہو اس کا نصف ان کو ملے گا۔“ (بخاری، کتاب الشروط)

صحابہء کرام کا عمل۔

صحابہ کرام بھی قراض کے ذریعے کاروبار کرتے تھے۔ چنانچہ ”یعقوب المدینی کا بیان ہے کہ انھیں عثمان بن عفانؓ نے قراض کے طور پر مال دیا تھا کہ وہ اس پر محنت کریں اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔“ (موطا، کتاب القراض)

قراض کے متعلق فقہاء کے بیانات۔

قراض کے جواز کے بارے میں فقہا میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انھوں نے اُس کے چند مضر پہلوؤں کا سد باب کر کے اس کی سودمندی بڑھادی۔“ (ھدایہ ج۳ کتاب المضاربہ)

”قراض یا مضاربت ایک معاہدہ ہے جس میں ایک شخص سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا محنت (عمل) بہم پہنچاتا ہے اور دونوں نفع میں شرکت کے مستحق اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص سرمایہ (مال) لگاتا ہے اور دوسرا محنت کرتا ہے۔“

(ھدایہ ج ۳، کتاب المضاربۃ)

غرض مضاربت یا قراض میں سرمایہ دار سرمایہ سے اور محنت والا، محنت سے نفع اٹھا سکتا ہے۔

منافع میں مزدوروں اور سرمایہ داروں کا حصہ

قراض کا مقصد ہی نفع کمانا ہوتا ہے کہ قراض کے کاروبار میں سرمایہ دار اور محنت کرنے والے دونوں نفع پاتے ہیں۔

اسلامی معاشرے میں قراض کی اہمیت۔

مضاربت یا قراض کے ذریعے کاروبار کرنے کی اسلامی معاشرے میں خاص اہمیت ہے کیونکہ ہر ایک معاشرے میں مالدار، نادار، ذہین اور کند ذہین ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان سب کے اتحاد سے معاشرے کا ہر فرد کاروبار سے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ فقہاء بیان کرتے ہیں کہ ”مضاربت کی شریعت نے اس وجہ سے اجازت دی ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ لوگوں میں بعض لوگ تو مالدار ہوتے ہیں، لیکن انھیں اپنے مال میں تصرف کی صلاحیت نہیں ہوتی اور بعض اشخاص گو کہ مال کا تصرف اچھی طرح جانتے

ہیں، لیکن نادار ہوتے ہیں۔ پس اس قسم کے کاروبار کے مشروع ہونے کی ضرورت پیدا ہوئی تا کہ کند ذہن اور ذہین، مالدار اور نادار کی مصلحتیں انتظام کے ساتھ قائم ہوں۔ جس وقت رسول کریمؐ مبعوث ہوئے تو لوگ مضاربت سے کاروبار کرتے تھے، چنانچہ آپ نے اس کو برقرار رکھا اور صحابہء کرامؓ نے بھی اس پر عمل کیا۔'' (ھدایہ ۳ کتاب المضاربۃ)

مضارب (محنت کرنے والے) کے اختیارات

(۱) مضارب اپنی محنت اور کوشش کی وجہ سے نفع پانے کا مستحق ہوتا ہے۔

(۲) سرمایے کی نوعیت اس کے پاس امانت کے مماثل ہے، اس لیے اگر سرمایہ ضائع ہو جائے تو اس صورت میں اس سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا۔

(۳) اس کی حیثیت وکیل (ایجنٹ) کی بھی ہے اور اصل دار کی رضامندی سے ہی وہ اس مال میں تصرف کرسکتا ہے، اسے اشیاء کے خریدنے، فروخت کرنے کسی اور کو وکیل بنانے اور نیز سامان کو دوسرے کے پاس ودیعت رکھوانے کا اختیار حاصل ہے۔

(۴) جب مال میں نفع ہو تو وہ اپنے کام کے معاوضے میں نفع میں شریک ہوتا ہے اگر بالفرض معاہدہ فاسد ہو جائے تو محنت کرنے والا (عامل) اُجرت پانے کا مستحق ہوگا اور اگر وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو غاصب سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے دوسرے کے مال پر زیادتی کی۔

(نمبر ۱ تا ۴ ھدایہ ج ۳ کتاب المضاربۃ اور بدایۃ المجتہد ج ۲ کتاب القراض سے ماخوذ ہیں۔)

(۵) ''اپنے ہی شہر میں کاروبار کرنے کی صورت میں مضارب صرف منافع سے حصہ پائے گا لیکن اگر اس کو سفر کرنے کی ضرورت پڑے تو کھانے پینے کے اخراجات، لباس اور سواری کے اخراجات رواج کے موافق جو کہ اور دیگر تاجروں میں رائج ہے پانے کا

مستحق ہوگا نیز وہ اپنے کپڑوں کی دھلوائی کے اخراجات، ملازم کی تنخواہ جو اس کی خدمت کرے اور سواری کے لیے چارے کے اخراجات پانے کا مستحق ہوگا'' (اور موجودہ زمانے میں ریل، بس کے اخراجات پر پٹرول کے اخراجات حاصل کرسک گا۔)

''امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ بیمار ہو جانے کی صورت میں وہ دوا کے اخراجات پانے کا مستحق ہوگا کیونکہ دوا سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے اور صحت کے بغیر تجارتی کاروبار چل نہیں سکتے لہذا دوا کے اخراجات بھی اُسے ملنے چاہئیں۔'' (ھدایہ ج ۳ کتاب المضاربۃ)

''امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر قراض کا بہت زیادہ ہو اور خرچ کا بار اٹھا سکتا ہو تو مقارض کو درست ہے کہ سفر کی حالت میں اپنا کھانا، کپڑا دستور کے موافق اس مال سے حاصل کرے یا قراض کے مال سے ہی کسی شخص کو اجرت پر نوکر رکھے جب کہ کام کے لئے اس سے محنت نہ ہو سکے، بعض کام تو ایسے ہوتے ہیں کہ خود اکیلا مقارض نہیں کرسکتا جیسے کہ قرض داروں سے تقاضا کرنا، اسباب باندھنا اور اس کو اٹھا کر لے چلنا البتہ جب مقارض اپنے ہی شہر میں رہے تو قراض کے مال سے کھانا، کپڑا نہ لے۔'' (امام مالکؒ: موطا، کتاب القراض)

غرض ''قراض کے کاروبار کی انجام دہی کے لیے مقارض اُجرت پر مزدوروں کو رکھنے، قراض کا سامان رکھنے کے لیے کرایے پر مکانوں کو حاصل کرنے اسی طرح قراض کے سامان کی باربرداری کے لیے کرائے پر جانوروں کو حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔''

(امام مالکؒ المدونۃ الکبریٰ ج ۴ صفحہ ۵۰ کتاب القراض)

نفع کی تقسیم سرمایہ دار کی موجودگی میں ہوگی ''تمام شہروں کے علماء کی یہی رائے ہے کہ محنت کرنے والا (عامل) اپنا حصہ اس وقت تک نہیں لے سکتا جب تک کہ سرمایہ دار موجود نہ ہو اور مال کی تقسیم کے وقت سرمایہ دار کا موجود رہنا ضروری ہے اور محنت کرنے والا اپنا حصہ لے لے گا۔'' (بدایۃ المجتہد ج ۲ صفحہ ۲۰۱ کتاب القراض)

''امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کو بطور قراض کے رقم دے اور وہ اس سے مال واسباب خرید لے پھر سرمایہ دار مال فروخت کر ڈالنے کے لیے کہے اور جس شخص نے رقم حاصل کی وہ کہے کہ میں ابھی مال فروخت کرنے کی کوئی وجہ نہیں پاتا، اس بناء پر آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس مال واسباب کے بارے میں ان لوگوں سے رائے لی جائے گی جو اس پیشے میں مہارت اور سمجھ بوجھ رکھتے ہوں، اگر وہ ماہرین فروخت کرنے کا مشورہ دیں تو مال فروخت کر دیا جائے گا ورنہ انتظار کیا جائے گا۔'' (امام مالکؒ: موطا، کتاب القراض)

''امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ قراض کے معاہدے کو ہر ایک فریق جب چاہے فسخ کر سکتا ہے۔'' (بدایۃ المجتہد ج ۲ صفحہ ۲۰۰ کتاب القرض)

البتہ اس کی اطلاع فریق ثانی کو دینی ضروری ہے۔

کسی ایک فریق کے انتقال سے قراض کا معاہدہ خود بخود کالعدم قرار پاتا ہے کہ ''اگر سرمایہ دار یا مضارب مر جائے تو مضاربت کالعدم قرار پاتی ہے، کیونکہ مضاربت تو وکیل ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا اور جس طرح موکل کی موت سے وکالت باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وکیل کی موت سے بھی وکالت باطل ہو جاتی ہے اور وکالت ایسی شئے نہیں جو کہ موروثی ہو۔'' (ہدایہ ج ۳ کتاب المضاربتہ)

البتہ متوفی کے ورثاء اگر چاہیں تو معاہدے کی از سر نو تجدید کر سکتے ہیں۔

(قراض کی تفصیل کے لیے موطا امام مالک کتاب القراض، کتاب الیام، امام شافعیؒ، مبسوط السرخی کتاب المضاربتہ ج ۲۲، نیز بدایۃ المجتہد کتاب القراض اور ہدایہ کتاب المضاربتہ ملاحظہ فرمایے)

یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب معاملہ میں دو ہی آدمی شریک ہوں، لیکن مضارب نے اگر ایک سے زیادہ آدمیوں کا سرمایہ حاصل کیا ہے، یا شرکت میں ایک سے زیادہ آدمی ہوں تو معاہدہ صرف ایک شریک کی حد تک ختم ہو جائے گا اوروں کا باقی رہے گا۔

مضارب کے حقوق واختیارات

۵۔ مضارب نے جو سرمایہ لیا ہے اس کا وہ امین بھی ہے، اور تصرف کے لحاظ سے وہ وکیل بھی ہے یعنی سرمایہ لگانے والے کا وہ نمائندہ ہے، امین اس حیثیت سے کہ جس طرح ایک امین امانت کی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح اس کو اس سرمایہ کی حفاظت کرنی چاہیئے، لیکن اگر اتفاق سے اس سرمایہ میں نقصان آ جائے، یا وہ ضائع ہو جائے تو اس کے اوپر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، یعنی اس کا تاوان اس سے نہیں لیا جائیگا، لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے کہ اس نے قصداً مال کو ضائع کیا ہے، تو اس پر ذمہ داری ہوگی، اگر اس نے سرمایہ لگانے والے کے شرائط کے خلاف کام کیا ہے اور گھاٹا ہوا ہے تو بھی اس پر ذمہ داری ہوگی۔

۶۔ یہ تو اس کی امین ہونے کی حیثیت تھی، وکیل ہونے کی حیثیت سے اس کو پورا اختیار ہے کہ وہ طے شدہ شرائط کے تحت جو کاروبار چاہے اور جس طرح چاہے کرے، البتہ اگر اس نے کسی مخصوص کاروبار کی شرط لگا دی ہے، یا کسی خاص جگہ پر کاروبار کرنے کا اختیار دیا ہے، تو پھر اس سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے، مثلاً اس نے کہہ دیا کہ لکھنؤ میں رہ کر آپ کپڑا خریدیئے اور بیچئے۔ تو مضارب کے اوپر اس کی پابندی ضروری ہوگی۔

۷۔ اگر سرمایہ لگانے والے نے روپیہ دے کر کسی خاص اور محدود کاروبار کی قید نہیں لگائی ہے۔ تو اس کو نقد یا ادھار مال خریدنے بیچنے، کسی اور کو اپنی مدد کے لئے تنخواہ یا روزانہ اجرت دے کر رکھ لینے کا بھی حق ہے، اس میں مالک کوئی مداخلت نہیں کر سکتا، مثلاً کسی نے کہا کہ میں یہ روپے دیتا ہوں، اس کو لے جایئے، اپنی صوابدید سے جہاں جی چاہے

اور جو جی چاہے کاروبار کیجئے تو اب مضارب کو یہ حق ہوگا، کہ جو کاروبار چاہے اور جہاں چاہے کرے، لیکن اگر اس نے خرید وفروخت میں غیر معمولی دھوکہ کھایا تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی۔ اسی طرح اجازت کی صورت میں اسے مضاربت کے مال کی اجازت کی ضرورت ہوگی؟ اگر اس نے اجازت کے بغیر مضاربت کا روپیہ قرض دے دیا اور مارا گیا، یا اس سے نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی۔

۸۔ اس کو کسی مال کے رہن رکھنے یا امانت رکھنے حوالہ کرنے یعنی رقم کی ادائیگی ایک جگہ کی بجائے دوسری جگہ کرنے کا اختیار رہوگا، یعنی اگر رہن رکھنے یا امانت رکھنے یا حوالہ کرنے میں کوئی نقصان ہوگا، تو اس کا تاوان مضارب پر نہیں ہوگا، خاص طور پر بڑے اور ایکسپورٹ وغیرہ کے کاروبار میں اس کی ضرورت ہر وقت پیش آتی ہے، امانت اور حوالہ کا مفصل بیان آگے آتا ہے۔

۹۔ مضارب اگر اپنے وطن میں کاروبار کرے تو کھانا کپڑا، مضاربت کے مال سے نہیں لے سکتا البتہ سواری کا خرچ اس صورت میں لے سکتا ہے جب بڑا شہر ہو اور ایک حصہ سے دوسرے حصے کے آنے جانے میں کچھ خرچ ہو، یا اسٹیشن دور ہو، اور مال چھڑانا ہو، یا مال کو سواری پر لانا ہو، تو یہ سب خرچ اس کو ملے گا، اگر اس کو کہیں باہر جا کر کسی مال کے خریدنے یا بیچنے کی ضرورت پیش آجائے، تو وہ کھانے پینے، سواری، کپڑے کی دھلائی کا خرچ لے سکتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ دوا کا خرچ بھی وہ لے سکتا ہے، کیونکہ دوا سے اس کی صحت برقرار رہے گی، اور صحت ہی پر کاروبار کا دارومدار ہے، اگر وہ کام تنہا نہ کر سکتا ہو تو اجیر پر کوئی دوسرا آدمی بھی رکھ سکتا ہے، لیکن اخراجات کے لینے میں اس کو اس کا لحاظ کرنا پڑے گا کہ جس حیثیت کا وہ خود ہے، اس سے زیادہ خرچ نہ کرے، مثلاً وہ ذاتی سفر میں جتنا خرچ کرتا ہے یا عموماً تاجر جتنا خرچ کرتے ہیں اتنا ہی لینے کا حق ہے،

یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنا ذاتی سفر تو وہ سکنڈ کلاس میں کرے، اور مضارب کی حیثیت سے سفر کرے تو فرسٹ کلاس میں یا گھر پر اگر وہ دال روٹی کھاتا ہے، تو سفر میں اس کو گوشت روٹی کھانے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے، بلکہ اسی حیثیت کا کھانا کھانا چاہیئے، جس حیثیت کا وہ عموماً کھاتا ہے۔

۱۰۔ مضاربت کے مال کو جو نقصان ہوگا وہ نفع سے محسوب ہوگا، مثلاً ایک ہزار روپے سے مال خریدا اور اس میں دوسو روپے کا نفع ہوا اور اسی اثناء میں ایک سو روپیہ کا مال چوری ہو گیا، یا کسی طرح کا نقصان ہو گیا تو ایک سو روپیہ تو اب اصل سرمایہ میں لیا جائے گا، اور بقیہ ایک سو میں دونوں تقسیم کرلیں گے، اگر یہ نقصان فائدے سے زیادہ ہو تو پھر مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ وہ نقصان اب رب المال برداشت کرے گا، فرض کیجئے کہ اوپر والی صورت میں پانچ سو روپے کا نقصان ہو گیا، تو نفع والے دوسو روپے تو اصل سرمایہ میں ملا دیئے جائیں گے، اب اس کے بعد بھی ایک ہزار پورا نہ ہوتا ہو تو پھر مضارب سے اس کا تاوان نہیں لیا جا سکتا، بشرطیکہ اس کی غفلت سے ایسا نہ ہوا ہو، اگر اس نے غفلت برتی، اور نقصان ہوا تو وہ ذمہ دار ہوگا، یا اس نے مال کے خریدنے میں کوئی بڑا دھوکا کھایا ہو، تو اس کی ذمہ داری اس پر ہوگی، یعنی یہ خسارہ کسی اچانک حادثہ یا کاروبار کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ہو، مثلاً ایک مال اس نے تیس روپے من کے حساب سے خریدا اور عام بازار میں اس کا بھاؤ یہی تھا، اور دوسرے دن یک بیک بھاؤ گر گیا تو اس صورت میں جو نقصان ہوگا، اس کی ذمہ داری مضارب پر نہیں ہوگی، لیکن اگر عام طور پر اس چیز کا بھاؤ چالیس روپے من تھا اور اس نے بے جانے بوجھے ۴۵۔۵۰ میں خرید لیا تو اس نقصان کا وہ ذمہ دار رہوگا یا اس نے اس مال کی حفاظت نہیں کی اور خراب ہو گیا تو اس صورت میں بھی وہ ذمہ دار ہوگا، یا اس نے رب المال کی ہدایت کے

خلاف عمل کیا اور نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری بھی مضارب پر ہوگی۔

ذمہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تاوان مضارب کو دینا ہوگا، خواہ وہ نفع سے دے یا اپنے گھر سے، تاوان کا اندازہ اس شعبہ کے افراد کریں گے جن میں یہ کاروبار ہو رہا ہے۔

۱۱۔ اسی طرح اخراجات وضع کر کے پھر نفع تقسیم کیا جائے گا، مثلاً ایک ہزار روپیہ اصل سرمایہ ہے، جس میں اس نے دوسو روپے سفر میں اور دوسری کاروباری ضروریات میں خرچ کیا، اور اس کے بعد اس کا کل چار سو روپئے کا فائدہ ہوا، تو دوسو روپے جو اس نے اصل سرمایہ سے خرچ کئے ہیں وہ وضع کر کے پھر دوسو روپے معاہدہ کے مطابق دونوں تقسیم کرلیں گے، مقصد یہ ہے کہ فائدے کی صورت میں اصل سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا، اور نقصان کی صورت میں مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں، بشرطیکہ اس نے غفلت نہ برتی ہو، یا معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کی ہو، یا اس نے غیر معمولی دھوکہ نہ کھایا ہو۔

۱۲۔ اگر یہ معاملہ کسی وجہ سے فسخ ہو جائے تو مضارب نے جتنا کام کیا ہے، اس کی اجرت اس کو ملے گی۔ لیکن یہ اجرت اس منافع کی مقدار سے زیادہ نہ ہوگی، جو کسی وجہ سے اس نے اب تک کمایا ہے یہ اس صورت میں ہے، جب کچھ فائدہ ہوا ہو، اگر فائدہ ہونے سے پہلے یہ معاملہ ختم ہو جائے تو اس کو کچھ بھی نہ ملے گا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے سے کاروبار شروع کیا اور دوسو فائدہ ہوا کہ معاملہ فسخ ہو گیا، تو اب اس نے جتنے دن کام کیا ہے، جوڑ کر اس کی اجرت ملے گی، لیکن ابھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور یہ معاملہ ختم ہو گیا تو مضارب کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور اگر فائدہ ہوا ہے مگر اتنا کم کہ اس کی اجرت اس فائدے سے زیادہ ہو جائے تو پھر اس کو نفع سے زیادہ اجرت نہیں دی جائے گی، اگر مالک اپنا معاہدہ ختم کرنا چاہتا ہے تو اس کی مضارب کو اطلاع دینی ضروری ہے، لیکن اس

سلسلہ میں جو کام ادھورا رہ گیا ہے اس کو پورا کرسکتا ہے، **یجوز له ان یبیعها و یبدله بالنقد ص ۲۲۳۔**

کمیشن کا کاروبار۔

کمیشن لے کر کاروبار کرنے کی بھی اسلامی معاشیات نے اجازت دی ہے، چنانچہ ”حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ کسی کمیشن ایجنٹ (سمسار) سے کہے کہ یہ کپڑا فروخت کردو، اور میری مقررہ قیمت پر جس قدر زیادہ طے وہ تمہارا ہے۔“
(بخاری کتاب الاجارہ، سمسار کی اُجرت)

شرکت۔ شغل اصل کا ایک اور طریقہ جو قدیم زمانہ سے رائج ہے وہ شرکت کا کاروبار ہے۔ ”کسی بڑی تجارتی یا صنعتی مہم کو انجام دینا ایک فرد سے ممکن نہیں، اس لیے چند افراد مشترکہ سرمایہ اور محنت کے ساتھ اس مہم کو پورا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، مثلاً دو برابر دولت والے کسی بڑے کاروبار کے لیے شریک ہو جائیں۔“ **(مارشل پرنسپلز آف اکنامکس ۳۰۱)**

شرکت کے کاروبار میں دو یا دو سے زیادہ اشخاص مل کر سرمایہ فراہم کرتے اور نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں، دنیا کے اور حصوں کی طرح شغل اصل کا یہ طریقہ اسلام سے پہلے عرب کے قدیم معاشی نظام میں بھی جاری تھا اور اسلام کے معاشی نظام میں بھی اس کو برقرار رکھا گیا ہے۔

”شرکت کے ذریعہ کاروبار اسلام میں جائز ہے کیونکہ جس وقت حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو لوگوں میں شرکت کا معاملہ جاری تھا پس آپ ﷺ نے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔“ **(ھدایہ ج ۲ کتاب الشرکتہ)**

اور ”رسول اکرمؐ کے بعد سے لے کر آج تک لوگ شرکت کے ذریعے کاروبار کرتے آئے ہیں۔“ **(مبسوط السرخسی ج ۱۱ کتاب الشرکتہ ۱۰۱)**

اسلامی نظام معیشت میں مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں اور شراکتوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراکتی کاروبار عام طور پر بہت مقبول تھے، یہاں تک کہ زراعت میں بھی شراکت کا رواج تھا۔ رسول کریمؐ نے شراکت ہی کے ذریعے بے روزگار مہاجرین کو کاروبار سے لگایا تھا چنانچہ ''انصار نے رسول خداﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے اور ہمارے بھائیوں (مہاجرین) کے درمیان باغ تقسیم فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا تو انصار نے مہاجرین سے کہا تم محنت اپنے ذمے لے لو، اور ہم میوے میں شریک کرلیں گے، انھوں نے کہا ہاں ہم نے اس کو مانا۔'' (بخاری پ۱۰ کتاب الشروط)

فقہی اصطلاح میں اگر شرکت زراعت سے متعلق ہو تو اسے مزارعۃ اور درختوں یا گلاب وغیرہ کی کیاریوں سے متعلق ہو تو اسے مساقاۃ کہتے ہیں۔

(ہر ایک فقہ اور حدیث کی کتاب میں قراض اور شرکت کے مثل مزارعۃ اور مساقاۃ سے متعلق بھی علیحدہ ابواب پائے جاتے ہیں)

''تمام علمائے اسلام ایسی شرکت کے جواز کے قائل ہیں جس میں ہر ایک شریک دوسرے شریک ہی کی طرح اس قسم کا مال یعنے درہم و دینار کاروبار میں لگا دیتا ہے اور انھیں اسی طرح خلط ملط کر دیتا ہے کہ وہ مل کر ایک ہی مال بن جاتے ہیں اور تمیز باقی نہیں رہتی کہ کس کا مال فروخت ہوا، اور کس کے مال سے تجارت کا سامان خریدا گیا۔ اگر نفع ہوتا ہے تو سب کو نفع میں حصہ رسدی ملتا ہے اور نقصان ہو تو سب کا حصہ ہوتا ہے۔''

(بدایۃ المجتہد ص۲۱۲ کتاب الشرکۃ)

پہلی شرط۔

شرکت ایک معاہدہ ہے، اس کے لئے ایجاب وقبول لازمی ہے۔

(ہدایہ ج۲ کتاب الشرکۃ)

دوسری شرط۔

''معاہدہ شرکت درہم دینار اور رائج الوقت پیسوں سے منعقد ہوتا ہے۔''

(ہدایہ ج۲ کتاب الشرکۃ)

لیکن امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کی یہ رائے ہے کہ صرف دینار (سونے کے سکے) اور درہم (چاندی کے سکّے) سے ہی شرکت کا معاہدہ ہوسکتا ہے اور (تانبے کا پیسہ) فلوس سے نہیں ہوتا کیونکہ ''ان کی قیمت گھڑی گھڑی بدلتی رہتی ہے اور ان کی نوعیت مثل دوسرے سامان کے ہوجاتی ہے۔'' (ہدایہ ج۲ کتاب الشرکۃ) گا۔)

اگر مال اشیاء کی شراکت کی شکل میں ہو تو شراکت کا کاروبار شروع کرنے سے پہلے اس کی قیمت کا تعین زر کی شکل میں ہونا ضروری ہے، یا ایک شریک اپنا نصف مال دوسرے کے نصف مال سے تبادلہ کرلے، اور اس طرح سامان ہی کو سرمایہ قرار دیا جائے تو اس میں عذر باقی نہیں رہتا اور نہ مالیت کے متعلق جھگڑا ہوسکتا ہے جیسا کہ سرخسی، کاسائی وغیرہ نے لکھا ہے۔

تیسری شرط۔

امام شافعیؒ نے شراکت کے لیے ایک اور شرط بڑھائی ہے، چنانچہ ''امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب تک مال خلط ملط نہ ہوجائے اور ایک شریک کے مال اور دوسرے شریک کے مال میں امتیاز نہ رہے شرکت صحیح نہیں ہوتی۔'' (بدایۃ المجتہد ج۲۱۱ کتاب الشرکۃ)

چنانچہ انھوں نے شرکت کے لیے سرمایے کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ شرکت کے کاروبار کے لیے سرمایہ ضروری نہیں ہے، اور شراکت کے کاروبار بغیر سرمایہ کے صرف ساکھ اور وجاہت (اعتبار) سے ہوسکتے ہیں۔

شمس الائمہ سرخسی شراکت کے معاہدے کے لیے دستاویز کا لکھا جانا ضروری قرار دیتے ہیں ''شرکت ایسا معاہدہ ہے، جو ایک مدت تک جاری رہتا ہے، لہذا اس کے لیے دستاویز کا لکھا جانا ضروری ہے تا کہ اگر کبھی جھگڑا ہو تو اس کے ذریعے سے فیصلہ کیا جاسکے۔

''نیز دستاویز کا مقصد توثیق اور احتیاط ہے پس اس کے لیے لازمی ہے کہ دستاویز

لکھی جائے تاکہ ہر ایک کی لعن طعن سے بچے رہیں۔'' انھوں نے اس خاص معاملے میں دستاویز کا فارم بھی بتا دیا ہے کہ فارم اس طرح لکھا جائے۔

''پھر اس دستاویز ہر ایک کے سرمایے کی مقدار واضح کی جائے کیونکہ منافع کی تقسیم کے وقت ہر ایک کے سرمایے کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے، تاکہ اس سے نفع کی مقدار معلوم ہو سکے اس لیے اس کا شرکت کی دستاویز میں لکھا جانا ضروری ہے کہ جھگڑے کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

اس طرح لکھنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ سرمایہ غائب نہیں ہے اور نہ قرض ہے بلکہ وہ زر ہے جو ان کے ہاتھ میں موجود ہے، پھر اس شرکت کی دستاویز میں ہر ایک کو ان کی مقدار سرمایہ کے موافق جو نفع ملے گا اس کا تذکرہ کیا جائے نیز یہ بھی لکھا جائے کہ انھوں نے فلاں مہینے اور فلاں سال میں اشتراک کیا اور تاریخ کا تعین ہو جانے سے جھگڑے ہونے نہیں پاتے اور ان میں سے کوئی ایک اس بات کا دعوی نہیں کر سکتا کہ اس تاریخ سے پہلے اس نے مال خریدا اور اس میں اس کا حق ہے۔''

(مبسوط سرخسی ج ۱۲، صفحہ ۵۶ کتاب الشرکۃ)

شرکت کی قسمیں

شرکت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک شرکت املاک اور دوسری شرکت عُقُود۔

شرکت املاک کی تعریف

شرکت املاک یعنی ملکیت کی شرکت یہ اس طرح کی ہوتی ہے کہ چند آدمیوں کو وراثت میں یا بطور ہبہ ایک جائیداد یا نقد روپیہ ملا، یا آدمیوں نے مل کر کوئی چیز خریدی تو یہ تمام صورتیں شرکت املاک کی ہیں یعنی اس چیز کی ملکیت میں دونوں شریک سمجھے

جائیں گے، اس میں عقد یعنی ایجاب و قبول نہیں ہوتا، بلکہ وہ غیر ارادی یا ارادی طور پر کسی چیز میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۳ ص ۶۳)

اس کی دو قسمیں ہیں ایک شرکت جبر، دوسری شرکت اختیار، شرکت جبر کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مرضی کے بغیر وہ کسی چیز میں شریک مان لئے جائیں، مثلاً وراثت میں شریک ہو جائیں، شرکتِ اختیار کا مطلب یہ ہے کہ دونوں اپنا مال ایک جگہ رکھ دیں یا دونوں مل کو کوئی چیز خرید لیں۔ (ایضاً ھدایہ ج ۲ ص ۶۰۴)

شرکت املاک کا حکم

شرکتِ املاک کا حکم یہ ہے کہ جتنے لوگ شریک ہوں، ان میں سے کسی شریک کو اس مشترک جائداد یا روپیہ میں بغیر تمام شرکاء کی اجازت کے تصرف کا حق نہیں ہے، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ چار مکان ترکہ میں چھوڑے تو اس میں جتنے حصہ دار ہیں، خواہ اس میں کسی کا کم حصہ ہو یا زیادہ، بغیر سب کی مرضی کے نہ تو ان روپیوں کو کام میں لانے یا مکانوں کے بیچنے یا ان کو کرایہ پر دینے کا کسی کو حق ہے اور نہ سب کی موجودگی کے بغیر تقسیم کرنے کا، اسی طرح دو آدمیوں یا کئی آدمیوں نے مل کر غلّہ، کپڑا، یا باغ یا پھل یا اور کوئی چیز خریدی تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ وہ چیزیں ایسی ہیں جن میں عام طور پر کوئی فرق نہیں ہوتا، مثلاً گیہوں یا کوئی اور غلہ خریدا، یا کسی ایک ہی کپڑے کے بہت سے تھان خریدے تو دوسرے شرکاء کی موجودگی کے بغیر بھی اس کی تقسیم کی جا سکتی ہے، یعنی ایک شریک اپنا حصہ لے لے، اور ان کا حصہ الگ کر کے رکھ دے تو کوئی حرج نہیں لیکن دوسرے شریک کے پہونچنے سے پہلے اگر اس کا حصہ ضائع ہو گیا تو اس کو دوسرے شریک کے حصے میں سے آدھا لینے کا حق ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن میں کچھ فرق ہوتا ہے، مثلاً مختلف قسم کے دس بیس تھان کپڑے دو آدمیوں نے خریدے، یا پھل، یا جانور خریدے تو ان چیزوں میں فرق ہوتا ہے، کوئی تھان اچھا ہوگا، کوئی خراب، کوئی پھل بڑا ہوگا کوئی چھوٹا، کوئی جانور تیز ہوگا کوئی سست، اس لئے دونوں کی موجودگی کے بغیر تقسیم کرنے میں اختلاف کی گنجائش ہے، اس بنا پر دوسرے شریک کی موجودگی کے بغیر اس کو تقسیم نہ کرنا چاہیئے، اور نہ کام میں لانا چاہیے۔ (المجلہ ص ۱۷۴)

شرکتِ عُقُود

عقود عقد کی جمع ہے، جس کے معنی بندھنے یا باندھنے کے ہیں، اس شرکت کو شرکتِ عقود اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں شرکاء آپس میں ایک معاہدہ کے ذریعے ایک دوسرے سے بندھ جاتے اور اس کی شرائط کے وہ پابند ہوجاتے ہیں۔

شرکتِ عقود کی تعریف

مضاربت اور تجارت کی طرح شرکت میں باہم معاہدہ اور اقرار ضروری ہے، یعنی شرکتِ عقود اس طرح ہوتی ہے، کہ دو یا دو سے زیادہ آدمی تھوڑا تھوڑا سرمایہ فراہم کر کے آپس میں یہ طے کریں کہ ہم سب مل کر اس روپے سے فلاں کام کریں گے، اور جو نفع ہوگا، آپس میں اتنے فی صدی تقسیم کرلیں گے، یا کسی کام کے بارے میں یہ طے کریں کہ آپس مل کر سب اس کو کریں گے اس میں جو فائدہ ہوگا، بانٹ لیں گے، یہ اقرار زبانی بھی ہوسکتا ہے، اور تحریری بھی، امام سرخسی جو حنفی فقہ کے امام سمجھے جاتے ہیں، انھوں نے تحریر پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ (مبسوط ص ۱۵۶ ج ۱۲) موجودہ دور میں ایسا کرنا انتہائی ضروری ہے۔

معاہدہ کب فسخ ہوسکتا ہے

اس معاہدہ کے شرکاء میں سے ہر فرد کو یہ اختیار ہوگا کہ جب چاہے، اپنے معاہدہ کو فسخ کردے اور اس سے علیحدہ ہوجائے لیکن اس معاہدہ کو فسخ کرنے کا اثر دوسرے شرکاء پر نہیں پڑے گا، البتہ دوسرے شرکاء کو اس سے آگاہ کرنا ضروری ہوگا، شرکاء میں سے اگر کوئی مرجائے تو معاہدہ خود بخود فسخ ہوجائیگا لیکن اگر ورثہ چاہیں تو اس کی تجدید کرسکتے ہیں۔

شرکتِ عقود کی قسمیں

شرکتِ عقود کی تین قسمیں ہیں، یہ شرکت یا تو مال میں ہوگی یا جسمانی محنت میں یا اپنی ساکھ کی، ان تینوں کی دو دو قسمیں ہیں، یا تو یہ شرکت مفاوضہ ہوگی یا شرکت عنان، اس طرح اس کی چھ قسمیں ہیں، اور ان سب کے احکام جدا ہیں، مگر ان سب میں چند باتیں مشترک ہیں۔

۱۔ ایک تو باقاعدہ شرکت کا قول وقرار ہونا چاہیئے، خواہ زبانی ہو یا تحریری۔

۲۔ منافع کی تقسیم کی مقدار بھی صاف صاف بیان کردی جائے کہ کتنا کس کو ملے گا اس کی تفصیل مضاربت کے بیان میں آچکی ہے۔

۳۔ ان میں سے ہر ایک شریک مشترکہ مال کا امین بھی ہوگا، اور وکیل بھی، امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت اس پر ضرور ہوگی، اور وکیل کی حیثیت سے ہر ایک کو برابر کاروبار کے نظم اور تصرف میں اختیار حاصل ہوگا۔

۴۔ کام اور سرمایہ برابر ہونے کی صورت میں بھی آپس کی رضامندی سے اگر یہ طے ہو جائے کہ ایک آدمی کو زیادہ اور ایک آدمی کو کم نفع ملے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۵۔ ہر ایک کے لئے اس کام میں خود یا اپنے کسی نمائندہ کے ذریعہ حصہ لینا ضروری ہے، لیکن اگر وہ کسی وجہ سے شریک نہ بھی ہو، تب بھی نفع میں شریک رہے گا، کیونکہ اگر گھاٹا ہوگا تو اس کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑے گا، خلاصہ یہ کہ کام یا مال اور ضمان میں سے کوئی چیز بھی پائی جائے گی، تو وہ نفع کا مستحق ہوگا، غرض یہ کہ شرکت میں تین چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے مال، عمل، ضمانت۔

۶۔ لیکن یہ معاملہ کرتے وقت کسی شریک نے یہ کہہ دیا کہ میں کام میں شریک نہیں رہوں گا تو یہ شرکت اس کے حق میں فاسد ہوگی۔

مجلسِ انتظامیہ

شرکت کا کاروبار بڑے پیمانے پر چلانے اور اس کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے میں سے ایک یا چند آدمیوں کو، یا شرکاء کے علاوہ کسی اور آدمی کو اس کی ذمہ داری سپرد کرسکتے ہیں، لیکن شرکاء میں سے جن لوگوں سے یہ کام لیا جائے گا، تو چونکہ ان کا وقت زیادہ خرچ ہوگا، یا وہ زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں گے، اس لئے وہ منافع میں بھی شریک ہوں، اسی طرح اگر شرکاء کے علاوہ کوئی باہر کا آدمی کاروبار چلانے کے لئے رکھا گیا تو اس کی دو حیثیتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ وہ کام کرے اور منافع کا کچھ حصہ اس کا بھی مقرر کردیا جائے، تو یہ اس وقت مضارب ہوگا، اس لئے اس کو صرف نفع ہی پانے کا حق ہوگا، اور دوسری حیثیت ہے کہ اس کو تنخواہ دی جائے تو اس صورت میں وہ اجیر ہوگا، یعنی وہ صرف تنخواہ پائے گا، منافع میں شریک نہیں ہوسکتا، مقصد یہ ہے کہ شرکت اور مضاربت وغیرہ میں کوئی شریک یا مضارب تعیین کے ساتھ دوسرا فائدہ حاصل نہیں کرسکتا، یعنی اس کو ایک طرف متعین رقم بھی ملے، اور دوسری طرف غیر متعین فائدہ میں بھی شریک رہے۔

اب ہم شرکت کی تمام قسمیں اور اس کے احکام وشرائط بیان کرتے ہیں۔

شرکت مفاوضہ

مفاوضہ کے معنی ایک دوسرے کے سپرد کرنے کے ہیں، اس شرکت کو مفاوضہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک شریک دوسرے کو اپنا مال سپرد کردیتا ہے، اس میں سرمایہ کا ہونا بھی ضروری ہے، اور نفع میں بھی برابری شرط ہے، امام شافعیؒ اسے صحیح نہیں سمجھتے، ان کے علاوہ دوسرے ائمہ شرکت مفاوضہ کو صحیح سمجھتے ہیں، اس شرکت کے لئے حسب ذیل باتیں ضروری ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اس میں شروع سے آخر تک دونوں کا سرمایہ برابر ہوگا۔

۲۔ دونوں نفع میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

۳۔ ہر ایک شریک کو مال کے خریدنے بیچنے اور تصرف کرنے اور قرض دینے کا اختیار ہوگا۔

۴۔ اگر کوئی شریک اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کوئی چیز خریدے تو اس میں دوسرے شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر یہ چیزیں اس نے ادھار لی ہیں، تو دوکاندار کو دوسرے شرکاء سے بھی تقاضے کا حق ہے۔

۵۔ شرکت مفاوضہ میں تمام شرکاء ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور امین وکفیل بھی۔

۶۔ یہ شرکت صرف مسلمان بالغوں ہی کے درمیان ہوسکتی ہے، کیونکہ غیر مسلم ان باتوں کی پابندی نہیں کرسکتا، جو اس کے لئے ضروری ہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، صاحبین مسلم اور غیر مسلم دونوں میں صحیح سمجھتے ہیں۔ (ہدایہ ج۲ ص۶۰۵ ولا بین مسلم والکافر)

شرکتِ عنان

شرکتِ عقود کی سب سے مشہور قسم شرکتِ عنان ہے، عام طور پر اسی طریقۂ

شرکت کا کاروبار دنیا میں رائج ہے، اس میں نہ تو سرمایہ کا برابر ہونا ضروری ہے، اور نہ نفع میں برابری شرط ہے، اس کے جائز ہونے میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ (ہدایۃ المجتہد)

شرکتِ عنان کی تعریف

عنان کے لفظی معنی کسی چیز کے سامنے ظاہر ہو جانے کے ہیں، اسی سے محاورہ ہے، **یجریان فی عنان**۔ یعنی دو آدمی جب فضل و کمال اور دوسری چیزوں میں برابر ہوتے ہیں، تو یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں، اسی طرح جب کوئی آدمی اپنی پوری کوشش کر لیتا ہے تو بولتے ہیں۔

امتلأ العنان گویا عنان میں دو یا دو سے زیادہ آدمی جب شرکت کاروبار کرتے ہیں، تو ان کے پیشِ نظر کچھ فائدہ ہوتا ہے، اور دونوں اپنے حقوق اپنی مرضی سے خود طے کرتے ہیں، اور تمام شرکاء اپنی اپنی پوری محنت و کوشش صرف کرتے ہیں کہ اس سے فائدہ ہو۔

شرائط حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شرکتِ عنان میں ہر شخص شریک ہوسکتا ہے، خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، شرکتِ مفاوضہ میں ہر ایک شریک ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے، اور کفیل بھی، مگر شرکتِ عنان میں کفیل نہیں ہوتا، بلکہ صرف وکیل ہوتا ہے، اگر کفالت کا ذکر عقد کے وقت کر دیا جائے تو صحیح ہے۔ وکیل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو بیچنے اور خریدنے کا اختیار ہوگا، اور کفیل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک ایک دوسرے کا ذمہ دار سمجھا جائیگا۔ کفیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی نابالغ اس میں شریک نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ اس میں کفیل بننے کی صلاحیت نہیں ہوسکتی۔

سرمایہ میں کمی زیادتی

جس طرح مفاوضہ میں سرمایہ اور نفع کا برابر ہونا ضروری ہے، اس طرح عنان میں یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ دونوں کا سرمایہ کم یا زیادہ بھی ہوسکتا ہے، اور جس طرح سرمایہ کم یا زیادہ ہوسکتا ہے، اسی طرح نفع میں بھی کمی بیشی ہوسکتی ہے، مثلاً کسی نے پانچ ہزار روپے لگائے اور دوسرے نے دو ہزار، اور دونوں نے خوشی سے طے کیا کہ منافع میں دونوں برابر رہیں گے، تو وہ ایسا کرسکتے ہیں، کیونکہ منافع کا تعلق محض سرمایہ سے نہیں ہوتا، بلکہ محنت، دوڑ دھوپ کے علاوہ اس میں ذہنی صلاحیت اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کا سرمایہ زیادہ ہو، مگر اس میں عملی و ذہنی صلاحیت کم ہو، اور دوسرا کم سرمایہ رکھتا ہو، لیکن عملی اور ذہنی صلاحیتوں میں زیادہ سرمایہ والے سے بڑھا ہوا ہو تو ایسا شخص سرمایہ کے کمی کی تلافی اپنی دوسری صلاحیتوں سے کرسکتا ہے، کیونکہ کاروبار کی کامیابی کا زیادہ تر دارومدار سوجھ بوجھ اور دوڑ دھوپ ہی پر ہوتا ہے، اور پھر زیادہ سرمایہ رکھنے والے میں اگر صلاحیت کم ہے تو اس کے لئے بھی روپیہ بیکار پڑا رکھنے سے بہتر یہی ہے کہ وہ ایک باصلاحیت آدمی کو سرمایے کی نسبت سے زیادہ نفع دے کر اس سے فائدہ حاصل کرے۔ لیکن بہرحال اس کا تعلق آپس کی رضامندی ہی سے ہے، کسی کے اوپر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا۔

نفع میں کمی زیادتی

تمام شرکاء کا سرمایہ تو برابر ہو، لیکن نفع میں کمی زیادتی طے ہوتی ہو، اور عام شرکاء کام میں شریک ہونے کے لئے تیار نہ ہوں، بلکہ وہ کاروبار کی پوری ذمہ داری کسی ایک یا دو آدمی کے سپرد کر دیں، تو جس کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے، اگر یہ وہ شخص ہے جس کا نفع زیادہ مقرر ہوا ہے تو پھر یہ شرط لگائی جاسکتی ہے، لیکن اگر یہ شرط اس شخص کے ساتھ لگائی گئی ہے،

جس کا نفع کم رکھا گیا ہے، تو یہ شرط جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو سرمایہ کے مطابق منافع ملے گا، کیونکہ جس کا منافع زیادہ تھا، وہ تو اپنے سرمایہ اور محنت کا بدلہ پا گیا، لیکن جس کا منافع کم تھا، وہ بیچارہ تو نقصان میں رہے گا، کیونکہ سرمایہ بھی اس نے برابر لگایا، محنت بھی کی اور منافع بھی اس کو کم ملا، اسی طرح اگر کسی کا سرمایہ زیادہ لگا ہے اور نفع کم مقرر ہے، اور تنہا اس کے ذمہ کاروبار کی نگرانی اور انتظام ہے تو اس صورت میں منافع کی کمی کی شرط بیکار سمجھی جائے گی، اور اس کو سرمایہ کے مطابق حصہ ملے گا، کیونکہ اس صورت میں اس نے دوہری محنت کی، اور سرمایہ بھی لگایا، پھر بھی نفع کم ملا یہ زیادتی ہے، جسے اسلامی شریعت نے کسی وقت بھی روا نہیں رکھا ہے۔

نفع کے مقدار کی تقسیم

نفع کی تقسیم کی مقدار طے ہو جانی چاہیئے، یعنی اس طرح کہ ۲/۱، ۵/۱ یا ۴/۱ یا دس فی صدی فلاں کو اور بیس فی صدی فلاں کو یا سب کو برابر حصہ ملے گا، اگر اس طرح یہ طے کیا گیا کہ ایک ہزار روپے تو فلاں آدمی کے متعین رہیں گے، باقی جو بچے گا، وہ شرکاء کا، تو یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اتنا ہی نفع ہو جتنا اس کا مقرر ہے، تو دوسرے شرکاء نقصان میں رہیں گے۔

نفع کا اثر

جو نقصان ہوگا وہ اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا، نفع پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑیگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب نقصان قصداً نہ کیا گیا ہو بلکہ اچانک ہو گیا ہو، اگر کسی شریک نے جان بوجھ کر نقصان اٹھایا، یا نقصان کیا تو پھر اس کی ذمہ داری اس کے سر ہوگی، یعنی وہ اس کے نفع یا اصل سے پورا کیا جائے گا، اس کی تفصیل مضاربت کے بیان میں آچکی ہے۔

نفع و نقصان میں شرکت

نفع و نقصان دونوں میں تمام شرکاء شریک سمجھے جائیں، اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ

نقصان ہمارے ذمہ اور نفع میں سب لوگ شریک رہیں گے، تو یہ شرکت ناجائز ہوگی۔

معاہدہ فسخ ہونے پر سرمایہ کی تقسیم

اگر شرکت کسی وجہ سے فاسد ہوگئی، یا معاہدہ خود ہی فسخ کر دیا گیا، تو منافع سرمایہ کے مطابق تقسیم ہوگا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ لگایا تھا، اور کسی نے دو ہزار، تو ایک ہزار روپے والے کو ۳/۱ اور دو ہزار روپے والے کو ۳/۲ ملے گا، اگر چہ شرکت کرتے وقت منافع کے زیادہ و کم لینے ہی کی شرط کیوں نہ لگا دی گئی ہو، وہ شرط شرکت کے فاسد و منسوخ ہونے کی صورت میں کالعدم سمجھی جائے گی۔

برابر کا حق

جس غرض کے لئے شرکت کی گئی ہے، اس میں شرکت کے مال کو خرچ کرنے اور تصرف کرنے کا ہر شریک کو برابر کا حق ہے، مثلاً اگر دو آدمیوں نے مل کر دو ہزار کی تجارت کی تو دونوں کو کسی مال کے منگانے، چھڑانے، ادھار مال بیچنے یا ادھار لگانے کا حق ہے، اگر دونوں میں سے کسی سے نقصان ہوگا، تو دونوں کی ذمہ داری سمجھی جائے گی، البتہ اگر دوسرے ساتھی نے کسی چیز کے خریدنے سے اس کو منع کیا، اور اس نے پھر بھی خریدا اور اس میں نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری تنہا اس کے اوپر ہوگی، اسی طرح اگر اس نے کسی چیز کے خریدنے یا بیچنے میں بہت شدید قسم کا دھوکہ کھایا ہے، تو اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی، دوسرے شریک کا سرمایہ محفوظ سمجھا جائے گا۔

شرکت کا مال ملانا

اپنے ذاتی مال کے ساتھ شرکت کا مال ملانا، یا دونوں کاروبار ملا جلا رکھنا جائز ہے، اگر دوسرا شریک اس کی اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح تمام شرکاء کی

اجازت کے بغیر کسی نئے آدمی کو اس میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔

ذاتی کاروبار

جس مشترک کاروبار میں یہ مشترک سرمایہ لگایا ہے، اگر اسی زمانہ میں اسی طرح کا کوئی کاروبار کوئی شریک اپنے ذاتی روپے سے الگ کرنے لگے تو اس کا یہ ذاتی کاروبار بھی مشترک ہی سمجھا جائے گا، اگرچہ وہ باقاعدہ اس بات کا ثبوت ہی کیوں نہ فراہم کردے کہ یہ اس کا ذاتی کاروبار ہے، مثلاً کچھ لوگوں نے مشترک سرمایہ سے کپڑے کی دوکان کھولی، یا شیشہ کا برتن یا کوئی اور سامان بنانے کا کارخانہ کھولا تو اب کسی شریک کو اپنے ذاتی روپے سے دوسری کوئی کپڑے کی دوکان یا شیشہ و برتن کا کارخانہ کھولنے کی اجازت نہ دی جائے گی، چاہے وہ ثابت ہی کیوں نہ کردے، کہ وہ اس کا ذاتی کاروبار ہے۔

البتہ اگر وہ اپنے ذاتی روپے سے دوسرا کوئی کاروبار کرے تو اس کی اجازت ہے، مثلاً اگر وہ کپڑے کے بجائے جوتے کی دوکان کھولے تو اس کی اجازت ہوگی، یہ قید اس لئے بڑھائی گئی ہے کہ وہ مشترک سرمایہ کے کاروبار کو اپنے ذاتی کاروبار سے نقصان نہ پہونچادے، یا مشترک سرمایہ کو غلط طور پر اپنی منفعت کے لئے نہ استعمال کرسکے۔

قرض کا اختیار

تمام شرکاء کی اجازت کے بغیر کوئی شریک کسی دوسرے آدمی کو مشترک سرمایہ سے قرض نہیں دے سکتا۔ (المجلہ دفعہ۔۱۳۸۰ص۲۲۴)

غیر سودی قرض

اگر سرمایہ قرض لے کر دو یا بہت سے آدمی کوئی مشترک کاروبار کریں، تو یہ جائز ہے، مگر یہ قرض سودی نہ ہو۔

مشترک سرمایہ

مشترک کاروبار کے سلسلہ میں، سفر میں مزدوری یا دوکان کے کرایہ وغیرہ میں یا کارخانہ کے بنانے یا مشین کے لگانے میں جو کچھ خرچ ہوگا، وہ مشترک سرمایہ میں سے لیا جائے گا۔

شرکاء کا تاوان

اگر کسی ایک شریک نے دوسرے شریک کو یا چند شرکاء نے ایک شریک کو مشترک سرمایہ سپرد کرکے کہا کہ تم تجارت یا صنعت کا جو کام چاہو کرو تو پھر اس کو اختیار ہے کہ وہ جو کاروبار چاہے کرے، اور جس طرح چاہے کرے، لیکن اگر وہ قصداً سرمایہ برباد کرے گا، یا فضول کاموں یا اپنے تعیّشات میں خرچ کرے گا تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی، یعنی تمام شرکاء اس کا تاوان اس کے سرمایہ سے وصول کریں گے۔

نقصان کی ذمہ داری

اگر کسی شریک نے دوسرے شریک سے یا چند شرکاء نے کسی ایک شریک سے یا ایک شریک نے چند شرکاء سے یہ کہا کہ کاروبار اس شہر میں کرنا بہتر ہوگا، لیکن دوسرے شرکاء نے کسی دوسری جگہ یہ سرمایہ لگایا تو اگر اس میں نقصان ہوگا، تو اس کی ذمہ داری صرف ان ہی لوگوں پر ہوگی، جنھوں نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہے، اور نفع میں وہ شخص اسی طرح شریک ہوگا، جس طرح معاہدہ ہوا ہے، غرض یہ کہ ہر شریک کی رضامندی ضروری ہے۔

شرکتِ اعمال یا شرکت صَنائع

شرکتِ عقود کی تیسری قسم شرکتِ اعمال یا شرکتِ صنائع ہے، یعنی وہ شرکت جس

میں سرمایہ کے بغیر دو ہم پیشہ یا دو مزدور اس بات کا معاہدہ کریں کہ فلاں کام ہم مل جل کر کریں گے، جو کچھ اس سے پیسہ ملے گا، وہ دونوں بانٹ لیں گے، مثلاً دو مزدور اسٹیشن پر سامان ڈھونے کے لئے یہ طے کریں کہ دونوں کے کام سے جو پیسہ ملے گا، اس کو برابر یا کم و بیش بانٹ لیں گے۔

یا ایک مکان یا ایک موٹر یا ہوائی جہاز کے بنانے کا ٹھیکہ لیں، اور یہ شرط ٹھہرائیں کہ جو پیسہ ملے گا، بانٹ لیں گے، اسی طرح دو سناروں نے یا دو موچیوں نے یہ معاہدہ کیا کہ جس کے پاس بھی کام یا آرڈر آئے گا، وہ اسے قبول کرلے گا، اس کو دونوں مل کر یا علیٰحدہ علیٰحدہ کریں گے، اور دونوں کے کام سے جو فائدہ ہوگا، اس فائدہ میں دونوں شریک ہوں گے، یہ تمام صورتیں جائز ہیں، اس کو شرکتِ اعمال یا شرکتِ صنائع اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں نقد سرمایہ مشترک نہیں ہوتا، بلکہ عمل اور پیشہ (صنعت) مشترک ہوتا ہے، اس کا نام شرکتِ تَقَبُّل بھی ہے، یعنی دو آدمی مشترک طور پر ایک کام کو قبول کر لیتے ہیں، رسول ﷺ کے زمانہ میں صحابہ اس طرح کی شرکت کرتے تھے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ، حضرت سعد بن وقاص اور حضرت عمّار نے غزوۂ بدر میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ جو کچھ مالِ غنیمت ملے گا، وہ سب کا مشترک حصّہ ہوگا، خواہ ایک ہی آدمی کیوں نہ پائے۔ اس شرکت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے لئے چند ضروری شرطیں ہیں۔

شرکت اعمال کی شرطیں

شرکتِ عنان کی طرح اس میں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کام برابر کرے، اور مزدوری کی رقم میں برابر کا شریک ہو، بلکہ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، مثلاً چند مزدوروں نے مشترک طور پر ایک نہر کھودنے کا کام کیا، تو اب ضروری نہیں ہے کہ ہر مزدور برابر کام کرے، اور برابر نفع پائے، اس لئے کہ ہر انسان کی صلاحیت اور طاقت جدا جدا ہوتی ہے،

ایک جوان آدمی بوڑھے سے زیادہ کام کرے گا، تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی محنت کے مطابق مزدوری بھی پانے کا حقدار ہوگا، کیونکہ اس شرکت میں اصل سرمایہ محنت اور صلاحیت ہی ہے، اسی طرح دو درزی مل کر یہ معاہدہ کرتے ہیں، جو کپڑے دونوں کے پاس سینے کے لئے آئیں گے وہ دونوں کے مشترک ہوں گے، اور مزدوری دونوں تقسیم کریں گے، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں کے پاس کام برابر آویں، یا دونوں کام برابر کریں، اور نفع بھی برابر لیں۔

کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک اگر سلائی میں محنت زیادہ کرتا ہے، تو دوسرا کپڑے کترنے میں زیادہ ماہر ہے، اور اسی کی وجہ سے کپڑے زیادہ سلنے کے لئے آتے ہیں، یا دونوں میں سے ایک کا ہاتھ زیادہ صاف اور باریک سے باریک کام کر لیتا ہے، اور دوسرا موٹا ہی کرسکتا ہے، تو ظاہر ہے کہ دونوں کی مزدوری میں بھی تفاوت ہوسکتا ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ دونوں کی رضامندی سے ایسا ہو۔

تقاضے کا حق

جو شخص کام دے گا، اس کو ان میں سے ہر ایک شریک سے تقاضے کا حق حاصل ہوگا، خواہ کسی کی مزدوری کم ہو یا زیادہ۔

شرکاء کا آرڈر

شرکاء میں سے جو بھی کوئی کام یا کام کا آرڈر لے گا، وہ تمام شرکاء کی طرف سے سمجھا جائے گا، اس کی ذمہ داری سب پر ہوگی، شریک سناروں میں سے کسی ایک نے زیور بنانے کا آرڈر لیا تو وہ آرڈر دوسرے شرکاء کی طرف سے بھی سمجھا جائے گا، دوسرا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آرڈر تو میرے شریک نے لیا ہے، اس لئے مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔

آرڈر دینے والے سے مزدوری

ان میں سے ہر ایک شریک کام یا کام کا آرڈر دینے والے سے پوری مزدوری

مانگ سکتا ہے، اور جس نے کام دیا ہے، اگر اس نے کسی ایک کو بھی مزدوری دے دی تو دوسرے کو اب اس سے کچھ کہنے سننے کا حق نہیں ہے، مثلاً اوپر والی مثال میں معاہدہ کرنے والے مزدوروں میں سے کسی مزدور کو نہر کھودنے کی مزدوری دے دی گئی ہے تو وہ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر مزدوروں نے یہ کہہ دیا ہو کہ فلاں آدمی ہی کو مزدوری دے دی جائے تو پھر مالک کو دوسرے مزدور کو مزدوری نہ دینی چاہیئے۔

ایک شریک نے کام کیا دوسرے نے نہیں کیا

اگر کسی شریک نے کام کیا اور کسی نے نہیں کیا تو کام دینے والے یعنی متأجر کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے، البتہ اگر اس نے شرط لگا دی ہو کہ تم ہی کرو تو پھر اس کو کرنا ضروری ہوگا، مثلاً دو کاریگروں نے ایک مکان کی تعمیر کا ٹھیکہ لیا، تو دونوں میں سے اگر ایک ہی کام کرے تو بھی تعمیر کرانے والے کو اس میں اعتراض کا حق نہیں ہے، اگر اس نے ٹھیکہ دیتے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں آدمی کام میں عملاً شریک رہیں گے، تو پھر پابندی ضروری ہے۔

مجبوراً کام نہ کیا ہو تو

اگر شرکاء میں سے کسی نے کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی کام نہیں کیا، مثلاً بیمار پڑ گیا، یا کسی اور وجہ سے نہ کر سکا تو بھی وہ فائدہ اور اجرت میں شریک رہے گا۔

نقصان کے ذمہ دار

اگر کوئی نقصان ہوگا، تو اس کے ذمہ دار تمام شرکاء ہوں گے، مثلاً چند آدمیوں نے ایک پل بنانے کا ٹھیکہ لیا اور اس میں نقصان ہو گیا تو تمام شرکاء اپنے حصہ کے مطابق اس کو برداشت کریں گے، مثلاً جسکو فائدہ میں ۳/۱ حصہ تھا، وہ ۳/۱ خسارہ برداشت کرے گا، اور جو ۳/۲ کا مستحق تھا، وہ اتنا برداشت کرے گا۔

کام اور اوزار

اگر دو پیشہ ور اس طرح شرکت کریں کہ دوکان تو ایک آدمی کی ہوگی، اور اوزار یا کام دوسرے کا ہوگا تو یہ شرکت بھی جائز ہوگی۔

کرایہ میں تقسیم

اگر دو آدمیوں کے پاس دو ٹرک ہوں، اور وہ یہ معاہدہ کریں کہ جو مال لادنے کے لئے ملے گا، اس کو دونوں میں سے کوئی پہونچا دے گا، اور جو کرایہ ملے گا، دونوں تقسیم کرلیں گے تو یہ جائز ہے، دونوں برابر منافع تقسیم کرلیں، لیکن اگر یہ شرکت اس طرح ہو کہ دونوں جو کچھ کمائیں گے، اس میں بانٹ لیں گے، تو جائز نہیں ہے، یعنی معاہدہ شرکت کام اور اجرت دونوں کے لئے ہونا چاہیئے محض اجرت میں نہیں۔

عورتوں اور بچوں کی شرکت

اگر گھر کے مالک نے کوئی کام کیا، اور اس میں گھر کے بچے عورتیں بھی شریک ہوں، تو یہ قانونی شریک نہیں سمجھے جائیں گے، بلکہ یہ اس کے مددگار شمار ہوں گے، ان کو الگ سے کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا، مثلاً کسی شریک سے سینے کیلئے کپڑا لیا اور اس کی سلائی میں گھر کی عورتوں اور بچوں نے بھی ہاتھ بٹایا تو ان کو الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جائے گی، البتہ وہ اس سے الگ رہتا ہے، اور اس نے اس کے کام میں ہاتھ بٹایا تو اس کو اجرت الگ سے ملے گی۔

شرکت الوجوہ

شرکتِ عقود کا چوتھا طریقہ شرکت الوجوہ ہے، یعنی دو یا اس سے زیادہ آدمی نہ تو

کاروبار میں سرمایہ لگائیں، اور نہ دونوں کسی کام اور پیشہ میں شریک ہوں، بلکہ اپنی ساکھ اور وجاہت کی بنا پر یہ معاہدہ کریں کہ تاجروں سے ادھار مال لے کر ہم فروخت کریں گے، اور جو کچھ فائدہ ہوگا، مال کی قیمت ادا کرنے کے بعد بانٹ لیں گے، اس کو شرکتِ وجوہ اس لئے کہتے ہیں کہ اپنی ساکھ اور وجاہت سے وہ ادھار مال حاصل کر لیتے ہیں، اگر ان کی ساکھ نہ ہو تو پھر ان کو ادھار مال نہ مل پائے۔

۱۔ اس شرکت کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو شرکۃ الصنائع کے ہیں، یعنی اس میں دونوں جو منافع طے کریں گے، وہ ملے گا، اور جو گھاٹا ہوگا، وہ منافع کے لحاظ سے دونوں برداشت کریں گے، البتہ ایک شرط اس میں زیادہ ہے کہ جو اپنی ساکھ اور وجاہت کی وجہ سے جتنا زیادہ حاصل کریگا، اور جتنے مال کی ذمہ داری یعنی ضمانت لے گا، وہ اتنا ہی زیادہ نفع پانے کا حق دار ہوگا، اور اگر یہ شرط کی گئی کہ مال دونوں برابر حاصل کریں، یا کم یا زیادہ حاصل کریں، مگر ہر صورت میں فائدہ میں برابر شریک ہوں گے، تو یہ شرط لغو سمجھی جائے گی، جس نے جتنا مال زیادہ حاصل کیا ہے، اسی اعتبار سے اس کو نفع میں حصہ ملے گا، یا کوئی فریق یہ شرط کرے کہ ہم نصف مال کے ذمہ دار ہیں، مگر فائدہ زیادہ لیں گے، تو شرط لغو ہے، دونوں میں آدھا آدھا نفع تقسیم ہوگا۔

۲۔ جو نقصان ہوگا، اس کا خسارہ دونوں کو نفع کے اعتبار سے برداشت کرنا پڑے گا، یا یوں کہے کہ جتنا مال انھوں نے حاصل کیا ہے، یا جتنے کی ذمہ داری لی ہے، اسی تناسب سے ان کو گھاٹا برداشت کرنا پڑے گا، مثلاً اگر کسی نے دو حصہ مال حاصل کیا ہے اور وہ اس کا ذمہ دار ہے، اور کسی نے ایک حصہ حاصل کیا، اور وہ اس کا ذمہ دار ہے تو خسارہ کی صورت میں اسی اعتبار سے دونوں خسارہ برداشت کریں گے۔ (المجلہ ص ۲۲۷)

اگر اس میں شرکتِ مفاوضہ کے طور پر دونوں مال برابر حاصل کریں اور نفع کی

شرط لگائیں تو یہ بھی جائز ہے، اس وقت دونوں وکیل بھی ہوں گے اور کفیل بھی لیکن اگر اسے مطلق رکھیں گے تو یہ شرکتِ عنان کی صورت ہو جائے گی۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۶۱۴)

طبی شراکت

دو یا دو سے زائد ڈاکٹر ملکر مشترکہ طور پر علاج معالجے کے لیے دواخانے (ہسپتال) قائم کر سکتے ہیں۔ نیز مشترکہ سرمایہ سے ادویات خرید کر ہسپتال چلا سکتے ہیں۔ اور اخراجات کی منہائی کے بعد جو خالص آمدنی ہو اس کو آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

تعلیمی شراکت

طبی شراکت کی طرح دو یا دو سے زائد اساتذہ ملکر بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مشترکہ تعلیمی ادارے ٹیوٹوریل اسکول کھول کر آمدنی کما سکتے ہیں۔

زرعی شراکت یا مشترکہ کاشت

اُوپر شرکت کے بیان میں مزارعت کا تذکرہ ہوا ہے، مزارعت میں ایک شخص زمین مہیا کرتا ہے اور دوسرا محنت کرتا ہے اور کھیت کی پیداوار میں دونوں شریک رہتے ہیں۔

امداد باہمی کے اصول پر زرعی شراکت قائم کر کے سائنٹفک طریقے پر زراعت کو ترقی دی سکتی ہے۔ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ عہد رسالتؐ اور عہد خلافت راشدہ میں شراکتی کاروبار کافی مقبول تھے، حتیٰ کہ زراعت میں بھی ان کا رواج تھا۔ امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ مشترکہ سرمایہ سے مویشی، آلات زراعت اور بیج وغیرہ خرید کر مشترکہ عمل سے زراعت کریں تو جائز ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۴ صفحہ ۱۲۹ الشرکۃ فی الزرع)

معدنی شراکت

کان سے معدنی دولت حاصل کرنے کے لیے بھی شراکتی کمپنی قائم کی جا سکتی ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج۴ صفحہ ۱۲۸ الشرکۃ فی حفر القبور والمعاون)

کانیں قوم کی مشترکہ ملک شمار ہوتی ہیں اس لیے اس کی مزید تفصیل تقسیم دولت کے باب (۴) میں اور نیز مالیات کے باب (۷) میں بیان کی گئی ہے۔

شراکت حمل و نقل (ٹرانسپورٹ کمپنی)

دو یا دو سے زائد اشخاص ملکر حمل و نقل اور بار برداری کے کام کے لیے تجارتی اصول پر حمل و نقل کے شراکت (ٹرانسپورٹ کمپنی) قائم کر سکتے ہیں۔

(المدونۃ الکبریٰ ج۴ صفحہ ۱۲۷ الشرکۃ الحمالین علی رؤسھا أو دوابھا)

کتابِ مدوّنہ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ مشترکہ سرمایہ سے باہر شریک اپنی طرف سے جانور فراہم کرتا اور کمپنی بنا کر برّی حمل و نقل کے لیے شراکت قائم کرتا۔ بحری جہاز رانی کی کمپنیاں تو عرصے سے چلی آ رہی ہیں اب ہوائی جہاز کی کمپنیاں بھی قائم ہونے لگی ہیں۔ مشترکہ مفاد کی خاطر حمل و نقل کے ذرائع کو اسلامی حکومت اپنے ہاتھ میں بھی لے سکتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تمام شرکاء کا ایک ہی شہر کے باشندے ہونا لازمی نہیں ہے۔ کتاب مدّ ونہ میں بتایا گیا ہے کہ مختلف شہروں کے باشندے ملکر کثیر سرمایے سے شراکتی کاروبار کر سکتے ہیں۔ (المدونۃ الکبریٰ ج۴ صفحہ ۳۷ فی المشرکین کی البلدین)

انفساخ شرکت

ذیل کی صورتوں میں ہر قسم کی شراکت کے کاروبار منسوخ قرار پائیں گے۔

(۱) جب کہ کوئی شریک معاہدے کو فسخ کرنے کا اختیار کام میں لاتا ہے، واضح ہو کہ ہر ایک شریک کو معاہدۂ شرکت فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، لیکن ''جب ایک شریک معاہدہ فسخ کرے تو اس وقت تک انفساخ جاری نہ ہوگا جب تک کہ دوسرے شریک کو اس کی اطلاع نہ ہو جائے۔'' (ھدایہ ج۲ کتاب الشرکۃ)

(۲) جب کہ کوئی شریک مر جائے چونکہ شرکت کے معاہدے میں ہر شریک دوسری کی جانب سے نمائندگی (وکالت) کرتا ہے اس لیے موت نمائندگی کو باطل کر دیتی ہے۔ البتہ اگر ورثہ چاہیں تو شرکت کے معاہدے کی از سر نو تجدید کر سکتے ہیں۔

مشترکہ سرمایہ دار کمپنی۔

شغل اصل کا ایک اور طریقہ مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں کے حصوں کی خریداری ہے۔

نئے زمانے کے اکثر حوصلہ مندانہ کاروبار اتنی زیادہ مقدار میں اصل چاہتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی ہم رسانی تنہا نہیں کر سکتا؟ نیز ہر حوصلہ طلب کو کاروبار میں کچھ نہ کچھ خطرہ یا جوکھم ضرور مول لینا پڑتا ہے خاص کر اس کے ابتدائی مرحلوں میں نیز کارخانے کے مکمل ہو کر چلنے کے لیے کم از کم سال ڈیڑھ سال لگتا ہے اور بعض بڑے کاروبار کی تیاری کے لیے کئی سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔

مثلاً پشاور سے راس کماری تک ریل کی پٹریاں ڈالنے کے لئے اور اسی طرح نہر سوئز اور نہر پناما کی تیاری کے لیے برسوں کا عرصہ لگا تھا۔ نتیجہ یہ کہ کوئی ایک فرد یا چند اشخاص

اس طرح کا بڑا کاروبار انجام نہیں دے سکتے اور نہ اس طرح سرمایہ لگانا پسند کرتے ہیں۔ اسی بناء پر مشترکہ سرمایے کے کاروبار کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

مشترکہ سرمایے کے کاروبار نے عظیم الشان صنعتی سہولتیں پیدا کی ہیں جس کی وجہ سے صنعت وحرفت تجارت اور دیگر مختلف قسم کے کاروبار میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے، کاروبار کے لیے جس قدر سرمایہ درکار ہوتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے بے شمار حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ہر شخص جس قدر حصے چاہے خرید سکتا ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مشترکہ سرمایہ دار کمپنیات عہد جدید کی پیداوار ہیں بلکہ قدیم سے اس کا رواج رہا ہے، جاہلی عرب میں بھی یہی طریقہ رائج تھا۔ چنانچہ عرب کے قدیم معاشی نظام کے باب (۱) میں واضح کیا گیا ہے، قریش کے تجارتی کاروان مشترکہ سرمایے سے چلتے تھے، خاص کر بدر کے کاروان میں مختلف اشخاص کا سرمایہ لگا ہوا تھا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام عنوان ''مکہ'' نیز وہیں عربی کتابوں کے ماخذ بھی ملیں گے)

البتہ عصر حاضر میں ان سے بیش از بیش فائدہ اٹھایا گیا اور متعلقہ قوانین میں وسعت اور لچک پیدا کی گئی۔

قراض اور شراکتی کاروبار میں یہ خامی ہے کہ ایک شریک کار کے مرنے پر شراکت اور قراض کے کاروبار کو بند کرنا پڑتا ہے، یا از سر نو تجدید کرنی پڑتی ہے نیز کوئی ایک شریک جس وقت چاہے شراکت اور قراض کے کاروبار بند کر سکتا ہے، لیکن مشترکہ سرمایے کی کمپنی کے حصے مال منقولہ کے مثل بازار میں فروخت ہو سکتے ہیں، اگر ذرا غور کیا جائے تو مشترکہ سرمایہ دار کمپنیاں شرکت کی ترقی یافتہ شکل میں جہاں ایک شخص کی بجائے کئی اشخاص سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور منتظم کاروبار ہزاروں مزدوروں سے اُجرت پر کام لیتا ہے، قراض کے بیان میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ مقارض کا اگر مال زیادہ ہوا تو اُجرت پر مزدوروں سے کام لے سکتا ہے، جبکہ اکیلے اس سے محنت نہ ہو سکے۔

مختصر یہ کہ اسلامی معاشیات نے ہر قسم کے نفع آور کاروبار کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ اس کا سارا رجحان کاروبار کرنے پر زور دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ہر قسم کے سودی کاروبار کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

بہر حال اجتماعی طور پر کاروبار اور سرمایہ ومحنت سے مل جل کر بڑے سے بڑے پیمانہ اٹھانے کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں ان میں سے کسی صورت کو بھی اسلامی معاشیات نے نظرانداز نہیں کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس معاشی تنظیم کے باوجود ملک میں وہی شخص بیکار اور بے روزگار رہ سکتا ہے جو خواہ مخواہ بے کار و بے روزگار رہنا ہی چاہتا ہو ورنہ سرمایہ ہو کہ نہ ہو، کسی پیشے یا ہنر سے واقف ہو کہ نہ ہو، کام کرنے والے دوسروں سے مل کر کام کر سکتے ہیں اور جتنا چاہیں نفع کما سکتے ہیں۔

قرض کے معنیٰ اور اس کی تعریف

قرض اور اُدھار کے لئے عربی میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک قرض، دوسرے دَین، دَین کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں، یعنی اس لفظ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ قرض دے کر آدمی صرف اس کا پورا پورا بدل ہی لے سکتا ہے، زیادہ یا کم نہیں، قرض کے معنی کاٹ دینے کے ہیں، اسی لئے قینچی کو عربی میں مقراض کہتے ہیں، جو آدمی قرض یا ادھار کوئی چیز یا رقم دیتا ہے، وہ اپنی آمدنی یا جمع شدہ رقم کا ایک حصہ کاٹ کر اس کو دیتا ہے، اور غالباً اس لئے بھی اس کو قرض کہتے ہیں کہ اگر قرض خواہ اور قرض دار شرعی حدود کی پابندی نہ کریں، تو پھر دونوں کے تعلقات کو یہ چیز کاٹ دینے کا سبب بھی ہوتی ہے، اس لئے یہ ضرب المثل بن گئی ہے کہ **القرض مقراض المحبتہ** (قرض محبت کی قینچی ہے) دین کا لفظ ذرا عام ہے، اور قرض کا لفظ خاص ہے، یعنی قرض محض اس نقد یا جنس کو کہیں گے، جو کسی کو واپسی کے لئے دی جائے

اور دین ہر طرح کے بقایا کو کہتے ہیں، مثلاً آپ نے کوئی چیز خریدی اور قیمت باقی ہے تو اس کو قرض نہیں دین کہیں گے، اسی طرح آپ نے قیمت لے لی، مگر مال ابھی نہیں دیا تو یہ مال آپ کے ذمہ دین ہوا، اس کو قرض نہیں کہیں گے، غرض یہ کہ ہر قرض کو دَین تو کہہ سکتے ہیں، مگر ہر دین کو قرض نہیں کہہ سکتے، اوپر قرض خواہ اور قرض دار دونوں کی اخلاقی ذمّہ داریوں اور ہدایتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اب دونوں کی قانونی ذمہ داریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قرض اور اُدھار کا معاملہ لکھ کر کرے

قرآن وحدیث دونوں میں قرض واُدھار معاملہ کو لکھ لینے کی تاکید آئی ہے، گو کہ نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ یہ تاکید صرف اس لئے کی گئی ہے کہ دونوں کو اطمینان رہے، اگر بغیر لکھے ہوئے بھی یہ اطمینان حاصل ہو جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، قرآن پاک میں سب سے بڑی آیت اسی کے حکم میں نازل ہوئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر۔۲۸۲)	اے ایمان والو! جب قرض وادھار کا معاملہ ایک مقررہ مدت تک کے لئے کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت میں قرض کے لین دین کو لکھ لینے کا بھی حکم ہے، اور اسی سے بیع سلم کا بھی حکم نکلتا ہے، آگے لکھنے کا طریقہ اور گواہوں وغیرہ کا بیان ہے، پھر کہا گیا ہے کہ اس میں کوتاہی نہ کرو، تاکہ لین دین میں ایک دوسرے سے بے اعتمادی نہ ہو، اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا:

"من اسلف فلیسلف فی کیلٍ معلوم ووزن معلوم الی اجلٍ مسمٰی"

جو شخص کوئی ادھار معاملہ کرے تو اسے پیمانہ، وزن اور مدت مقرر کر کے ادھار کا

معاملہ کرنا چاہیئے۔ (بخاری ومسلم)

قرض دینے والے کو ہدایتیں

(۱) اوپر قرض دینے کی فضیلت اور اس سلسلہ میں اسلامی حکومت کی جس ذمہ داری کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ افراد کے لئے قرض دینا تو ان کی طرف سے ایک انعام ہے، اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود قرض نہ دے تو اخلاق و دیانت کے اعتبار سے وہ مجرم ضرور قرار پائے گا، مگر اس پر کوئی قانونی جبر نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لامحالہ قرض دے ہی دے، مگر اجتماعی ذمہ داری جس کی نمائندگی حکومت کرتی ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ بہر حال بے سہارا افراد کی مدد کرے، خواہ اعانت وصدقہ دے کر یا قرض دے کر۔

(۲) قرض خواہ چاہے حکومت ہو یا افراد، ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس قرض پر سود نہ لے، سود سے مراد وہ متعین رقم ہے، جو آدمی کسی مال یا چیز کے بدلہ میں بغیر کسی عوض کے دیتا یا لیتا ہے، اوپر سود کی تعریف آچکی ہے، سود خواہ قرض دینے کے عوض میں لیا جائے، جیسے مہاجنی سود یا روپئے سے منفعت اٹھانے کی وجہ سے اس طرح کوئی شخص یا کوئی ادارہ یہ رقم دے، جیسے تجارتی کمپنیوں کا سود، انشورنس کا سود، اور بینک وڈاک خانہ کا سود، یہ سب ناجائز ہے، اسلامی شریعت کا یہ اصول ہے:

"كُلُّ قَرْضٍ جَبَّرَ نَفْعاً فَهُوَ رِبا" جو قرض بغیر عوض نفع کھینچ لاوے، وہ سود ہے۔

(۳) نفع اٹھانے کی کچھ صورتیں تو وہ ہیں، جو اوپر بیان ہوئی ہیں، اس کی اور بھی بے شمار قسمیں ہیں، غرض قرض سے نفع اٹھانے میں ہر طرح کا مادّی یا غیر مادّی نفع سود میں داخل سمجھا جائیگا، مثلاً قرض خواہ قرض دار سے اپنی نیازمندی کرانا چاہے، یا تحفہ تحائف کا طلبگار ہو، تجارت اور دوسرے معاملات میں رعایت چاہے تو یہ تمام صورتیں ناجائز اور

بعض حرام ہیں، اوپر ذکر آچکا ہے کہ ایسی تجارت یا خرید وفروخت مکروہ یا باطل ہے، جس میں مقروض سے فائدہ اٹھایا جائے، قرآن میں قرضِ حسنہ کی تعریف بیان کی گئی ہے، یعنی ایسا قرض جس میں نہ سود ہو اور نہ مدّت کی تعیین ہو، اور نہ اظہارِ احسان ہو، اس طرح قرآن میں کسی کی مدد کرکے یا کسی کی ضرورت پوری کرکے احسان کرنے والوں کے مال کو چٹان کے اوپر کی مٹی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ایک ہلکی سی بارش سے وہ دھل جاتی ہے۔ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۶۴)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:۔

"اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُکُمْ قَرْضاً فَاَهْدٰی اِلَيْه اَوْ حَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبُهٗ وَ لَا يَقْبَلُهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَرٰی بَيْنَه وَبَيْنَهٗ قبلَ ذَالِكَ"۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

جب کوئی کسی کو قرض دے تو مقروض اگر اس کے پاس کوئی ہدیہ بھیجے یا اسے اپنی سواری پر سوار کرے تو اس کو نہ تو سواری استعمال کرنا چاہیئے، اور نہ اس کا ہدیہ قبول کرنا چاہیئے، البتہ اگر قرض دینے سے پہلے سے تعلقات ہوں، اور تحفہ تحائف دینے کا معمول رہا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قرض کے بیان میں نہیں بلکہ سود کے بیان میں ذکر کیا ہے، گویا مقروض کا ہدیہ بھی ایک طرح کا سود ہے۔

(۴) قرض خواہ نے قرض ادا کرنے کی اگر کوئی مدّت مقرر کردی ہے، تو مدّت گزرنے سے پہلے بھی وہ تقاضا کرسکتا ہے، گو اخلاقاً ایسا نہ کرنا چاہیئے، مگر قانوناً اس کو اس کا حق ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو شدید ضرورت پیش آگئی ہو، قرض دار قرض ادا نہ کرسکے تو قرض خواہ اگر اس کو مزید مہلت دینا نہیں چاہتا، تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ سختی سے وصول کرے، گو اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ابھی دینے کے قابل نہ ہوا ہو اس کو مزید

مہلت دے، مگر قانوناً اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، ایک بار خود نبی ﷺ نے کسی سے کوئی جانور قرض لیا تھا، اور ادائیگی کی مدّت گزر گئی، تو اس نے ذرا سختی سے تقاضا کیا، صحابہؓ کو اس کی یہ بدتمیزی بری معلوم ہوئی مگر آپؐ نے فرمایا کہ:

"دَعُوْهُ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا" صاحبِ حق کو سخت کلامی کا حق حاصل ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے صحابہ سے کہا کہ ایک جانور اس سے اچھا خرید کر اس کو دے دو، چنانچہ دے دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

(۵) اگر مقروض قرض ادا کردینے کی قدرت رکھتا ہے، اور اس کے باوجود ادا نہیں کرتا ہے تو پھر اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ:

"مَطْلُ الْغَنِّیِ ظُلْمٌ"۔ (بخاری ومسلم) غنی کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

"لَیُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهٗ وَ عُقُوْبَتَهٗ" (ابوداؤد ونسائی)

''روپے رکھتے ہوئے ٹال مٹول کرنے والے کی عزت اور سزا حلال ہوجاتی ہے''۔

یعنی قرض خواہ ایسے شخص کو برا بھلا کہہ سکتا ہے، اس کے ساتھ سختی کرسکتا ہے، اس کو مشتہر کرسکتا ہے، اسکے خلاف دعوٰی کرکے سزا دلوا سکتا ہے، عبداللہ بن مبارکؒ نے اس کی تفسیر ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"قال ابن المبارك يُحل عرضه يغلظ له و عقوبته يحبس له"
(مشکوۃ)

یعنی اسے زبان سے لعنت ملامت کی جائے گی، اور سزا یہ ہے کہ اسے قید کیا جائیگا۔

چنانچہ اسی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص تنگدست یا مجبور ہو، اس کو تو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر قرض کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوئے کوئی شخص ٹال مٹول

کرے تو پھر اس کو قید بھی کیا جا سکتا ہے، اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ تو کہتے ہیں کہ خوش حال اور بد حال میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا، بلکہ دونوں حالت میں سزا دی جا سکتی ہے مگر دوسرے ائمہؒ تنگدست اور بد حال کو قید کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں، بلکہ یہ سزا انھوں نے صاحبِ قدرت ہی کے لئے مقرر کی ہے، حدیث نبی سے بظاہر ان ائمہ کرام ہی کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ کسی غریب نے ہڑپ لینا ہی اپنا پیشہ نہ بنا لیا ہو، اگر ایسا ہے تو اس کو امام صاحب کے قول کے مطابق بھی بہر حال سزا دی جائے گی۔

محنت کے مسائل

خود ایک انسان یا منظّم ادارہ، فیکٹری یا کارخانہ دوسرے انسان کی جسمانی یا دماغی صلاحیتوں سے استفادہ کرتا ہے۔ ''خدمت میں بھی صفات افادہ و استبدال موجود ہے جو دولت کی ایک شکل ہے۔ یعنی محنت یا تو جسمانی ہوتی ہے یا دماغی۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

جسمانی محنت سے استفادہ

قرآن پاک نے پیدائش دولت کے اس ذریعے کا بھی تذکرہ کیا ہے، جس سے آدمی بغیر کسی سرمایہ کے روزگار حاصل کرتا ہے جس کی تعبیر عام طور پر مزدوری، نوکری، ملازمت وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ مزدوری یا اُجرت کے تذکرے میں تو اس نے دو پیغمبروں کی زندگی پیش کی ہے، جس میں ایک کو آجر، اور دوسرے کو مزدور کی شکل میں پیش کیا ہے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام اس شرط سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے مویشی چرانے کے لیے مزدور مقرر کرتے ہیں۔

اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ (سورۃ قصص، آیت نمبر۔۲۷)

کہ تم آٹھ سال میرے ہاں مزدوری کرو پھر اگر تم دس برس پورے کر دو گے تو یہ تمہاری طرف سے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، اُجرت کے اس معاملے کے جواب میں مزدوری کی پوری ذمہ داری قبول کر کے یہ فرماتے ہیں۔

قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ (سورۃ قصص، آیت نمبر۔۲۸)

(موسیٰ نے) کہا، یہ بات ہمارے اور آپ کے بیچ طے ہو گئی ہے، ان دونوں میں سے جو بھی مدّت، میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو گی؛ اور جو سمجھوتہ ہم کر رہے ہیں، اللہ گواہ ہے۔''

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں پیشہ معماری کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا (سورۃ کہف، آیت نمبر۔۷۷)

پھر اُن کو ایک دیوار ملی، جو گرنے والی تھی، تو اسے سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا، ''اگر آپ چاہتے تو اس کی کچھ مزدوری ہی لے لیتے۔''

دماغی محنت سے استفادہ

بغیر سرمایہ کے وہ تمام کاروبار جس میں بجائے جسم کے زیادہ تر دماغ سے کام لیا جاتا ہے اور عام طور سے اس کو مینیجری ڈائرکٹری، عہدہ داری (سروس) وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصّے میں فرماتا ہے کہ بادشاہ نے ان سے گفتگو کرنے کے بعد خواہش کی کہ

اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ (سورۃ یوسف، آیت نمبر۔۵۴)

''آج سے تم ہمارے نزدیک معزز اور معتبر ہو۔''

حضرت یوسفؑ کی نوکری

حضرت یوسفؑ نے نوکری کی اس خواہش کو قبول کر کے اپنے متعلق یہ فرمایا

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الْأَرْضِ ۚ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ (سورۃ یوسف، آیت نمبر۔۵۵)

''ملک کے خزانوں پر مجھے مامور کرو میں ان کی حفاظت کرنے والا اور خوب واقف کار ہوں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی قابلیت کے مطابق آدمی حکومتوں میں درخواست دے سکتا ہے اور درخواست میں اپنے اسناد قابلیت (کوالیفیکشن) کا تذکرہ کرنا سنت پیغمبری ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ نے اس موقع پر ''انّی حفیظٌ علِیمٌ'' کا دعویٰ فرمایا۔

(طلب وجاہت امر مباح غیر مکروہ ہے۔ پیغمبر خدا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون سے حکومت وخلافت کی خواہش کی اور کہا کہ اجعلنی علیٰ خزائن الارض انّی حفیظٌ علِیم) (ملک کے خزانوں پر مجھے مامور کردو، میں محافظ اور باخبر ہوں آپ نے استحقاق کی علت بھی ذکر فرمائی کہ میں حفیظ وعلیم ہوں۔ اس میں دو تاویلیں ہیں، ایک یہ کہ محافظ ہوں۔ جو کچھ سپرد کرو گے باخبر ہوں طریقہ حکومت سے جو مجھے دو گے۔ یہ قول عبد الرحمٰن بن زید کا ہے، دوسرے یہ کہ محافظ ہوں، حساب سے باخبر ہوں، اور زبانوں سے واقف ہوں یہ قول اسحاق بن سفیان کا ہے۔)

اُجرت، ملازمت اور دیگر کاروبار سے متعلق حدیثوں میں بھی کافی ترغیبیں پائی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ خود سرور کائناتؐ فرمایا کرتے تھے کہ ''خدا کے ہر ایک نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے دریافت فرمایا، کیا آپؐ نے بھی؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہاں! میں بھی چند قیراطوں پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔''

(بخاری، کتاب السلم فی الاجار نیز مسلم ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ)

حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق جیسا کہ پہلے بیان ہوا وہ اپنے ہاتھ سے کسب

وہ ہنر کر کے روزگار کمایا کرتے تھے۔

واقعہ تو یہ ہے کہ مختلف پیراؤں میں قرآن اور حدیثوں نے معاشی وسائل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے تو اپنی صحیح میں، لوہاری، نجاری، خیاطی، پارچہ بانی، عطاری یا عطر فروشی وغیرہ سے متعلق باب قائم کئے ہیں اور حدیثوں سے روشنی ڈالی ہے۔

محنت کے معیار کو بلند کرنا

موجودہ معاشیات کے ماہرین نے کارکردگی اور محنت کے معیار کو بلند کرنے کے لیے مزدوروں کی جسمانی طاقت اور دماغی قابلیت پر بہت زور دیا ہے، اس لیے انھوں نے حکومت سے استدعا کی ہے کہ محنت کرنے والے طبقے کی حفاظت ملک کی معاش فلاح اور بہبود کے واسطے لازم ہے۔

قرآن پاک میں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُجرت پر مزدور بنانے کا تذکرہ ہے وہیں اس سے اوپر ایک اور آیت یہ بھی ہے کہ

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ (سورۃ قصص، آیت نمبر۔ ۲۶)

''ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ اے میرے باپ! تم اسے اُجرت پر رکھ لو بے شک جنھیں تم مزدور بناؤ، ان میں وہی بہتر ہے جو طاقتور اور امانتدار ہے''۔

قرآن کے یہ دو لفظ ''قوی'' اور ''امین'' معاشی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں کیونکہ اس میں جسمانی محنت کرنے والے مزدور کی صفت ہی ''طاقتور'' اور ''امانت دار'' قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح دماغی محنت کرنے والوں میں کیا خصوصیتیں ہونی چاہئیں اس کا سراغ حضرت یوسف علیہ السلام کے قرآنی قصّے سے لگایا جا سکتا ہے، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے تو خود اپنی صفت حفیظ، علیم بتائی، اور بادشاہ مصر نے ''امین'' کے لفظ سے اس کی

طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ مزدوری کا تعلق چونکہ جسمانی محنت سے ہے، اس لیے جسمانی قوت اس کے لیے درکار ہے ملکی انتظام کے لیے دماغی صلاحیت کی ضرورت ہے، اس لیے یہاں علم اور حافظے کی صفت کا اظہار کیا گیا اور باقی امانت و دیانت، تو ظاہر ہے کہ ہر ایک قسم کی ملازمت میں خواہ جسمانی ہو یا دماغی سب میں ناگزیز ہے۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ محنت خواہ جسمانی ہو یا دماغی قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب میں کامیاب ہونے کے لیے امانت کی ضرورت ہے۔ اب ظاہر ہے کہ امانت انسان کی اس صفت کی تعبیر ہے، جس میں فرائض اور ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرنے کی ضمانت پوشیدہ ہے اور ذمہ داریوں کے صحیح احساس کے لیے ضرورت ہے۔ اخلاق و کردار کی تصحیح کی جس کی واحد تدبیر تعلیم ہے، کہ دماغی محنت کے لئے تو خیر اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہے، لیکن جسمانی محنت کرنے والوں میں بھی امانت کے جذبات کی پرورش کے لیے ضروری ہے کہ تھوڑی بہت تعلیم ان کو بھی دلائی جائے۔

قرآن کی پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ یہ تھی کہ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۚ‏ ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ‌ ۚ ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُۙ ﴿۳﴾ الَّذِىۡ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡؕ ﴿۵﴾ (سورۃ العلق، آیت نمبر۔۱،۵)

اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو ایک بستہ خون سے پیدا کیا پڑھو اور (جان لو کہ) تمہارا پروردگار بڑا بزرگ ہے وہ جس نے قلم کے ذریعے سے (علم) سکھایا۔ ان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

مذکورہ قرآنی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی اس میں دین کے تمام احکام سے پہلے ''اقرء'' کا مطالبہ کیا گیا بلکہ وحی کی ان ہی ابتدائی آیتوں میں قرأۃ کے ساتھ **''عَلَّمَ بِالْقَلَم''** (انسان کو قلم سے سکھایا) کا بھی ذکر کیا گیا ہے پھر اسی سورے میں **''عَلَّمَ الانسَانَ مَالَم**

یَعْلَم'' (انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا) کے الفاظ میں سچ پوچھئے تو اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ انسان حقیقت میں دوسرے موجودات کے مقابلے میں بھی بڑا امتیاز رکھتا ہے کیونکہ حیوانات جس حال میں پیدا ہوتے ہیں اور جن معلومات کو لے کر پیدا ہوتے ہیں، اسی حال میں ان ہی معلومات کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور مرتے ہیں برخلاف انسان کے کہ وہ جاہل پیدا ہوتا ہے، اور جو چیزیں اس کو معلوم نہیں ہیں ان کو بتدریج معلوم کرتا رہتا ہے تاکہ وہی جاہل علامہ، حکیم، فلسفی اور سائنسداں بن کر مرتا ہے، اس کے معنٰی یہی ہوئے کہ انسانی نسل کے ارتقاء کا سنگ بنیاد قرآن نے گویا تعلیم ہی پر رکھا ہے۔

پہلی وحی قرآنی کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ **مثلاً**

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ‌ؕ (سورۃ الزمر: ۹)

''اور جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی افراد میں برتری کا زیادہ مدار علم کی کمی بیشی پر ہے، ملائکہ پر بھی آدم نے جو فضیلت حاصل کی صاف صاف الفاظ میں قرآن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس فضیلت کی بنیاد بھی علم ہی پر قائم تھی۔ (تفصیل کے لئے سورۂ بقرۃ ملاحظہ ہو)

طالوت کے قصّے میں بھی جسم کے ساتھ ساتھ علم ہی کو ان کے حکمراں منتخب ہونے کی وجہ قرار دیا گیا ہے، یعنی نبی نے کہا۔

زَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ‌ؕ — اس کو علم اور جسم میں برتری بخشی۔

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر۔۲۴۷)

بعثت کا مقصد علم

سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید میں پیغمبر اسلامی کی بعثت کا مقصد علم کی اشاعت بتایا گیا ہے کہ

هُوَالَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ (سورۃ جمعۃ، آیت نمبر۔۲)

’’(خداہی وہ ذات ہے) جس نے اَن پڑھوں میں ان ہی میں کا ایک پیغمبر بھیجا جوان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور ان کو (گناہوں سے) پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت (کا سبق) پڑھاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔‘‘

خداعلم کواپنا ایک احسان جتاتا ہے جو بندوں پر کیا گیا۔

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ۚ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿﴾
(سورۃ آل عمران، آیت نمبر۔۱۷)

بے شک خدا نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جواُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کرسناتا ہےاوراُن کو(گناہوں سے) پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت (کا سبق) پڑھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

مذکورہ آیتوں میں آیتوں کی تلاوت کا، تزکیہ کا، کتاب کی تعلیم کا، اوراس سے بڑھ کرحکمت کی تعلیم کا تذکرہ ہے، یہ چاروں مدارج نفسیاتی اورعرفانی اعتبار سے بجائے خود بہت غورطلب ہیں، لیکن یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں اوریوں بھی عالم کا مرتبہ بہت بلند ہے، چنانچہ قرآن کریم نے بھی اس اہمیت کو جابجاواضح کیا ہے کہ

وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر۔۲۶۹)

اور جس کو حکمت عطا ہوئی تو بے شک اُسے بڑی دولت عطا ہوئی۔

گویا حکمت انبیاء کا ورثہ اور خیر کثیر کا منبع ہے۔

حدیثوں میں بھی بکثرت تعلیم پرزور دیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنی اُمت کے

مرد،عورت کے لیے تعلیم کولازمی کیا تھا۔

"طَلَبُ الۡعِلۡمِ فَرِیۡضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسۡلِمٍ مُسۡلِمَۃٍ"

(ابن ماجہ الجزء الاول کتاب العلم)

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔

تعلیم کی اس اہمیت کا یہ نتیجہ تھا کہ پیغمبر خداﷺ نے مسجد کے ساتھ ساتھ مسجد ہی میں ’’صفہ‘‘ کے نام سے تعلیمی ادارے کا افتتاح فرمادیا جس کے پہلے معلم تو خود سرور کائنات ﷺ ہی تھے، بلکہ اپنے مبعوث ہونے کی وجہ بھی آپ نے بیان فرمائی کہ

’’اِنَّمَا بُعِثۡتُ مُعَلِّمًا‘‘ (الدارمی، بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العلم) بے شک میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تعلیمی دائرے کو جلد سے جلد امکانی حد تک وسیع کرنے کے لیے تعلیم بالغان کے سلسلے میں یہ تدبیر اختیار فرمائی کہ جنگی قیدیوں کا فدیہ جنگ بدر میں یہ مقرر کیا گیا کہ مدینے کے دس دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں شاید جنگ کی تاریخوں میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی جو عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ ’’بدر کے جنگی قیدیوں کا فدیہ مختلف تھا کسی کا تو یہ تھا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔‘‘

(کتاب الاموال لابی عبید قاسم بن سلام صفحہ ۱۱۶ نمبر (۳۰۹) ابن سعد ۱۴۲/۲ مسند احمد ابن حنبل)

آزادی پیشہ

مزدوروں کے معیار کارکردگی کو بڑھانے کے لئے ان کی دماغی اور جسمانی نشوونما کے علاوہ لوازم کارکردگی کے سلسلے میں آزادی پیشہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی معاشیات نے اس سلسلے میں جس وسعت نظر سے کام لیا ہے، اب اس پر بحث کی جائے گی۔

اسلامی سوسائٹی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس بات کی پوری آزادی عطا کرتی ہے کہ پیدائش دولت کے لیے جس پیشے کو چاہے اختیار کرے خواہ وہ ادنیٰ پیشہ ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ — پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی۔

(سورۃ قصص، آیت نمبر۔۲۹)

باوجود یہ کہ مویشی چرانا معمولی اور ادنیٰ درجہ کا پیشہ سمجھا جاتا ہے پھر بھی انھوں نے آٹھ یا دس برس تک ان کو چرایا، بھیڑ، بکریوں کو چَرانا اور ان کو درختوں سے جھاڑ جھاڑ کر پتے کھلانا غرض ان سب ''موسیٰ مشاغل'' کا تذکرہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے۔

اس سے پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ خود سرور کائناتﷺ نے بھی بکریاں چرائی تھیں۔

اسلامی معاشیات نے اس سلسلے میں جس وسعتِ نظر سے کام لیا ہے اس کا کچھ اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ ''رسول اللہؐ ایک دن بھوکے تھے مجھے اس کی اطلاع ہوئی اور میں مزدوری کی تلاش میں چلا تا کہ رسول اللہؐ کے لیے کچھ کما لاؤں، مدینے کے باغ میں ایک یہودی کو دیکھا کہ اس نے مٹی کے کچھ ڈھیلے جمع کر رکھے ہیں، ان پر پانی ڈالنے کے لئے مزدور کی ضرورت ہے فی ڈول ایک کھجور پر میں نے معاملہ طے کیا اور یوں سترہ ڈول کے معاوضے میں سترہ کھجوریں مزدوری میں کما کر گھر لایا اور پھر میں نے رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کا ذکر کیا رسول کریمؐ نے میرے ساتھ کھجوریں تناول فرمائیں''۔

(ابن ماجہ باب الرجل یسقی کل دتمرٍ)

''ایک صحابی کے ہاتھ پھاوڑا چلاتے چلاتے سیاہ پڑ گئے تھے، رسولﷺ نے ان کے ہاتھوں کو دیکھ کر فرمایا کہ کیا تمھارے ہاتھ پر کچھ لکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں

میرے ہاتھوں میں سیاہی کی وجہ یہ ہے کہ میں سنگلاخ زمین پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی کماتا ہوں۔

آپؐ نے یہ سنا تو ان کے ہاتھ چوم لیے۔ (اسد الغابہ تذکرہ سعد الانصاری)

حقیر سے حقیر پیشہ

رسول اکرمؐ نے عملی طور پر یہ تعلیم دی تھی کہ معاش حاصل کرنے کے لیے اگر حقیر سے حقیر پیشہ بھی اختیار کرنا پڑے تو اس سے اجتناب نہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ ایک واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ''رسول اکرمؐ نے کچھ دستکاری کی، اور مسلمانوں کو بھی اختیار دیا لیکن مسلمان اس سے الگ رہے۔ رسول اکرمﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے خطبہ پڑھا اور خدا کی حمد وثنا کی اور فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسے کام سے الگ رہتے ہیں، جس کو کہ میں خود کرتا ہوں اور بخدا میں معرفت اور خدا کا خوف تم سے زیادہ رکھتا ہوں۔'' (بخاری، مسلم وغیرہ)

غرض اسلامی معاشیات نے ہر شخص کو پیشے کی آزادی عطا کرتے ہوئے اسلامی معاشرے میں اہل پیشہ کو خاص عزت بخشی ہے، اور اہل پیشہ کو خدا کا دوست قرار دیا ہے کہ

اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ — پیشے والے اللہ کے دوست ہیں۔

(اسد الغابہ تذکرہ سعد الانصاری)

اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے ذات کے فرق کو مٹایا اور پیشہ وروں کا رتبہ بڑھا کر ہر ایک کو بلا تکلف پیشہ اختیار کرنے کی ترغیب دی، اسلامی تاریخ کے سب سے درخشاں حصے میں مسلمانوں کی آزادی، آزادی پیشہ گری ہی خاص طور سے نمایاں نظر آتی ہے، لیکن کتنے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ ہمسایہ قوم تو ہمارے آزادانہ اصول اختیار کر کے شاہراہ ترقی پر چل نکلے اور ہم اس کے اصول اپنے اُوپر عائد کر کے بے دست و پا افلاس کے جال

میں پھنسے رہے، پیشے کی عزت اور ذلت کا اسلامی معیار اکل حلال کا ملنا نہ ملنا ہے۔ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے بمشکل کوئی ایسا پیشہ ہوگا، جس کو تھوڑا بہت عمائد وا کابر اسلام نے اختیار نہ کیا ہو۔ جب تک ہم اپنے قدیم مسلک کی طرف پھر عود نہ کریں گے، ہماری مالی اصلاح و ترقی محال ہے۔''

''عرب کے قدیم معاشی نظام'' میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جاہل عرب اپنی اولاد کو فقر و فاقہ سے ڈر کر قتل کر دیا کرتے تھے۔ اسلام میں معصوم کو خون بہانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہوسکتا ہے۔ قرآنی ہدایت ہے کہ

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا
(سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر۔۳۱)

''فقر و فاقہ سے ڈر کر اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی بیشک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے''۔

اسلامی حکومت ملک کے تمام باشندوں کے رزق کی کفالت زکوٰۃ، عشر وغیرہ کے ذریعہ کرتی تھی۔

اسلام نے رہبانیت کو ناجائز قرار دیا اور یوں دنیا کو ویران کر دینا انسانی فطرت کے لئے مضر قرار دیا ہے۔ اگر آبادی حد سے زیادہ گھٹتی رہے تو یہ صرف معاشی نقطہ نظر ہی سے نہیں بلکہ فوجی اور سیاسی نقطہ نظر سے بھی اس طرح گھٹنا برا ہے۔ آبادی سے متعلق اسلام کے میلانات بڑھانے کی طرف مائل ہیں اور مذہبوں کے برخلاف اسلام میں بیواؤں کے نکاح کا بھی حکم ہے کہ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ
(سورۃ النور، آیت نمبر۔۳۲)

اور بے شوہر والی عورتوں کا اور اپنے نیک کردار غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو۔ اگر وہ نادار ہوں گے تو خدا اپنے فضل سے انھیں مالدار کر دیگا اور اللہ وسعت والا دانا ہے۔

بعض صحابہ عزل کیا کرتے تھے تو رسول اکرمؐ نے یہ خیال ظاہر فرمایا تھا کہ ''تم ایسا نہ کرو، اس لیے کہ جس جان کا پیدا ہونا اللہ نے مقدر کر دیا ہے وہ ضرور پیدا ہوگی۔''

(بخاری، کتاب النکاح کتاب القدر نیز مسلم وغیرہ)

حضرت محمد ﷺ نے بعض صحابہ اکرام کو اولاد کی رغبت بھی دلائی تھی کہ ''اے جابر! اولاد کی خواہش کر۔'' (بخاری، کتاب النکاح)

پھر آپ نے فرمایا کہ

''تَزَوَّجوُا الوَدُودَ الوَلُودَ فَانّیِ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الاُمَمَ''

(ابوداؤد اور نسائی کی کتاب النکاح)

بہت دوست رکھنے والی بہت بچے پیدا کرنے والی سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت آبادی سے اور اُمتوں پر فخر کروں گا۔

نیز یہ ارشاد فرمایا کہ

''اَلنکاحُ مِن سُنّتِی فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِی فَلَیسَ مِنّی''۔

(کنزالعمال کتاب النکاح)

''نکاح میری سنت ہے۔ پس جو کوئی اس سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

البتہ بعض دوسرے مذہبوں میں آبادی بڑھانے کے جو غیر اخلاقی طریقے بتائے گئے ہیں وہ اسلام میں سخت ممنوع ہیں، پھر قرآن ہی نے خاص حالات میں نکاح کے معاملے میں لچک بھی رکھی ہے کہ

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
(سورۃ النور، آیت نمبر۔۳۳)

''جو لوگ نکاح کا مقدور نہیں رکھتے انھیں چاہیے کہ باز رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انھیں مالدار کر دے۔''

پھر حدیثوں سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ عزل بھی کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم عزل کیا کرتے تھے، حالانکہ اس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا۔'' یعنی اگر عزل ناجائز ہوتا تو قرآن میں اس کی ممانعت آتی لیکن نفسانی اغراض کے تحت ضبط تولید کے جو جدید طریقے رائج ہو رہے ہیں، ان سے متعلق فقہائے اسلام کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ کس حد تک جائز قرار دئے جاسکتے ہیں!

مدینے میں مہاجرین وانصار

مدینے میں آکر سب سے پہلا مسئلہ جو رسول کریمؐ نے حل فرمایا وہ مہاجرین کا معاملہ تھا، جنھیں معاشی وسائل ابھی حاصل نہیں ہوئے تھے، چنانچہ رسول اکرمؐ نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے لیے انصار اور مہاجرین میں مواخات (بھائی چارہ) کا سلسلہ قائم کر دیا۔ طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ''انصار نے مہاجرین کو قرعہ ڈال کر آپس میں تقسیم کرلیا تھا۔''

(بخاری پ ۲۸ تعبیر الرویاء)

اوس وخزرج کے قبیلوں کا نام انصار اسی وجہ سے ہو گیا کہ انھوں نے حضرت محمدﷺ اور مہاجرین کی مدد کی تھی۔ انصار کے معنی ہی عربی زبان میں مدد دینے والوں کے ہیں۔ حدیث کی کتابوں کے علاوہ تاریخ، سیرت اور رجال کی کتابوں میں تمام مہاجرین کے نام اور نیز انصار سے بھائی چارہ ہوا تھا، اس کی تفصیل درج ہے۔

(تفصیل کے لئے بخاری، باب ہجرت یا مناقب الانصار دیکھئے)

لیکن یہاں مقصد اس کی تفصیل نہیں ہے، بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اس مسئلے کا حل کیونکر کیا گیا؟ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ''انصار نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے باغ اپنے بھائیوں (مہاجرین) کے درمیان تقسیم کیے لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں تب انھوں نے کہا تم (مہاجرین) محنت کر دیا کرو اور ہم تمھیں پھلوں میں شریک

کرلیں گے تو مہاجرین نے کہا اچھا ہم اس کو منظور کر لیتے ہیں۔''

(بخاری، کتاب المزارعت نیز مناقب الانصار)

اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ درج کیا جاتا ہے، تاکہ اس بھائی چارے کی اسپرٹ معلوم ہو جائے۔ ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو رسول کریمؐ نے میرے اور سعد بن ربیع انصاریؓ کے درمیان بھائی چارہ کرایا، سعد بن ربیع نے مجھ سے کہا کہ تمام انصار میں ہیں، سب سے زیادہ مالدار ہوں اس لیے میں تمھیں آدھا مال دے دوں گا اور تم میری دونوں بیویوں میں سے جس کو پسند کرو اسے میں تمھارے لئے طلاق دیدوں، جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو تم اس سے نکاح کر لینا۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں تم یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی بازار بھی ہے جس میں تجارت ہوتی ہو؟ انھوں نے کہا ہاں! قینقاع ایک بازار ہے (راوی کا بیان ہے) صبح حضرت عبدالرحمٰنؓ اس بازار میں گئے اور وہاں سے کچھ پنیر اور گھی لے آئے پھر تو انھوں نے روزانہ جانا شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ، رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے لباس پر زرد رنگ کا نشان تھا۔

رسول کریمؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا کس سے؟ انھوں نے کہا اس انصاری خاتون سے۔ آپ نے فرمایا تم نے اسے کس قدر مہر دیا؟ انھوں نے عرض کیا ایک گھٹلی برابر سونا یا یہ کہا کہ ایک سونے کی گھٹلی پھر ان سے رسولﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔''

(بخاری کتاب البیوع نیز مناقب الانصار، النکاح، کتاب الادب۔)

یہی عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو ہجرت کے دنوں میں محتاج و نادار ہو کر مدینہ آئے تھے، تجارتی کاروبار کی بدولت مالا مال ہو گئے۔ ابن سعد وغیرہ مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں انھوں نے اپنا آدھا مال یعنی چار ہزار درہم تصدق کیا اس کے بعد چالیس

ہزار درہم اور پھر چالیس ہزار دینار تصدق کیا، غریب مجاہدین کو راہِ خدا میں پانچ سو گھوڑوں پر اور پھر پانچ سو اُونٹوں پر سوار کیا۔ رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد اُمہات المومنین کی خدمت میں ایک باغ پیش کیا جو چالیس ہزار دینار درہم میں فروخت ہوا۔ ملک شام سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تجارتی سامان اُونٹوں پر لد کر آتا تو ان بے شمار اونٹوں کی آوازوں سے مدینہ لرز اُٹھتا تھا۔)

کفالت کے معنیٰ

کفالت کے لفظی معنی ملانے اور چمٹانے کے ہیں، اور اصطلاح میں ”**ضم الذمة اِلی الذ مه فی المطا لبة**“ یعنی کسی مال کی ادائیگی یا قرض کی ادائیگی یا کسی شخص کے وقت پر حاضر کردینے کی ذمہ داری لینے کو کفالت کہتے ہیں۔

اس کی تین قسمیں ہیں، کفالت بالنفس کفالت بالدین اور کفالت بالعین، کفالت بالعین کا مطلب یہ ہے کہ جو سامان یا مال اس کے ذمہ ہے، اس کی پوری حفاظت کرے، گویا امین کے ہم معنی ہے، کفالت بالدین اور کفالت بالنفس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

اصطلاحات

۱۔ کفیل ذمہ داری وضمانت لینے والے شخص کو کہتے ہیں۔

۲۔ اَصیل یا مکفول عنہ جس کے ذمہ رقم باقی ہو، اور وہ کسی کا کفیل بنائے۔

۳۔ مکفول لہٗ جن کا مطالبہ یا قرض باقی ہو۔

۴۔ مکفول بہ۔ وہ مال یا وہ شخص جس کی کفالت کی گئی ہو۔

کفالت کا طریقہ

کفالت کا طریقہ یہ ہے کہ کفیل یعنی ذمہ داری لینے والا، مکفول لہ، یعنی حقدار

سے کہے کہ آپ کی جو رقم یا جو مال فلاں کے ذمہ باقی ہے، یا فلاں مجرم کا میں ذمہ دار ہوں، تو اب اس کی ذمہ داری ہوگئی، اب اگر اصیل یعنی قرض دار اس کو ادا نہ کرے تو اس کے ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل پر ہوگی، اور کبھی دو آدمی کوئی معاملہ شرکت کا کرتے ہیں، تو ان میں سے ہر ایک رقم اور مال کا کفیل ہوتا ہے، مقصد یہ ہے کہ کفیل اور مکفول لہٗ میں ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے، اس کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً یہ ذمہ داری لے لے کہ میں اس کو ادا کروں گا، تو اب حقدار چاہے کفیل سے مطالبہ کرے یا اصیل سے اس کو دونوں کا حق ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے کہا کہ اگر اس نے نہ دیا تو میں دوں گا تو مکفولہ یعنی حقدار پہلے اصیل سے مطالبہ کرے، اگر وہ ادا نہ کرے تو اس کے بعد پھر کفیل سے مانگے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مکفول لہٗ نے اصیل کو ایک ماہ کی مہلت دی ہے، یا ایک سال کے وعدہ پر اس نے قرض دیا، تو وہ ایک ماہ تک یا ایک سال کفیل سے مطالبہ نہیں کرسکتا، اس مدّت کے بعد تو وہ کفیل سے مطالبہ کرسکتا ہے۔

کفالت کے شرائط

(۱) کفالت اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے، جب کفیل، اور اصیل دونوں عاقل اور بالغ ہوں۔

(۲) اگر مکفول بہ کوئی شخص ہے تو اس کا نام پتہ اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے، لیکن اگر مکفول بہ مال ہے تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا اور بتانا ضروری نہیں ہے، بلکہ صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں فلاں کے قرض کا ذمہ دار ہوں یا فلاں مال کا ذمہ دار ہوں۔

(۳) مکفول بہ یعنی وہ مال ایسا ہو کہ اصیل خود اس کا ضامن بن سکے، اب اگر کوئی رہن رکھی ہوئی چیز یا عاریۃً لی ہوئی چیز میں کفالت کرے تو صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ مرتہن اور

مستعیر پر اسکے تلف ہوجانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، راہن اور رعایت دینے والے کو خود سمجھ بوجھ کر دینا چاہیئے، کسی کو کفیل بنانا صحیح نہیں ہے، اسی طرح امانت وودیعت میں بھی کفالت صحیح نہیں ہے۔ (المجلہ ص ۹۲)

کفیل کی ذمّہ داریاں

(۱) اگر کفیل نے کسی شخص کی ضمانت لی ہے، تو وقتِ مقررہ پر اس کو حاضر کرنا ضروری ہوگا، اگر اس نے حاضر نہ کیا تو اس وقت تک وہ قید کرلیا جائے گا، جب تک وہ اس کو حاضر نہ کردے، یہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے حاضر نہ کیا تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی، بلکہ اس سے کچھ مال بطور تاوان لیا جائے گا۔

(۲) اگر کفیل یا اصیل یعنی جس کی کفالت کی ہے، وہ مرجائے تو کفالت کی ذمہ داری ختم ہوگئی اس لئے کہ نہ ذمہ داری لینے والا باقی رہا اور نہ ذمہ داری دینے والا باقی رہا۔

(۳) لیکن اگر مکفول لہٗ یا مدّعی مرجائے تو اس کی کفالت ختم نہیں ہوگی۔ (المجلہ ص ۹۹)

(۴) حدود وقصاص وسزا میں کسی کی نیابت وکفالت صحیح نہیں ہے، یعنی قاضی مدعا علیہ کو کفیل لانے پر مجبور نہیں کرسکتا، البتہ صاحبین قصاص اور قذف میں کفالت ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے کہ یہ بندوں کے حقوق ہیں۔ (شرح وقایہ ج ۳ ص ۹۶)

البتہ دیت وغیرہ کی ادائیگی کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔

کفالت کن چیزوں میں ہوسکتی ہے

(۱) جس طرح کسی شخص یا مال کی ادائیگی اور حاضری کی ضمانت وکفالت صحیح ہے، اسی طرح نقل وحمل کی بھی کفالت صحیح ہے۔

ریلوے ضامن اور کفیل ہے

(۱) جو لوگ ریل سے سفر کرتے ہیں، انھوں نے جہاں تک کا ٹکٹ لیا ہے، یا اپنا مال جہاں

لے جانے کے لئے بک کرایا ہے، ریلوے اس مقام تک پہونچانے کی ذمہ دار یعنی کفیل ہے، اب اگر گاڑی ٹھہر جائے یا گر پڑے، اور مسافروں کی جان یا مال کا نقصان ہوجائے، یا ان کا ٹکٹ ریل کے حادثہ میں گم ہوجائے، تو اسکے نقصان کی تلافی ریلوے کو کرنی ہوگی، اور اس کو بغیر ٹکٹ اس مقام تک پہونچانا ہوگا، اگر وہ اس کی تلافی نہ کرے تو قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے، البتہ اگر کسی کے بارے میں معلوم ہوجائے کہ وہ بلا ٹکٹ تھا، تو اس کو پہونچانے کی کوئی ذمہ داری ریلوے پر نہیں۔

(۲) اسی طرح جو مال یا سامان تاجر ریلوے کے ذریعہ منگاتے ہیں یا بھیجتے ہیں، ان سب کی ذمہ داری ریلوے پر ہے، یعنی اگر وہ گم ہوجائے یا ٹوٹ پھوٹ جائے، تو اس کے نقصان کا ہرجانہ ریلوے کو دینا ہوگا، اگر وہ نہ دے تو مال بھیجنے والا قانونی کاروائی کے ذریعہ لے سکتا ہے، اسی کو شریعت میں **اَلْكِفَالَةُ بِالتَّسْلِيْمِ** (کفالت نام ہے سپرد کردینے کا) کہتے ہیں۔

ڈاک خانہ کی حیثیت

اسی طرح جو خطوط، رجسٹری، منی آرڈر، بیمے، پارسل، ڈاک خانہ کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں، ڈاک خانہ ان سب کا کفیل ہے، یعنی اگر وہ گم ہوجائیں، اور ان کا ثبوت مل جائے تو ڈاک خانہ کو ان کا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا اس لئے کہ **اَلْكِفَالَةُ بِالدَّرك**، کفالت نام ہے تسلیم ثمن کا یعنی جس مال یا سامان کی اس نے ذمہ داری لی ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ مکفول لہٗ تک پہونچائے۔

کسی چیز کے پہونچانے کا بیمہ

اسی طرح اگر کوئی جہاز ران کمپنی یا بیمہ کمپنی اس بات کی ذمہ داری لے کہ یہ مال فلاں جگہ پہونچادے گی، اور اتنی فیس لے گی، اور اگر مال ضائع ہوگیا، تو اس کا تاوان اس

کے ذمہ ہوگا، تو یہ بیمہ جائز ہے، جہاز راں کمپنی یا بیمہ کمپنی اس کی ذمہ دار ہوگی، البتہ جہاز راں کمپنی اور بیمہ کمپنی کی ذمہ داری میں تھوڑا سا فرق ہے، جہاز راں کمپنی بعض صورتوں میں اجیر مشترک اور بعض صورتوں میں امین بالاُجرت ہوتی ہے، اور بیمہ کمپنی ہر حال میں کفیل ہوگی۔

ضروری ہدایتیں

اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں۔

ایک یہ کہ جتنا مال ہو صحیح صحیح اتنا ہی درج کرایا جائے، اگر اس نے غلط طور پر زیادہ مال دکھایا تو گناہ گار ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اس پر جان و مال کے اس بیمہ کو قیاس نہ کیا جائے، جو آج کل عام طور پر رائج ہے، اسکی حقیقت سود و قمار ہے جس کی تفصیل سود کے بیان کے سلسلہ میں آچکی ہے۔

حوالہ کی شرعی تعریف

حوالہ کے لفظی معنی اپنی ذمہ داری کو کسی دوسرے پر ڈال دینے کے ہیں، مگر شریعت میں:۔

"نَقْلُ الدَّيْنِ مِنْ ذِمَّةٍ اِلٰى ذِمَّةٍ اُخْرٰى"۔

''اپنے قرض کی ذمہ داری کو دوسرے کی طرف منتقل کردینے کو حوالہ کہتے ہیں''۔

نبی ﷺ نے امتِ مسلمہ کے آسودہ حال افراد کو یہ حکم فرمایا کہ اگر کوئی اپنے قرض کی ذمہ داری اس کے سر ڈالے تو ان کو یہ ذمہ داری قبول کر لینی چاہیئے، آپؐ نے فرمایا کہ:۔

مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ وَ اِذَا اُتْبِعَ اَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ ۔ (ابوداؤد)

مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب کوئی نادار کسی آسودہ حال کے ذمہ اپنا قرض ڈالنا چاہے، تو آسودہ حال کو یہ ذمہ داری قبول کر لینی چاہیئے۔

حوالہ کی قسمیں

حوالہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک حوالہ مقیدَّہ یعنی محیل کا جو روپیہ کسی دوسرے کے ذمہ باقی ہے، وہ قرض میں محتال کو دلا دے، اس کی یہ صورت ہے کہ عبداللہ، عبدالرحمٰن، کا ایک ہزار روپئے کا مقروض ہے، اور عبدالرحمٰن، عبدالشکور کے ایک ہزار کا مقروض ہے، عبدالرحمٰن نے عبداللہ سے تقاضا کیا، عبداللہ نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ میرے اتنے روپئے عبدالشکور کے ذمہ باقی ہیں، تم ان سے لے لو، اب اگر عبدالرحمٰن اور عبدالشکور نے منظور کرلیا تو یہ حوالہ ہوگیا، اب عبدالرحمٰن خالد سے نہیں عبدالشکور سے روپیہ طلب کرے گا، اب اگر جو روپیہ عبداللہ نے عبدالشکور سے عبدالرحمٰن کو دلوایا ہے، وہ اتنا ہی ہے جتنا کہ عبدالرحمٰن کا اس کے ذمہ باقی تھا، تو اب عبداللہ سے کچھ مانگ نہیں سکتا، لیکن اگر کم ہے، تو اتنا وضع کرنے کے بعد بقیہ کا مطالبہ عبدالرحمٰن عبداللہ سے کرے گا، اور اگر عبداللہ کا روپیہ عبدالرحمٰن کے مطالبے سے زیادہ ہے تو بقیہ کا مطالبہ عبداللہ عبدالشکور سے کرے گا۔

۲۔ دوسری قسم حوالہ مطلقہ ہے، یعنی اس صورت میں محیل کا کسی کے ذمہ کچھ باقی نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کسی کے حوالہ کرتا ہے، مثلاً زاہد حامد کا مقروض ہے، اس نے شارک سے کہا کہ تم ہماری طرف سے اس کا روپیہ ادا کرو، جب ہوگا میں دوں گا، تو شارک نے اگر قبول کرلیا، تو اب اس پر اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

حوالہ کے ارکان

ا۔ حوالہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مُحتال (یعنی جس کو رقم دلانا ہے) اور محتال علیہ (جس سے دلانا ہے) دونوں کو خبر ہو اور دونوں راضی ہوں اگر ان میں سے کسی کو خبر نہ ہو تو پھر یہ حوالہ صحیح نہ ہوگا۔

٢۔ حوالہ کرتے وقت محیل اور محتال کا موجود ہونا ضروری ہوگا، لیکن اگر محتال علیہ موجود نہ ہوتو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کو اطلاع دے کر اجازت منگا لینی ضروری ہے، جب تک اس کی اجازت نہ آجائے، حوالہ صحیح نہیں ہوگا۔ (قاضی خاں، باب الحوالہ)

حوالہ کے صحیح ہونے کی شرطیں

(۱) حوالہ کے صحیح ہونے کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ محیل محتال اور محتال علیہ تینوں عاقل بھی ہوں، اور بالغ بھی، یعنی اگر ان میں سے کوئی بچہ یا پاگل ہوگا یا جس کو حکومت نے اپنی ملکیت میں تصرّف سے روک دیا ہو، یعنی (مجور) تو ان سب کا حوالہ باطل ہوگا۔

(۲) جس قرض کی کفالت صحیح نہ ہوگی، اس کا حوالہ بھی صحیح نہ ہوگا، مثلاً رہن رکھی ہوئی چیز کا نہ تو حوالہ صحیح ہے اور نہ کفالت۔

(۳) کفالت میں رقم کی یا دَین کی مقدار معلوم ہو یا نہ ہو، کفالت صحیح ہو جاتی ہے، مگر حوالہ میں اگر رقم معلوم نہ ہوتو پھر حوالہ صحیح نہ ہوگا، مثلاً کسی نے کہا کہ یہ جو کچھ خریدیں گے، اگر یہ ادا نہ کریں گے، میں ادا کروں گا، تو یہ کفالت صحیح ہے، لیکن اگر محیل، محتال سے یہ کہہ کہ جو میں خریدوں یا جو میں قرض لوں، اس کی ذمہ داری آپ لے لیجئے، اور اس نے لے لیا تو صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کو بتانا ضروری ہے کہ کس چیز کی کتنی رقم کا یہ حوالہ کر رہا ہے۔

(۴) جس طرح وہ قرض جو اس نے اپنی ذات کے لئے لے لیا ہے، اس کا حوالہ کر سکتا ہے، اسی طرح وہ اگر کسی کا کفیل یا محتال علیہ ہے، اور رقم ادا نہیں کر پاتا ہے، تو وہ بھی اس رقم کو کسی کے حوالہ کر سکتا ہے۔ (المجلہ ص ۱۰۴)

حوالہ کا حکم

(۱) حوالہ کرنے کے بعد اب محتال صرف محتال علیہ سے مطالبہ کر سکتا ہے، محیل سے کوئی

مطلب نہیں، اگر محیل کا کوئی کفیل ہے، تو وہ بھی حوالہ سے بری ہے۔

(۲) محال علیہ محیل کی رقم ادا کرنے کے بعد اپنی رقم محیل سے وصول کر سکتا ہے، اگر محیل بغیر ادا کئے ہوئے مر جائے تو اس کے ترکہ سے یہ رقم وصول کی جائے گی، اگر اس کے مال کے کچھ اور وارثین یا حقدار نکلیں تو ان سب کو محال علیہ کے رقم دینے کے بعد ہی دیا جائیگا۔

(۳) اگر محیل کا روپیہ کسی کے یہاں امانت رکھا ہے، اور اس نے اسی کو محال علیہ بنایا، یعنی اپنے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری سونپی تو محال علیہ اس کا روپیہ ادا کر کے امانت کے روپیہ سے اپنا روپیہ وصول کر سکتا ہے، اگر اس اثناء میں امانت کے روپئے محتال علیہ سے ضائع ہو گئے، تو اب حوالہ باطل ہو گیا، اب محتال محیل سے طلب کرے گا، لیکن اگر یہ امانت باضمانت تھی، تو پھر حوالہ اپنی جگہ پر باقی رہے گا۔ (المجلہ ص ۱۰۵)

(۴) اگر زید احمد کا مقروض ہے، اور زید کا کچھ مال خالد کے پاس رکھا ہے، اور زید خالد سے کہتا ہے کہ وہ اس کو بطور حوالہ لے لے، اور بیچ کر اس سے احمد کا قرض ادا کر دے، اگر خالد نے منظور کر لیا، تو اب خالد محتال علیہ ہو گیا، اب اس کو احمد یعنی محتال کا روپیہ ادا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر ادا نہ کرے گا، تو قانونی طور پر اس کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔

(۵) محال علیہ حوالہ کی رقم ادا کرنے سے پہلے محیل سے اس رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

(۶) محیل نے محال علیہ سے جو چیز دینے کے لئے کہا تھا، وہی چیز محیل سے واپس لے سکتا ہے، اگر اس نے اپنی طبیعت سے کوئی چیز دی ہے تو وہ محیل سے نہیں لے سکتا، مثلاً محیل نے کہا کہ چار تولہ چاندی فلاں کو میری طرف سے دے دیجئے، اس نے چاندی کے بجائے، اتنی ہی قیمت کا سونا دے دیا تو اب وہ چار تولہ کی قیمت کا سونا یا ایک تولہ سونا محیل سے مانگے تو یہ جائز نہیں ہے، وہ چار تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہی لے سکتا ہے،

اسی طرح دوسری چیزیں بھی ہیں۔

(۷) اگر حوالہ کرنے کے بعد خود محیل ہی نے رقم ادا کردی تو ادا ہوگئی، اب محتال کو محتال علیہ سے مانگنے کا حق نہیں ہے۔

(۸) محتال علیہ کے مرنے سے حوالہ کا مطالبہ نہیں جاتا، محتال علیہ کے ترکے سے وہ رقم محتال کو دی جائے گی، بشرطیکہ وہ بالکل مفلس ہوکر نہ مرا ہو۔

غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالت

روزمرّہ کی ضروریات کے علاوہ دوردراز اور غیر ملکی تجارتوں میں تبادلۂ زر اور تبادلۂ جنس دونوں میں حوالہ اور کفالت دونوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں ہنڈیوں اور طلائی زر کے تبادلہ میں جو بٹہ کاٹنے کا عام رواج ہے، اسلامی شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں ہے، بلکہ سود ہے، اگر بغیر بٹہ کاٹے ہوئے کوئی رقم یا کوئی چیز کسی دوسرے ملک میں حوالہ کی جائے تو یہ صحیح ہے، اس حوالہ میں محتال علیہ کا ہر وقت موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ بعد میں بھی اس کی اجازت منگائی جاسکتی ہے۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں قرضوں اور بقایا رقموں کی ادائیگی میں حوالہ فارن بل آف ایکسچینج (Bill of Exchange) کا نعم البدل ثابت ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ہنڈی میں کٹوتی کی شرط نہ ہو تو ہر طرح کے تجارتی قرضوں کی ادائیگی حوالہ کے ذریعہ ہوسکتی ہے، اوپر ذکر آچکا ہے کہ حوالہ میں اسے منظور کرے تو حوالہ صحیح ہوجائیگا، مثال کے طور پر جن ملکوں میں غلہ یا روئی کی پیداوار کم ہوتی ہے، اب اگر ہندوستان سے پاکستان ایک لاکھ ٹن غلہ یا روئی بھیجی جائے، تو اس کی ایک صورت تو تبادلہ اشیاء کی ہوتی ہے، مثلاً روئی کے بدلہ غلہ اور غلہ کے بدلہ روئی اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے، اس کی دوسری

صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کی قیمت یا نقد ادا کی جائے، روئی کے قیمت کی نقد ادائیگی میں سود کے ساتھ ہنڈی وغیرہ میں کٹوتی کا رواج ہے، اس کے معائب سے بچنے کے لئے اسلامی شریعت میں بہترین طریقہ ہے۔

رہن ایک اخلاقی ذمہ داری ہے

کسی شخص کو رہن رکھ کر روپے دینے پر مجبور تو نہیں کیا جاسکتا، مگر اسلامی شریعت کے ہر آسودہ حال فرد کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے موقع پر اپنے ضرورت مند بھائی کی اگر بغیر ضمانت کے مدد نہیں کرتا تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کی کوئی چیز رہن رکھ لے اور اس کی مدد کردے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

(سورہ البقرۃ، آیت نمبر ۲۸۳)

”اگر تم (قرض کا معاملہ کرتے وقت) سفر میں ہو، اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ایسی صورت میں اطمینان کا ذریعہ) رہن رکھنے والی چیزیں ہیں جو حقدار کے قبضہ میں دیجائیں، اور کوئی کسی کا اعتبار کرلے (اور رہن میں کوئی چیز طلب نہ کرے) تو قرضدار کو چاہیئے کہ وہ قرض کی امانت صاحبِ حق تک پوری پوری پہونچادے اور اپنے رب سے ڈرتا رہے“۔

اس آیت میں سفر کی حالت میں رہن کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ عموماً سفر میں ایسی ناگہانی پیش آتی ہے، ورنہ حضر میں بھی اسی طرح رہن جائز ہے، جس طرح سفر میں۔

اس آیت میں جو بات قرض دینے والے کے لئے کہی گئی ہے کہ اس کو اطمینان اگر بغیر رہن ہوجائے تو اس کو قرض دے دینا چاہیئے، مگر اس صورت میں چونکہ روپے کے

مارے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے قرض دار کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ جس طرح اس نے اعتبار کر کے روپئے دے دیا، تو تمہاری ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس روپیہ کو ایک امانت سمجھ کر جب ہو جائے تو فوراً واپس کر دو۔

خود نبی کریم ﷺ نے اور صحابہؓ نے ضرورت کے وقت رہن رکھ کر قرض لیا ہے، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ غلّہ کی ضرورت ہوئی تو آپؐ نے ایک یہودی سے تیس صاع یعنی تقریباً ڈھائی من غلّہ ادھار لیا، اور اس کے اطمینان کے لئے اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھ دی، چنانچہ جب آپؐ کی وفات ہوئی تو وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن تھی۔

توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و درعہ مرھونۃ یھودی بثلاثین صاعاً من شعیرٍ (بخاری ومسلم)

آپؐ نے فرمایا کہ ''رہن رکھ دینے سے راہن اس فائدے سے محروم نہیں کیا جا سکتا، جو اس چیز سے حاصل ہو''۔ اور اسی کے اوپر اس کے نقصان کی ذمہ داری ہے
(دار قطنی، المنتقی، ج۲ ص۳۶۱)

رہن کی شرعی تعریف

رہن کے لفظی معنٰی کسی چیز کو کسی سبب کی بنا پر روک لینے یا پابند کر دینے کے ہیں، شریعت میں اس کی تعریف یہ ہے کہ کسی کی کوئی چیز کسی مطالبہ یا قرضہ کے بدلے اس لئے روک لینا کہ وہ حق مطالبہ یا قرضہ وصول ہو جائے، مارا نہ جائے۔

رہن کی کچھ اصطلاحیں شریعت میں استعمال کی جاتی ہیں جن کا ذکر نیچے کیا جاتا ہے۔

(۱) اِرتہان: رہن لینا۔

(۲) راہن: رہن رکھنے والا یعنی مقروض یا مدیون۔

(۳) مرتہن: رہن لینے والا یعنی دائن، حقدار۔

(۴) مرہون: وہ چیز جو رہن میں رکھی جائے۔

(۵) عدل: وہ شخص جس کے یہاں وہ چیز امانت رکھ دی جائے۔

رہن کے ارکان وشرائط

(۱) رہن ایک طرح کا معاہدہ ہے، اس لئے رہن کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں راضی ہوں یعنی راہن یہ کہے کہ میں نے فلاں قرض کے بدلہ میں یہ چیز رہن رکھی، اور مرتہن اپنی رضامندی، اور قبولیت کا اظہار کرے، اس ایجاب و قبول میں لفظ رہن کا استعمال ضروری نہیں ہے۔

(۲) رہن کا دوسرا ضروری رکن قبضہ ہے، یعنی راہن نے جو چیز مرتہن کو رہن میں دے دی ہے اس پر اس کا قبضہ بھی دے، مثلاً اس نے کوئی کھیت رہن میں رکھا، مگر اس پر دوسرے کا قبضہ ہے تو یہ رہن صحیح نہ ہوگا۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں عاقل ہوں یعنی معاملات کو سمجھتے ہوں، بالغ ہونا ضروری نہیں ہے، ہوشیار بچے کوئی چیز رہن رکھ سکتے ہیں۔

(۴) جو چیز رہن میں رکھی جائے، وہ اس قابل ہو کہ بیچ کر اس سے قیمت وصول کی جا سکے یعنی وہ چیز موجود ہو اور رہن کے وقت اس پر قبضہ ہو سکے اور اس کو اسلامی شریعت قابلِ استعمال مال تسلیم کرتی ہو مثلاً اگر کسی نے رہن میں تالاب کی مچھلی یا پھل آنے سے پہلے باغ کا پھل رہن رکھا یا کسی دوسرے ملک میں کوئی مال ہے جس کے آنے میں دقت یا خرچ ہے تو ان تمام چیزوں کو رہن میں رکھنا صحیح نہ ہوگا۔

راہن کی ذمہ داریاں اور حقوق

۱۔ راہن کو چاہیئے کہ جو چیز رہن رکھی ہو، اس کو مرتہن کے حوالہ کر دے۔

۲۔ جب تک وہ مرہونہ چیز مرتہن کے قبضہ میں نہیں دیتا ہے، اس وقت تک وہ معاہدۂ رہن فسخ کرسکتا ہے۔

۳۔ مرہونہ چیز کو قبضہ میں دے دینے کے بعد بغیر مرتہن کی رضامندی کے راہن معاہدۂ رہن فسخ نہیں کرسکتا۔

۴۔ مکفول عنہ کفیل کو کوئی چیز اس کے اطمینان کے لئے بطورِ رہن دے سکتا ہے اور خود کفیل رہن کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

۵۔ اگر دو آدمیوں نے مشترک طور پر علیٰحدہ علیٰحدہ ایک آدمی کو قرض دیا ہے تو وہ دونوں مشترک طور پر اور علیٰحدہ علیٰحدہ ایک ہی چیز کو دونوں قرضوں کے بدلے رہن رکھ سکتے ہیں، اسی طرح مرتہن دو مقروضوں سے ایک ہی مشترک چیز رہن میں لے سکتا ہے۔

۶۔ راہن کو مرہونہ چیز کے تبدیل کرنے کا اختیار ہے یعنی اگر اس نے کوئی چیز رہن میں رکھی پھر اس کے بعد وہ چیز واپس لے لی اور اس کے بدلے دوسری چیز مرتہن کی رضامندی سے اس کے حوالہ کردی تو یہ جائز ہے۔

۷۔ مدّت رہن میں مرہونہ چیز میں جو کچھ اضافہ ہوگا یا منافعہ ہوگا، اصل کے ساتھ وہ منافعہ اور اضافہ بھی راہن ہوگا، مثلاً باغ میں پھل آئے، کھیت میں پیداوار ہوئی، جانور نے بچّہ دیا، مکان سے کرایہ ملا، زمین میں درخت پیدا ہوگئے، تو یہ سب چیزیں راہن کی ہوں گی، مگر یہ تمام منافعہ مرہون چیز کے ساتھ مرتہن کے پاس رہن رہے گا، جو چیزیں ان میں جلد خراب ہوجانے والی ہوں، مثلاً پھل اس کو مرتہن فروخت کرکے ان کی قیمت اپنے پاس رکھے گا، اور جو چیزیں خراب ہونے والی نہیں ہیں، وہ اسی طرح محفوظ رکھے گا، جب مرہونہ چیز واپس ہوگی، تو اس کے ساتھ یہ سب چیزیں بھی واپس ہوں گی۔

۸۔ مرہونہ چیز کا نفع چونکہ راہن کا ہوگا، اس لئے اس کے بقا اور اس کی منفعت پر جو کچھ خرچ

ہوگا، وہ راہن کے ذمّہ ہوگا، مثلاً اگر جانور رہن رکھا ہے، تو اس کے چارہ کا خرچ، اس کی چرواہی کی مزدوری یہ سب راہن کو دینا ہوگا، اسی طرح اگر کھیت ہے تو اس کی بوائی جتائی سینچائی کا خرچ راہن کو دینا ہوگا اور پیداوار کا منافعہ مرتہن کے پاس رہے گا، جب وہ روپیہ ادا کرکے مرہونہ چیز چھڑائے گا، تو یہ منافعہ بھی اس کو ملے گا، اسی طرح باغ اور مکان کے منافعہ کو بھی سمجھنا چاہیئے۔

۹۔ راہن مرتہن کی رضامندی کے بغیر مرہونہ چیز بیچ نہیں سکتا، اگر بیچ دے گا تو وہ بیع مرتہن کی رضامندی پر موقوف رہے گی، البتہ اس کی حفاظت اور نگرانی کا خرچ مرتہن برداشت کرے گا۔

۱۰۔ راہن اگر مرجائے تو رہن کا معاملہ فسخ سمجھا جائے گا، اس کے ورثہ اگر بالغ ہیں تو ان پر ضروری ہے کہ وہ اس کے ترکہ سے قرض ادا کرکے مرہونہ چیز واپس لے لیں یا مرہونہ چیز کے بیچنے کی اجازت دے دیں اور اگر ورثہ نابالغ ہیں یا بہت دور دراز مقام پر ہیں، تو جو شخص اس کے ترکہ کا ذمہ دار ہو اس کو چاہیئے کہ وہ مرتہن کو مرہونہ چیز کے بیچنے اور اس سے اپنے قرض وصول کرلینے کی اجازت دے دے، یا اس کی اجازت سے وہ خود فروخت کرکے قرض ادا کردے، اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ مرتہن مرہونہ چیز کو بیچ کر اپنا قرض وصول کرنے کی اجازت حاصل کرسکتا ہے، مگر ولی، وارث یا عدالت کی اجازت کے بغیر اس کو بیچنے کا حق نہیں ہے۔

مرتہن کی ذمہ داریاں

۱۔ مرتہن کو یہ اختیار ہے کہ وہ تنہا اپنی مرضی سے رہن کے معاملہ کو فسخ کردے۔

۲۔ مرتہن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مرہونہ چیز کو ایک امانت سمجھ کر خود اس کی حفاظت کرے، اور اس کے گھر کے تمام افراد اس پر نگاہ رکھیں۔

۳۔ اس کی دیکھ بھال میں اگر کچھ خرچ ہو تو اس کے خرچ کا تعلق اس چیز کی حفاظت سے ہے جس کی ذمہ داری مرتہن پر ہوگی، مثلاً سو کنٹل غلہ ہے اور اس کے لئے مکان کی ضرورت ہوگی تو مکان کی ذمہ داری مرتہن پر ہے، اسی طرح زیور یا سونا چاندی یا اور کوئی قیمتی چیز ہے جس کی حفاظت ونگرانی کے لئے کچھ خرچ کرنا پڑے، تو اس کو بھی مرتہن برداشت کریگا، اسی طرح رہن کے جانور کے علاج معالجہ میں جو کچھ خرچ ہوگا، اس کو بھی مرتہن ہی کو برداشت کرنا پڑے گا، لیکن اگر اس خرچ کا تعلق اس کی بقا اور منافعہ سے ہو تو وہ راہن کے ذمہ ہوگا، کیونکہ جو کچھ اس سے فائدہ ہوگا، وہ راہن ہی لے گا، اس لئے اس کو اس کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑے گا، مثلاً رہن کے جانور کے چارہ، کھیت کی سینچائی، پھل کی نگرانی میں جو کچھ خرچ ہوگا، وہ سب راہن کے ذمہ ہوگا، یعنی مرتہن یا تو اپنے پاس سے خرچ کرے اور اصل روپے کے ساتھ یہ بھی وصول کرلے یا راہن سے وہ لیتا جائے۔

۴۔ مرتہن مرہونہ چیز سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا یعنی اگر مکان ہے تو اس میں رہ نہیں سکتا اس کا کرایہ نہیں لے سکتا، کھیت کی پیداوار نہیں کھا سکتا، جانور کا دودھ نہیں پی سکتا، اگر وہ جانور سواری بار برداری کے لئے ہے، تو اس پر سوار نہیں ہوسکتا اور نہ لاد سکتا ہے اگر نقد روپیہ یا سونا چاندی ہے، تو اس سے تجارت یا کاروبار نہیں کرسکتا، البتہ کسی شدید ضرورت پر مرتہن کسی چیز کے استعمال کی اجازت راہن سے مانگے اور وہ بخوشی دے دے تو اس کو استعمال کرنے کی اجازت ہے مگر اس کو نہ تو اپنا حق سمجھے اور نہ اس طرح استعمال کرے کہ وہ خراب ہوجائے مثلاً کسی نے گھڑی رہن رکھ دی، مرتہن نے راہن سے یہ اجازت مانگی کہ مجھے چند دن لگانے کی اجازت دیجئے، اگر اس نے اجازت دے دی تو وہ استعمال کرسکتا ہے، لیکن اگر یہ شرط رہن لیتے وقت لگادی کہ ہم اس گھڑی

کو لگائیں گے تو یہ شرط مکروہ ہوگی اور اگر اس نے بغیر اجازت استعمال کی تو حرام ہے، اگر نقصان ہوگا تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

۵۔ اگر راہن اس کی بقا یا منفعت کے حصول کا خرچ نہیں دیتا ہے تو مرتہن اس پر جو کچھ خرچ کریگا وہ نفع سے محسوب کرلے گا۔

امانت اور حفاظت

دنیا میں ہر انسان کو کبھی نہ کبھی ایسا موقع ضرور پیش آجاتا ہے کہ اس کو خود اپنی چیز یا اپنے روپے پیسے یا سامان وغیرہ کی حفاظت کے لئے دوسروں سے مدد لینی پڑتی ہے، اس موقع پر ہر انسان کا اخلاقی فرض ہوتا ہے کہ جب اس سے مدد مانگی جائے تو وہ اس سے دریغ نہ کرے، بلکہ خندہ پیشانی سے اس کے روپے پیسے یا سامان کی حفاظت کی تکلیف کو گوارا کرلے، کیوں کی یہی ضرورت کبھی اس کو بھی پیش آسکتی ہے، اس کو شریعت میں امانت و ودیعت کہتے ہیں۔

امانت و ودیعت میں فرق

امانت اور ودیعت میں تھوڑا اصطلاحی فرق ہے، ودیعت میں قصد وارادہ کا پایا جانا ضروری ہے، اور امانت قصد وارادہ کے ساتھ بھی ہوتی ہے، اور بغیر قصد وارادہ کے بھی، مثلاً آپ راستہ میں کوئی چیز پڑی پائیں تو یہ چیز آپ کے ہاتھ میں امانت ہوگی، اس کو ودیعت نہیں کہیں گے، لیکن اگر کوئی چیز کوئی شخص آپ کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھ جاتا ہے تو اس کو ودیعت بھی کہہ سکتے ہیں، اور امانت بھی، غرض یہ کہ ہر ودیعت کو امانت کہہ سکتے ہیں، مگر ہر امانت کو ودیعت نہیں کہہ سکتے، امانت کے مفہوم میں چونکہ ودیعت کا مفہوم بھی شامل ہے اس لئے قرآن میں امانت و ودیعت دونوں کے لئے امانت ہی کا جامع لفظ استعمال

ہوا ہے، مگر حدیث میں دونوں لفظوں کا استعمال ایک دوسرے کے مفہوم میں ہوا ہے، کہیں امانت کو ودیعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور کہیں الگ الگ مفہوم میں، اسی بنا پر فقہاء نے بھی دونوں لفظوں کو عام طور پر علیٰحدہ علیٰحدہ مفہوم میں بھی استعمال کیا ہے اور ایک مفہوم میں بھی۔

امانت کا حکم

امانت ایک اخلاقی فریضہ اور حسن سلوک کا نام ہے، اسی لئے قانوناً کسی کو امانت رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے وہ امانت ضائع ہو جائے تو امین پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، البتہ اگر اس نے قصداً اس کو ضائع کرنے کی کوشش کی ہے یا اس نے اس کی حفاظت میں غفلت برتی ہے، تو ایسی صورت میں اس کو اس کا تاوان دینا پڑے گا، مثلاً کسی نے راستہ میں کوئی پڑی چیز پائی تو اگر وہ جانتا تھا کہ یہ فلاں کی ہے اور اس نے اس کو واپس کرنے کے خیال سے اٹھا لیا تو یہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی، اب اگر وہ اتفاقی طور پر ضائع ہوگئی تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر وہ اس چیز کے مالک سے واقف نہیں ہے تو اس کا حکم لُقطہ یعنی گری پڑی چیز کا ہے۔

لُقطہ کا حکم

لقطہ یعنی اگر کسی نے کوئی پڑی ہوئی چیز پائی تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اس چیز کو امانۃً اپنے پاس رکھے، اور برابر ایک سال تک یہ اعلان کرتا رہے کہ فلاں چیز میں نے فلاں جگہ پائی ہے، جس کی ہو وہ لے جائے، جب اس کا مالک مل جائے تو فوراً اس کے حوالے کر دے، اگر اس نے اسے ضائع کر دیا تو تاوان دینا پڑے گا، اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے قصداً ضائع نہیں کیا تو اس سے قسم لی جائے گی، اگر وہ قسم کھالے تو پھر اس پر تاوان نہیں ہے اگر اس

نے اپنے پاس رکھ لیا تو وہ غاصب شمار ہوگا، اگر وہ ضائع ہو جائے تو وہ ہر حال میں ضائع ہوگا۔

اگر ایک سال تک کوئی مالک نہ ملے تو بیت المال میں جمع کر دے، اگر اسلامی بیت المال نہ ہو تو پھر اس کو صدقہ کر دے، اپنے استعمال میں نہ لائے، البتہ اگر وہ خود مفلس ہے تو استعمال کر سکتا ہے۔

عاریت کی تعریف

شریعت میں کسی کو بغیر معاوضہ اپنی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دینا عاریت ہے اور عاریت دینے والے کو معیر اور عاریت لینے والے کو مستعیر کہتے ہیں، جو چیز عاریت میں لی جائے اس کو مستعار کہتے ہیں۔

عاریت کا حکم

۱۔ کسی نے اپنے کسی پڑوسی یا کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ مجھے دو دن کے لئے ایک پلنگ یا کرسی یا برتن یا اپنی سواری دے دیجئے اور اس نے دے دیا تو یہ چیز عاریت ہوگی۔

۲۔ عاریت کی چیز جب تک مستعیر کے یہاں رہے گی وہ امانت بے ضمانت ہوگی، یعنی اس کی حفاظت مستعیر پر اسی طرح ضروری ہے، جس طرح امانت کی ہوتی ہے، لیکن اگر وہ چیز اتفاق سے ٹوٹ گئی یا خراب ہوگئی تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

۳۔ اس پر تاوان کی ذمہ داری اس صورت میں نہ ہوگی، جب وہ چیز اتفاق سے خراب ہوگئی یا ٹوٹ گئی ہو، لیکن اگر اس نے غلط طریقہ سے استعمال کیا، غیر ذمہ دار آدمیوں کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ چیز خراب ہوگئی یا قصداً اس نے خراب کر دیا یا توڑ دیا تو تمام ائمہ کے یہاں مستعیر کو اس کا تاوان دینا پڑے گا، مثلاً کسی نے چار پائی لی اور اس پر دس بیس آدمی لد گئے اور ٹوٹ گئی، گھڑی لی اور چابی سخت ہاتھ سے یا الٹے طریقہ پر گھما دی اور اس پر

سوئی ٹوٹ گئی، کہیں جانے کیلئے سائیکل مانگی اور سیدھے اور اچھے راستے کے بجائے اس کو خراب راستہ سے لے گیا یا جتنے میل کے لئے کہا تھا اس سے زیادہ لے گیا اور اس کا ٹائر ٹیوب یا کوئی اور چیز خراب ہوگئی، موبائل لیا اور اس کو غلط طریقہ پر استعمال کیا اور خراب ہوگیا تو ان تمام صورتوں میں اس کو اس کی پوری قیمت یا نقصان کے بقدر قیمت دینی پڑے گی یا مرمت کرانی پڑے گی۔

اسی طرح چینی کی پلیٹ کہیں سے لایا اور اس نے چھوٹے بچے یا غیر ذمہ دار آدمی کے ہاتھ میں دے دی اور ٹوٹ گئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، لیکن اگر اس نے گھڑی یا شیشے کا گلاس عاریۃً منگایا اور اتفاق سے نوکر کے یا اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا یا پیر پھسل گیا اور عاریت کی چیز گر کر ٹوٹ گئی، یا کسی نے دری فرش منگایا اور اس پر رنگ گر گیا اور پیک پڑ گئی تو ان تمام صورتوں میں اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن اگر اس کی فرش یا دری جل گئی تو اس کو تاوان دینا پڑے گا، غرض یہ کہ غلط استعمال سے یا قصد و ارادہ سے جو چیز خراب کی جائے گی اس کا تاوان لیا جائے گا۔

۴۔ جتنے دن کے لئے عاریت لی ہے، اس کے بعد فوراً واپس کر دینی چاہیئے، اگر اس نے واپس کرنے میں دیر کی اور وہ چیز غائب ہوگئی یا ٹوٹ پھوٹ گئی تو نقصان کی قیمت اس کو دینی پڑے گی۔

۵۔ جو چیز مانگ کر لائی گئی ہے، اسکو اپنے ہی استعمال میں لانا چاہیئے، دوسرے کو نہ دینا چاہیئے، البتہ اگر مالک نے دوسرے کو دینے کی اجازت دے دی ہے یا اس سے ایسے تعلقات ہیں کہ اگر دے دی جائے گی تو اس کو برا نہ معلوم ہوگا تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر اس نے منع کر دیا ہو کہ یہ چیز کسی دوسرے کو نہ دی جائے تو پھر دینا گناہ بھی ہے، اگر اس چیز کا نقصان ہوگا تو اس کا معاوضہ بھی مستعیر کو دینا پڑے گا۔

۶۔ اگر معیر یعنی منگنی دینے والے نے وقت، جگہ یا طریقۂ استعمال کی کوئی قید نہ لگائی ہو تو مستعیر یعنی عاریت لینے والے کو اختیار ہے کہ وہ جس وقت تک چاہے اور جس طرح چاہے استعمال کرے، اس صورت میں اگر کوئی نقصان ہوگا تو مستعیر پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر عام طور پر جس طرح وہ چیز استعمال کی جاتی ہے، اس کے خلاف استعمال کرے گا، تو اجازت کے باوجود تاوان دینا پڑے گا مثلاً۔

کسی نے کسی سے سائیکل یا موٹر منگنی مانگی، اس کو مجمع میں بے تحاشہ یا اس رفتار سے زیادہ تیز چلانا شروع کر دیا جو عام طور پر اس کی مقرر ہے اور وہ ٹکرا گئی تو اس کے نقصان کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی۔

اسی طرح اس سے ٹکرا کر جس دوسری چیز کا نقصان ہوگا، اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی، مثلاً کسی کو چوٹ لگ گئی یا کسی کا کوئی مالی نقصان ہوگیا تو اس کا تاوان اسی کو دینا پڑے گا، اسی طرح کسی سے پلنگ کی چادر مانگی اور اس کا دسترخوان بنادیا اور اس پر شوربے یا کسی چیز کا ایسا دھبہ لگ گیا، جس سے اس کی قیمت گھٹ گئی تو اس کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی، غرض یہ کہ جو چیز عام طور پر جس طریقہ سے یا جس کام کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اس کو اس کے خلاف استعمال کرے گا تو تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ اسی طرح اگر آپ نے کوئی چیز اپنے استعمال کے لئے منگائی اور معیر نے دوسرے کو دینے یا برتنے سے منع نہیں کیا یا آپ سے کسی دوسرے نے کوئی چیز مانگی اور آپ نے دوسرے کے برتنے اور استعمال کرنے سے صراحۃً منع نہیں کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر رعایت کی چیز ایسی ہے کہ دوسروں کے استعمال سے اس میں کوئی خاص فرق نہیں آتا، مثلاً مکان، برتن، گلاس چمچے، تخت وغیرہ تو اس کو دوسرے کو دے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس صورت میں اس پر تاوان کی ذمہ داری نہیں ہوگی، لیکن اگر وہ ایسی چیز ہو کہ دوسرے

کے استعمال سے اس میں فرق آجاتا ہو تو پھر دینا جائز نہیں ہے، مثلاً گھڑی، پن، موٹر سائیکل یا کوئی اور سواری، کپڑا، جوتہ، چھتری وغیرہ۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ کئی ہاتھوں میں جانے سے خراب ہو جاتی ہیں، اس لئے ایسی تمام چیزوں کو دوسرے کو نہ دینا چاہیئے بلکہ خود ہی استعمال کرنا چاہیئے، اگر دے گا اور خراب ہوگی یا غائب ہوگی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۸۔ اگر معیر کی ہدایت کے خلاف مستعیر اس کو استعمال کرے گا تو اس پر تاوان ہوگا۔

۹۔ اگر کسی نے عورت سے کوئی ایسی چیز مستعار مانگی جو اس کے شوہر کی ہے اور عورت نے شوہر سے پوچھے بغیر دے دیا تو اگر وہ ایسی چیز ہے جو گھر کے اندر ہی رہتی ہے اور عموماً عورت ہی کے قبضہ میں رہتی ہے، مثلاً جنس، نمک، زیور، تیل گھی، شکر، برتن وغیرہ تو ان چیزوں کو بھی عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے دینا تو نہیں چاہیئے، لیکن اگر اس نے دے دیا اور وہ چیز ضائع ہوگئی تو پھر عورت پر یا مستعیر پر کوئی تاوان عائد نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر یہ چیز ایسی ہے جو گھر کے باہر رہتی ہے اور عموماً عورتوں سے ان کا تعلق نہیں ہوتا، مثلاً جانور، مردانے مکان کا فرنیچر، سواری وغیرہ، تو ان چیزوں کے ضائع ہونے کی صورت میں شوہر یعنی مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے عورت سے تاوان لے یا مستعیر سے۔

ہبہ، ہدیہ اور عاریت میں فرق

عاریت میں جو چیز یا روپیہ پیسہ کسی کو دیا جاتا ہے، اس میں واپسی کی شرط ہوتی ہے، یعنی مستعیر اتنی مدت کے لئے اس چیز کا مالک نہیں، بلکہ امین ہو جاتا ہے، مگر بطورِ ہبہ یا بطورِ ہدیہ وصدقہ جو چیز یا جو رقم کسی کو دی جاتی ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، اب ہبہ کرنے والے یا ہدیہ کرنے والے یا صدقہ کرنے والے کو اس کے واپس لینے کا اختیار نہیں ہوتا، اگر وہ واپس کر لینا چاہتا ہے تو بعض صورتوں میں قانوناً دوبارہ وہ چیز اس کو مل جائے گی، مگر ایسا

کرنا اخلاقی اعتبار سے بڑا گناہ ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہبہ، ہدیہ یا صدقہ دے کر واپس لے لیتا ہے، اس کی مثال اس کتے کی ہے جو پیٹ بھر کھانے کے بعد قے کر دیتا ہے اور پھر اسی قے کو نگل لیتا ہے۔

(یہ روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں آئی ہے، کسی روایت میں ہبہ کا لفظ ہے، کسی میں صدقہ کا، اور کسی میں عطیہ وہدیہ کا۔ ان سب الفاظ کو جمع کر کے اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔)

اس لئے آدمی کو دینے سے پہلے دینے یا نہ دینے کے بارے میں خود سوچ سمجھ لینا چاہیئے تاکہ بعد میں اس کو نہ تو ندامت ہو اور نہ واپسی کی ضرورت محسوس کرے، اگر واقعی کسی دی ہوئی چیز کی واپسی کی ضرورت ہی پیش آجائے تو حدیث شریف میں اس کی اجازت ہے کہ وہ واپس لے لے، اس تمہید کے بعد اس کی قانونی تفصیل لکھی جاتی ہے۔

ہدیہ کی تعریف

ہدیہ اس چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کسی کی عزت افزائی اور محبت کے جذبہ سے اس کے پاس بھیجتا ہے۔

صدقہ کی تعریف

صدقہ وخیرات اس مال یا چیز کو کہتے ہیں، جو کسی کو محض ثواب کی خاطر دیا جائے۔

ہبہ کی تعریف

ہبہ کے لفظی معنٰی دینے کے ہیں اور اسلامی شریعت میں بغیر کسی معاوضہ کے اپنی کسی چیز یا کسی مال کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کا نام ہبہ ہے

نوٹ: صدقہ کی تعریف میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ محض ثواب کی خاطر دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہبہ اور ہدیہ میں ثواب نہیں ملتا، اگر کوئی شخص ہدیہ وہبہ بھی ثواب کی نیت سے کرے تو اس کو بھی ثواب ملے گا، یہاں یہ بات صرف اس لئے کہی گئی ہے کہ صدقہ

دیتے وقت محض یہی جذبہ ہوتا ہے یا یہی جذبہ ہونا چاہیئے، اس نیت کے بغیر وہ صدقہ نہیں کہا جائے گا، ورنہ حقیقتاً صدقہ اور ہدیہ تو خود ہی ہبہ کی دو قسمیں ہیں، البتہ صدقہ کی واپسی کسی حال میں جائز نہیں، اس لئے کہ اس کا عوض اسے مل چکا ہے اس لئے وہ چیز اس کی ملکیت سے نکل گئی۔ (شرح وقایہ ج۳،ص۲۸۹)

ہبہ کی اصطلاحات

ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کو موہوب کہتے ہیں۔

ہبہ کے ارکان وشرائط

۱۔ ہبہ کے لئے ایجاب وقبول اور قبضہ کا ہونا ضروری ہے، ایجاب سے مراد یہ ہے کہ واہب اپنی رضامندی سے کوئی چیز دے اور موہوب لہ خوشی سے اسے قبول کر کے اس پر قبضہ کر لے تو ہبہ ہوگیا قبضہ کی شرط اس حدیث نبویؐ کی بنا پر لگائی گئی ہے جس میں ہے **لا تجوز الهبة الا مقبوضة** ۔ (مصنف عبدالرزاق)

اب وہ چیز واہب یعنی دینے والے کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) ایجاب (۲) قبول (۳) قبول کرنے والے کا قبضہ۔

۲۔ ایجاب وقبول میں ہبہ کا لفظ صراحتہً کہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جس طرزِ عمل سے بھی ملکیت ہو جاتی ہو وہ ایجاب وقبول شمار کیا جائے گا، مثلاً کسی نے کہا کہ میں اپنی یہ کتاب آپ کو ہدیہ دے رہا ہوں اور آپ نے شکریہ ادا کر کے لے لیا تو یہ چیز ہبہ ہوگئی یا آپ نے کچھ نہیں کہا اور لے لیا تو بھی وہ چیز آپ کی ملکیت میں آگئی، یا آپ نے کوئی چیز کسی اپنے دوست سے مانگی اور اس نے بخوشی دے دی تو یہ چیز ہبہ ہوگئی، مگر حتی الامکان کسی

سے کوئی چیز بطور ہبہ یا ہدیہ مانگنی نہ چاہیئے، عاریۃً مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ اسی طرح کسی نے کپڑا خریدا یا زیور بنوایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کپڑے میں سے اپنے لئے ایک جوڑا بنوالو، یا یہ زیور پہن ڈالو تو یہ ہبہ ہوگیا، اب یہ چیز عورت کی ملک ہو گئی، اب کسی ناراضگی کے وقت اس کو واپس لینا گناہ ہے۔

۴۔ واہب کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، اگر کوئی نابالغ بچہ کوئی چیز ہبہ کردے تو اس کے والدین یا اس کے مربی واپس لے سکتے ہیں۔

۵۔ ہبہ میں واہب کی رضامندی ضروری ہے، اگر اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز زبردستی ہبہ کرائی گئی یا کسی سے زبردستی یا اصرار کر کے ہدیہ لیا گیا تو یہ صحیح نہیں ہے، ایسا کرنا گناہ ہے۔

۶۔ واہب نے جب ہبہ کی ہوئی چیز کو واضح الفاظ میں ہبہ کیا ہے، مثلاً یہ کہا کہ یہ گھڑی میں آپ کو دیتا ہوں، آپ اسے لیجئے تو پھر موہوب لہ نے اسی وقت لے لیا یا بعد میں، دونوں جائز ہیں، لیکن اگر اس نے مبہم الفاظ میں کہا کہ میں یہ گھڑی آپ کو دوں گا یا دینا چاہتا ہوں، مگر یہ نہیں کہا کہ آپ لے لیجئے تو اس صورت میں اگر موہوب لہ اسی وقت اپنے قبضہ میں لے لے تو گھڑی اس کی ہوگئی، لیکن اگر اس نے اس وقت نہ لیا بلکہ دوسرے وقت اپنے قبضہ میں لے لیا تو یہ درست نہیں ہے، دوبارہ واہب سے اجازت لینی چاہیئے۔

۷۔ خریدار کو یہ حق ہے کہ اپنے مال پر قبضہ سے پہلے اس کو ہبہ کردے۔

۸۔ ہبہ یا ہدیہ کی ہوئی چیز کو قبضہ میں دے دینا ضروری ہے، اگر کوئی چیز دوسرے کے قبضہ میں ہے تو واہب کو چاہیئے کہ اسے قبضہ سے نکال کر موہوب لہ کے حوالہ کردے۔

۹۔ جو مال کسی کے قبضہ میں ہو اسی کو یہ ہبہ کردیا گیا، تو ہبہ ہوگیا، واہب کو اب اس کی

ضرورت نہیں ہے کہ وہ دوبارہ اس پر قبضہ بھی دلا دے۔

۱۰۔ اگر کسی نے اپنا قرض یا مطالبہ ہبہ کر دیا، اور مقروض یا مدیون نے اسے قبول کر لیا تو اب مدیون و مقروض کے سر سے قرض اتر گیا اب واہب قرض کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ اگر موہوب یعنی جو چیز ہبہ کی گئی ہے، اس پر قبضہ سے پہلے واہب یا موہوب لہ مر جائے تو ہبہ باطل ہو گیا، کیونکہ ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، یعنی واہب کی ملکیت سے وہ چیز موہوب لہ کے قبضہ کے بغیر نہیں نکلتی اور قبضہ سے پہلے ہی جب وہ مر گیا تو اب اس کے مالک اس کے وارث ہو گئے، اس کا حق موت سے جاتا رہا، اب ورثہ کو اختیار ہے کہ وہ دیں یا نہ دیں، اسی طرح ہبہ چونکہ قبضہ سے مکمل ہوتا ہے، اور قبضہ سے پہلے جب موہوب لہ مر گیا تو اب اس پر قبضہ کون کرے گا۔ (المجلہ ص ۱۳۵)

۱۲۔ نابالغ بچے خود ہبہ تو نہیں کر سکتے مگر خود ان کو ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

اجارہ کے معنٰی اور اس کی تعریف

اجارہ مصدر سماعی ہے اور یہ ضَرَبَ یَضْرِبُ اور نَصَرَ یَنْصُرُ دونوں سے آتا ہے، اور باب اِفعال اور مفاعلۃ سے بھی آتا ہے، ان سب کے لغوی معنی جزاء اور بدلہ اور ٹھکانا دینے اور اجرت دینے وغیرہ کے آتے ہیں، بعض محققین حضرات اسے باب اِفعال اور ضَرَبَ یَضْرِبُ سے مصدر قیاسی قرار دیتے ہیں، اور زیادہ صحیح یہی ہے، اس کی اصطلاحی تعریف ہے، ہدایہ میں اس طرح ہے۔

"الاجارة عقد یرد علی المنافع بعوض" (ہدایہ ج ۳ ص)

اجارہ وہ عقد (معاہدہ) ہے جو کسی عوض کے بدلہ منفعت پر کیا جاتا ہے، المجلۃ کے مرتبین نے ذرا اور زیادہ واضح تعریف کی ہے:

"کسی معلوم منفعت کے مقابلہ میں کسی متعین عوض کا معاملہ (بیع) کرنے کو اجارہ کہتے ہیں"۔

"بیع منفعت" کے لفظ سے بیع و شراء سے یہ علیٰحدہ ہو گیا اس لیے کہ اس میں دونوں طرف عوض اور مال ہوتا ہے، اور ہبہ، ہدیہ اور عاریت وغیرہ سے بھی یہ علیٰحدہ ہے، اس لیے کہ ہبہ وغیرہ میں منفعت کا معاہدہ نہیں بلکہ اعیان یعنی اشیاء کا معاہدہ ہوتا ہے۔

کرایا پر لینا یا دینا

اپنی کسی چیز کو کرایہ پر دینا یا کسی دوسرے کی چیز کو کرایہ پر لینا جائز ہے اس کے بارے میں چند ضروری مسائل لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ کرایہ کا معاملہ آمنے سامنے بھی طے ہو سکتا ہے اور خط و کتابت سے بھی، اگر کوئی گونگا ہے تو اشارہ سے بھی معاملہ طے ہو سکتا ہے، اسی طرح تعاطی یعنی بات چیت کے بغیر طرز عمل سے بھی معاملہ طے ہو سکتا ہے، مثلاً آپ بس یا ٹیکسی پر بیٹھ گئے، اور بس اور ٹیکسی والے نے کوئی اعتراض نہیں کیا، جو کرایہ مقرر تھا آپ نے اسے دے دیا اور کوئی بات نہیں ہوئی، اسی کو تعاطی کہتے ہیں۔ (المجلہ ص ۶۴ دفعہ ۴۳۶)

۲۔ کرایہ پر دینے والے اور لینے والے دونوں کا عاقل ہونا ضروری ہے، یعنی وہ برے بھلے اور نقصان فائدہ کی تمیز کر سکتا ہو، بالغ ہونا ضروری نہیں ہے۔

بیع و شراء کی طرح اس میں ماضی کے صیغہ سے معاملہ طے ہونا چاہیئے، مستقبل کے صیغہ سے جائز نہیں۔

۳۔ اگر کوئی چیز کرایہ پر لی جائے تو دو باتیں طے ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ اس کا کرایہ کتنا ہوگا؟ دوسرے یہ کہ وہ کتنے دنوں کے لئے یا کس کام کے لیے کرایہ پر لے رہا ہے، مثلاً۔

اگر کوئی مکان کرایہ پر لیا سواری، برتن یا کپڑا کرایہ پر لیا تو اس کا کرایہ بھی طے ہونا چاہے اور مدت بھی، یعنی ایک سال، دو سال، یا ایک ماہ دو ماہ یا ایک دن دو دن کے لیے لے رہا ہے، یا گھنٹے دو گھنٹے کے لیے سواری میں کرایہ اور مدت کے ساتھ یہ بھی طے ہونا چاہیئے کہ وہ سواری کس کام کے لئے اور کتنی مسافت کے لیے لے رہا ہے، مثلاً

کسی نے موٹر سائیکل یا رکشہ کرایہ پر لیا تو یہ بتا دینا چاہیئے کہ سوار ہونے کے لیے لے رہا ہے یا سامان ڈھونے کے لئے، اور وہ اسے کہاں تک یا کتنے میل لے جائے گا، تا کہ بعد میں دونوں میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

۴۔ اگر کسی نے مکان کرایہ پر لیا اور کرایہ اور مدت نہیں طے کی یا یہ کہا کہ میں اس کی مرمت کرا دیا کروں گا یا سفیدی کرا دیا کروں گا تو یہ معاملہ عاریت کا ہوا، کرایہ کا نہیں، اس لیے عاریت کے جو شرائط ہیں، اس کے مطابق معاملہ کرنا چاہیئے۔

۵۔ اگر سو روپیہ مہینے کے حساب سے کرایہ طے ہوا تو یہ معاملہ صرف ایک مہینہ کے لیے سمجھا جائیگا دوسرے مہینہ میں دونوں کو پھر سے معاملہ کرنا چاہیئے، اگر مالک مکان چاہے تو ایک ماہ کے بعد کرایہ دار سے مکان خالی کرا سکتا ہے، البتہ اگر مالک مکان نے دوسرے مہینہ کی پہلی تاریخ کو کوئی اعتراض نہ کیا تو پھر وہ دوسرے مہینہ میں اسی کرایہ پر رہ سکتا ہے۔

گویا اس صورت میں ہر ماہ مالک مکان کرایہ بڑھا بھی سکتا ہے اور اپنا مکان خالی بھی کرا سکتا ہے لیکن اگر کرایہ دار نے سال دو سال یا دس بیس سال کے لیے مکان یا زمین مدت مقرر کر کے کرایہ پر لیا تو پھر اس مدت تک مالک کو نہ تو کرایہ بڑھانے کا حق ہے اور نہ اس کو نکالنے کا۔

۶۔ مکان یا دوکان کرایہ پر لے لیا مگر اس نے اسے استعمال نہیں کیا تو جتنے دن اس کو اپنے قبضہ میں رکھے گا اتنے دن کا کرایہ دینا پڑے گا۔

۷۔ اگر سواری کرایہ پر لی تو اس پر اتنے ہی آدمی سوار ہو سکتے ہیں جتنے آدمی کے سوار ہونے کے لیے وہ بنائی گئی ہے، یا اس میں عام طور پر جتنے آدمی سوار ہوتے ہیں، مثلاً آپ نے رکشا کرایہ پر کیا تو اس پر صرف دو ہی آدمی کو بیٹھنا چاہیئے، یا ریل کے ڈبہ میں جتنے آدمیوں کی جگہ ہو اتنے کو بیٹھنا چاہیئے، اسی طرح موٹر، بس یا سائیکل وغیرہ کا حکم ہے، اگر خود مالک زیادہ آدمیوں کو بٹھا لے تو اس کو یہ حق ہے، مگر سیٹ سے زیادہ اگر وہ سواری بٹھائے گا تو دوسری سواریوں کو اعتراض اور کرایہ میں کمی کرنے کا حق ہوگا، اور حکومت بھی اس میں مداخلت کر سکتی ہے۔

۸۔ مشترک مکان و دکان یا کوئی مشترک چیز کرایہ پر نہیں دی جا سکتی۔

۹۔ مکان کی آرائش و زیبائش کے لیے کوئی چیز کرایہ پر لینا ناجائز ہے، البتہ اگر کسی کام کے لیے لائی گئی ہو اور ضمناً اس سے آرائش و زیبائش بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(عالمگیری ج۵ص۲۷۷)

۱۰۔ کتاب یا قرآن پاک کرایہ پر دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ تو اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ یہ عام افادہ کی چیز ہے، اس کو مفت دینا چاہیے، البتہ حفاظت کے خیال سے اس کی ضمانت لی جا سکتی ہے، ضمانت خواہ مالی ہو یا جانی، یعنی کوئی کفیل اور ضامن بن جائے مگر امام مالک، امام شافعی، امام احمدؒ کتابوں کو کرایہ پر دینے لینے کی اجازت دیتے ہیں، موقع و محل اور ضرورت کے لحاظ سے ان دونوں روایتوں میں سے کسی ایک پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ **(عالمگیری ج۵ص۲۷۴)**

۱۱۔ گائے بھینس یا بکری کو دودھ کھانے کے لیے کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، بلکہ عاریتہً دینا مناسب ہے، اسی طرح درخت کو کرایہ پر دینا کہ وہ پھل کھایا کرے گا یا ادھیا پر جانور کو دینا کہ جو بچے پیدا ہوں گے اس میں دونوں نصف نصف لیں گے یا مرغی کو دینا

کہ جو انڈے ہوں گے وہ دونوں کے آدھے آدھے ہوں گے، یہ سب ناجائز ہے، ان چیزوں کو اجرت پر دینا چاہیئے یعنی بکری یا گائے دی اور اس کی چرواہی طے کرلی کہ سال میں ہم تم کو اتنا روپیہ یا ایک جوڑا کپڑا دیں گے تم ان کو چرایا کرو، دیہاتوں میں دونوں صورتیں رائج ہیں مگر شریعت میں پہلی صورت ناجائز ہے اور دوسری جائز ہے، پہلی صورت ناجائز اس لیے ہے کہ جو چیز ابھی وجود میں نہ آئی ہو اس کی خرید فروخت اور کرایہ پر دینا ناجائز ہے، اس لیے کہ اس میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔

(بہشتی زیور ج۵ ص۵۰)

کرایہ کا معاملہ کب ختم ہوسکتا ہے

۱۔ جب کوئی چیز کرایہ پر لی یا دی جاتی ہے تو کرایہ پر لینے والے اور دینے والے دونوں آپس میں گویا کرایہ کا معاملہ کرتے ہیں، اگر صحیح طریقہ پر معاملہ طے ہوگیا ہے تو اب ان میں سے کسی کو بغیر کسی عذر یا مجبوری کے اس معاہدہ کو توڑنا جائز نہیں، مثلاً کرایہ پر دینے کے بعد مالک کو اس کا کرایہ زیادہ ملنے لگے تو کرایہ دار کو پریشان کر کے معاہدہ ختم کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے، اسی طرح کرایہ دار کو بھی بغیر کسی عذر کے معاملہ کو ختم نہ کرنا چاہیے۔

۲۔ کہیں جانے کے لیے رکشہ موٹر یا اور کوئی سواری منگائی پھر ارادہ بدل گیا تو رکشے اور موٹر کو واپس کر سکتے ہیں، لیکن اگر رکشہ والے کا وقت زیادہ ضائع ہوا ہے، یا موٹر کئی میل سے چل کر آئی ہے تو رکشہ والے کو اتنے وقت کی مزدوری اور موٹر والے کو پٹرول کی قیمت اور اتنے وقت کی اجرت دینی چاہیئے۔

۳۔ کرایہ دار یا مالک میں سے کوئی مرجائے تو اب پچھلے کرایہ کا معاملہ ختم ہوگیا (بشرطیکہ یہ معاملہ انھوں نے اپنے لیے کیا ہو) اگر کسی دوسرے کے لیے معاملہ کیا ہے تو ان کی موت سے دوسرے کا معاملہ ختم نہیں ہوگا (صاحب ہدایہ نے اسی لیے عقد الاجارۃ لنفسہ

کی قید لگا دی ہے) اب اس کے ورثہ کو نئے سرے سے معاملہ کرنا چاہیئے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد کے یہاں کسی کی موت سے اجارہ ختم نہیں ہوتا، ان کے ورثا اسے پورا کریں گے۔

اس شرط پر کرایہ کا ایڈوانس دینا یا لینا جائز نہیں ہے کہ اگر میں کرایہ پر نہ لوں گا یا سواری سے نہ جاؤں گا تو پھر ایڈوانس کی رقم مالک مکان یا سواری والے کی ہوجائے گی، یہ مالک کی زیادتی ہے، ریل کا ٹکٹ لینے کے بعد اگر اس کو واپس کیا جائے تو اس میں کچھ رقم کاٹ لی جاتی ہے، اسلامی حکومت میں ایسا نہ کیا جائے گا، اس کی واپسی میں گورنمنٹ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ (عالمگیری ج۴ ص۴۵۴)

پگڑی کا حکم

آج کل عام طور پر مکان یا دوکان کو کرایہ پر لینے یا ان کو خالی کرانے کے لیے مالک کرایہ دار سے کچھ رقم لے کر جسے پگڑی کہا جاتا ہے اپنا مکان یا دوکان اسے کرایہ پر دیتا ہے، اسی طرح جب اسے خالی کرانا ہوتا ہے تو مالک کرایہ دار کو کچھ پگڑی کی رقم دے کر اسے خالی کراتا ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ کرایہ دار مالک کی مرضی کے بغیر دوسرے کسی کرایہ دار سے پگڑی کی رقم لے کر مکان خالی کر کے اس کے حوالہ کر دیتا ہے اور یہ رقم نہ تو کرایہ میں محسوب ہوتی ہے اور نہ بعد میں ادا کی جاتی ہے یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں، اور پگڑی کی رقم لینے والے کے لیے حرام ہے، اور دینے والا رشوت دینے کا مرتکب ہوا اس طرح کا معاملہ کرنا صریح ظلم اور معصیت کا معاملہ ہے قرآن پاک میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے۔

"لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْن" (سورۃ بقرہ) نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اس کی تشریح نبی کریم ﷺ نے یہ فرمائی ہے:

"لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَا رَ" نہ تو نقصان اٹھایا جائے اور نہ نقصان پہونچایا جائے۔

دوسری حدیث میں ہے

ملعو ن من ضا ر مو مناً او مکر بہ ۔ وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو نقصان پہونچائے یا اس کے ساتھ دھوکہ وفریب کرے۔ (مشکوۃ ص ۴۲۸)

ان ہی آیات قرآنی اور احادیث نبوی ؐ کی روشنی میں فقہاء نے یہ اصول بنا دیا ہے:

لا یجو ز لر جل من اهل الا سلا م قبض ما ل احد بلا و جه شر عی

کسی مسلمان کا لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کا مال بغیر کسی شرعی سبب کے لے لے

(فتاوٰی عالمگیری ج ۴ ص ۴۵۴)

پگڑی کی رقم دو سبب سے ناجائز ہے، ایک تو غیر شرعی طریقہ پر کسی کا مال لے لینا، دوسرے اس پر رشوت کی تعریف بھی صادق آتی ہے اور رشوت کا حکم اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

مکان خالی کروانا

اگر مالک کرایہ دار سے کہتا ہے کہ مکان خالی کر دیجئے تو کچھ مہلت لے کر اسے خالی کر دینا چاہیئے، البتہ اگر کرایہ دار کو دوسرا مکان نہیں مل رہا ہے، یا بہت مہنگا مل رہا ہے اور فوراً خالی کر دینے کی صورت میں اس کے لیے اور اس کے بچوں کے لیے کوئی دوسرا ٹھکانا نہیں ہے تو اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ مالک مکان اسے دوسرا انتظام کرنے تک مہلت دے، اللہ تعالیٰ تقاضے میں مہلت دینے والے کو پسند کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف کو دور کر دے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

البتہ اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ مالک مکان کے پاس دو مکان تھے، ایک میں وہ خود رہتا تھا اور ایک کرایہ پر دے رکھا تھا اتفاق سے ایک مکان گر گیا، اب اس مجبوری

سے مکان خالی کرانا چاہتا ہے تو کرایہ دار کو کسی طرح مکان خالی کر دینا چاہیئے، یا اس کو کاروبار کے لیے دوکان کی ضرورت ہے اور کوئی دوسری دوکان کرایہ پر لینا اس کی قوت سے باہر ہے تو اس صورت میں کرایہ دار کو دوکان خالی کر دینا چاہیئے۔

کرایہ داری کے بعض مسائل

۱۔ مکان، دوکان یا جو چیز بھی کرایہ پر لی ہے اس کی مدت ختم ہونے کے بعد کرایہ دار کو مکان یا دوکان فوراً واپس کر دینا چاہیئے، اگر کرایہ دار کہے کہ میں فلاں وقت مکان یا دوکان خالی کر دوں گا تو مالک کو خود جا کر اس مکان یا چیز کو قبضہ میں لے لینا چاہیئے، کرایہ دار پر اس کے واپسی کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آکر اسکے حوالہ کرے۔

۲۔ کرایہ کے چیز کی واپسی میں جو کچھ خرچ ہوگا، وہ مالک کو دینا پڑے گا، کرایہ پر لینے والے کو نہیں مثلاً کسی نے برتن کرایہ پر منگایا تو اس کی واپسی کا جو خرچ ہوگا وہ مالک کو دینا پڑے گا، البتہ لے جانے کا خرچ لینے والے پر ہوگا۔

۳۔ اگر کسی نے کوئی مکان یا دوکان کرایہ پر لیا اور یہ نہیں بتایا کہ اس میں کون رہے گا تو یہ جائز ہے کہ دوسرے کو بھی اس میں رکھ لے۔ البتہ اگر وہ شرط کر دے کہ آپ ہی رہ سکتے ہیں یا آپ ہی کاروبار کر سکتے ہیں تو پھر دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں۔

۴۔ جو مکان یا دوکان کرایہ پر دینا طے ہوگئی ہو اس کو فوراً خالی کر کے کرایہ دار کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔

۵۔ مکان یا دوکان کو کرایہ پر لیا مگر یہ نہیں بتایا کہ اس میں کون رہے گا یا وہ کسی چیز کی دکان کرے گا تو مکان میں چاہے خود رہے یا دوسرے کو اس میں رکھے یا اس میں سامان رکھے یا کوئی دوکان کرے اس کو اختیار ہے، اسی طرح دوکان میں جس چیز کی چاہے دوکان کرے، مگر مکان یا دوکان میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جائے گا جو مکان کو خراب کر دینے یا

اس کو کمزور کر دینے کا سبب ہو اس کے لئے مالک سے دوبارہ اجازت لینی ضروری ہے، مثلاً اس نے دوکان میں بھٹی لگادی یا مکان میں آٹا پیسنے کی چکی نصب کردی تو اس کو اجازت لے لینی چاہیے، کیونکہ دونوں کاموں سے مکان اور دوکان کے خراب اور کمزور ہونے کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح اگر کرایہ کے مکان میں جانور رکھنے کی ضرورت ہو تو اس بارے میں وہاں کا عام رواج دیکھا جائے گا، اگر عام طور پر جانور مکانوں میں رکھے جاتے ہوں جیسا کہ دیہاتوں میں ہوتا ہے تو رکھنا جائز ہوگا اور اگر عام طور پر نہ رکھے جاتے ہوں، مثلاً شہروں میں تو شہر کے مکانات میں اس کے رکھنے سے مالک مکان روک سکتا ہے، یوں اجازت دے دے تو پھر ہر جگہ رکھ جاسکتے ہیں۔

۶۔ کرایہ کے مکان کی درستگی اور مرمت، راستہ کی آسانی اور جو باتیں کرایہ دار کے لیے تکلیف دہ ہوں ان سب کو دور کرنا مالک مکان پر ضروری ہے، ان سب چیزوں پر جو خرچ ہوگا وہ مالک کو ادا کرنا ہوگا، لیکن اگر وہ خرچ نہ کرے اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اگر کرایہ دار نے مکان لیتے وقت اس کو اسی برے حال میں پایا تھا اور پھر بھی رہنے پر راضی ہوگیا تو اب وہ مالک کو مرمت پر مجبور نہیں کرسکتا۔

دوسرے یہ کہ لیتے وقت وہ اچھے حال میں تھا اب خراب ہوگیا، یا کرایہ پر دیتے وقت خراب حال میں تھا اور مالک نے کہا تھا کہ میں بنوا دوں گا تو دونوں صورتوں میں ما لک کو کرایہ دار کی سہولت کا خیال کرنا پڑے گا، یعنی اس کو اس کی مرمت کرانی چاہیئے، اگر نہ کرائے گا تو کرایہ دار کو قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق ہوگا۔

۷۔ اگر کرایہ دار اپنی طرف سے اپنی آسانی کے لیے کوئی چیز بنوالے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مالک نے اس کو اس کی اجازت دی ہے یا اجازت نہیں دی ہے، اگر

اجازت نہیں دی ہے تو تمام اخراجات کرایہ دار کو برداشت کرنے پڑیں گے، ورنہ یہ اس کا تبرع سمجھا جائے گا، مالک سے وہ نہیں مانگ سکتا اور اگر اجازت سے اس نے خرچ کیا ہے تو پھر وہ تمام خرچ مالک سے لے سکتا ہے۔

۸۔ اگر کرایہ دار کی زمین میں اپنی مرضی سے کوئی درخت لگالے یا کوئی اور چیز اپنے خرچ سے بنالے تو مکان چھوڑتے وقت مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو درخت کٹوا دے اور بنی ہوئی چیز کو ڈھادے یا پھر قیمت دے کر خرید لے مگر کرایہ دار مالک کو اس کی قیمت دینے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

۹۔ مکان کی روزمرہ صفائی یعنی جھاڑو اور کوڑا کرکٹ وغیرہ پھینکنے کی ذمہ داری کرایہ دار پر ہے، اسی طرح گردوغبار اور جالے وغیرہ کی صفائی بھی کرایہ دار پر ہے۔

۱۰۔ اگر کرایہ دار نے مکان خراب کردیا ہے یا بہت زیادہ گندہ کردیا ہے تو مالک کو علیٰحدہ کرنے کا اختیار ہے، اگر وہ خالی نہیں کرتا ہے تو قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ خالی کراسکتا ہے۔

۱۱۔ اگر کوئی کپڑا، برتن یا فرنیچر کرایہ پر لے آیا، مگر گھر پر لاکر اس نے استعمال نہیں کیا تو بھی کرایہ دینا پڑے گا، لیکن اگر ابھی صرف معاملہ ہوا تھا اور وہ چیز ابھی دوکاندار ہی کے پاس تھی اور اس کو ضرورت نہیں رہی تو کرایہ نہ دینا پڑے گا، مگر دوکاندار کو فوراً اطلاع دے دینا چاہیئے۔

۱۲۔ اگر اس نے خاص اپنے استعمال کے لیے کوئی چیز کرایہ پر لی ہے تو دوسرے کو کرایہ پر یا منگنی پر نہ دینا چاہیئے۔

۱۳۔ اگر سواری اس شرط پر لی ہے کہ فلاں مقام تک وہ پہونچا دے گا تو راستہ میں اگر سواری خراب ہوجائے یا بگڑ جائے تو مالک پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو اس مقام پر

پہونچائے جہاں کا اس نے وعدہ کرلیا ہے، اگر سوار ہونے والوں کو دیر ہورہی ہو، اور وہ انتظار نہ کرسکتے ہوں تو پھر وہ جتنی مسافت طے کر چکے ہیں اس کا کرایہ ادا کرنے کے بعد دوسری سواری سے جاسکتے ہیں، سواری کا مالک ان کو مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ اپنا حرج کر کے خواہ مخواہ سواری کے بننے کا انتظار کریں، مثلاً کوئی شخص موٹر یا ریل سے سفر کررہا ہے اور راستہ میں کوئی خرابی آگئی اور سوار کو یہ خیال ہوا کہ اس کے بنانے میں دیر لگے گی، اور اس کو جلد کہیں پہونچنا ہے تو اسلامی شریعت کی رو سے وہ جتنا سفر طے کر چکا ہے، اتنا پیسہ دینے کے بعد باقی کرایہ واپس لے سکتا ہے اور دوسری سواری سے جاسکتا ہے، موجودہ دور میں اگر راستہ میں سواری خراب ہوجائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے تو سواری کرنے والے کے لیے سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ وہ اپنے پورے کرایہ کا خون کرے اور دوسری سواری سے جائے اور اگر کرایہ واپس لینا چاہتا ہے تو پھر ریلوے سے مقدمہ لڑے۔ اسلامی قانون کی رو سے یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں کرایہ واپس کرنا ضروری ہے۔

۱۴۔ جس جگہ کے لیے سواری کی ہے یا سواری کا ٹکٹ لیا ہے وہیں تک جانا چاہیئے، اگر اس سے زیادہ جائے گا تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ (شرح المجلہ دفعہ ۵۴۴)

۱۵۔ کوئی ایسی جگہ جہاں دو اسٹیشن ہیں، تو ایک اسٹیشن کی تعیین ضروری ہے، مثلاً لکھنؤ میں دو اسٹیشن ہیں، یا بمبئی میں کئی اسٹیشن ہیں تو اس نے پہلے اسٹیشن کا ٹکٹ لیا، اور اترا بعد والے اسٹیشن پر تو اس کو اتنا تاوان دینا پڑے گا، مگر تاوان بس اتنا ہی دینا پڑے گا جتنا پہلے اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن کا کرایہ ہے، مزید جرمانہ نہیں لیا جائے گا۔

خیار شرط، خیار رویت اور خیار عیب

جس طرح بیع وشراء میں خیار شرط، خیار رویت اور خیار عیب کی آسانی دی گئی ہے،

اسی طرح اجارہ میں بھی یہ جائز ہے مثلاً ایک شخص ایک مکان یا دوکان کرایہ پر لینا چاہتا ہے اور مالک مکان سے کرایہ وغیرہ کی بات چیت طے ہوچکی ہے، مگر مالک یا کرایہ دار نے کہا کہ کل آخری جواب دوں گا، تو جس نے بھی یہ کہا ہے اسے دوسرے دن تک اس کے جواب کا انتظار کرنا چاہیئے، اسی طرح کرایہ دار نے ایک مکان یا دوکان کا معاملہ کرلیا مگر اس نے دیکھا نہیں تھا، اب دیکھنے کے بعد اسے وہ مکان یا دوکان پسند نہیں آئی، یا کرایہ زیادہ محسوس ہوا تو اسے معاملہ کو فسخ کردینے کا اختیار ہوگا۔

اسی طرح مکان یا دوکان میں آنے کے بعد اس میں کوئی ایسا عیب نظر آیا جس سے رہائش میں یا دوکان کرنے میں شدید پریشانی نظر آتی ہے تو اسے معاملہ کو فسخ کردینے کا اختیار ہے، اب جتنے دن وہ رہ چکا ہے، اسے اتنے دن کا کرایہ دینا ہوگا۔

ریل اور دوسری سواریوں کے احکام

کفالت کے بیان میں ذکر آچکا ہے کہ ریل، جہاز اور دوسری سواریوں کے ذریعہ کہیں جانے کے لیے جو ٹکٹ لیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے ریلوے اور جہاز کمپنی اس کے پہونچانے کی ذمہ دار ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر آپ نے کوئی سامان بک کرادیا ہے تو اس کے جانے اور جب تک نہیں پہونچ جاتا اس وقت تک ٹوٹنے پھوٹنے اور نقصان کی ساری ذمہ داری ریلوے یا جہاز کمپنی پر ہوگی۔

چونکہ ریلوے یا جہاز کمپنی کی حیثیت محض کفیل ہی کی نہیں ہوتی بلکہ اس کی حیثیت کفیل با اجرت کی ہوتی ہے اس لیے جن شرائط پر اس نے اجرت لی ہے وہ پوری کرنی ہوگی، اور بعض باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے ان کی ذمہ داری محکمہ پر ہوتی ہے مثلاً۔

خراب ہونے والے مال کو بند بوگی کے بجائے کھلی بوگی میں نہ بھیجیں، اسٹیشن پر

اتار کر حفاظت سے رکھیں ورنہ نقصان کا تاوان محکمہ ریلوے کو دینا ہوگا۔

مثلاً اگر کسی نے ریلوے سے مال بک کرایا تو اب جہاں مال پہونچانا ہے وہاں کے اسٹیشن پر مال اتارنے کی ذمہ داری ریلوے پر ہوگی۔ اور بعض شرائط ایسے ہیں جن کا ذکر ہو یا نہ ہو اس کی ذمہ داری مال والے پر ہوگی، مثلاً اس نے جانور، بیل، بھینس، بکری، مرغی وغیرہ ریل کے ذریعہ کہیں بھیجا، تو اس کے کھلانے پلانے کی ذمہ داری مالک پر ہوگی، یا اس نے مچھلی بھیجی تو برف میں رکھنا یا انڈا بھیجا تو اس کو ٹھنڈا رکھنے کا انتظام کرنا اس کی ذمہ داری ہوگی۔ ریلوے یا جہاز کمپنی سے کوئی مطلب نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ مال کی حفاظت کی ساری ذمہ داری ریل و جہاز کمپنی کی ہے، اور اس چیز کے بقاء کے سلسلہ کی ذمہ داری مالک پر ہے۔

جس قسم کی چیزوں کے لادنے کے لیے اور جتنی مقدار پر لادنے کے لیے، ریلوے کا آرڈر ہوا تنا ہی لادنا چاہیے، اس سے زیادہ لادنا درست نہیں ہے، مثلاً کسی نے ایک مال گاڑی کا ڈبّہ لیا جس میں ۲۸ ٹن مال لادنے کی اجازت ہے تو اتنا ہی لادنا چاہیئے، اس سے زیادہ لادنا درست نہیں ہے، اسی طرح ٹرک، ٹھیلے وغیرہ کا حکم ہے، اسی طرح مسافروں کو جتنا سامان لیجانے کا حکم ریلوے کمپنی نے دیا ہے، چوری سے زیادہ لے جانا درست نہیں ہے، خواہ اسلامی حکومت کی ریلوے ہو یا غیر اسلامی حکومت کی، اگر اس کے خلاف کریگا تو نقصان کی ذمہ داری محکمہ پر نہیں ہوگی۔

مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت

مزدوروں کی معاشی اور معاشرتی پریشانیوں اور الجھنوں کے رفع کرنے کے لیے اسلامی شریعت نے جو اخلاقی ہدایتیں اور قانونی بندشیں عائد کی ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو مزدور معاشی حیثیت سے بھی مطمئن ہو جائے گا اور معاشرتی حیثیت سے بھی اس پر کوئی ظلم

نہ ہوسکے گا۔

چند اصطلاحین

(۱) اجرت: جو چیز محنت کے بدلہ میں دی جائے، اس کو موجَر اور مستاجَر (زبر کے ساتھ) بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) اجیر: محنت کرنے والا۔

(۳) مستاجر یا آجر: کام لینے والا۔

(۴) اجرت مثل: وہ اجرت جو حکومت مقرر کردے یا مزدوروں کے حالات وضروریات سے واقف کار لوگ مقرر کردیں۔ اور یہ لوگ ایسے ہوں جن کا کوئی مفاد ان سے وابستہ نہ ہو، قرآن میں اس کی تعبیر معروف کے لفظ سے کی گئی ہے اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ جس معیار سے تم زندگی گذارتے ہو اسی میں ان کو بھی شریک کرو۔

(۵) ماجور: وہ چیز جو کرایہ وغیرہ پر دی جائے۔

(۶) اجرت مسمّٰی وہ اجرت جو آجر اور مستاجر کے درمیان مقرر ہو جائے۔ اسے موجودہ معاشیات کی اصطلاح میں اجرت صحیحہ اور اجرت متعارفہ کہتے ہیں۔

اس لئے انھوں نے ان کو بلوایا کہ اس نیکی کے بدلہ میں وہ بھی کچھ ان کی خاطر تواضع کرسکیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ آئے تو حضرت شعیبؑ نے پورا اخلاق صرف کیا، اثنائے گفتگو میں لڑکیوں نے کہا کہ اباجان:! ان سے زیادہ قوی اور امین آدمی نہیں مل سکتا، اس لیے آپ ان کو مستقل طور پر اپنے یہاں اجیر رکھ لیجئے، چنانچہ حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے اس کا اظہار کیا اور انھوں نے اسے منظور کرلیا۔

حضرت شعیبؑ چونکہ یہاں مستاجر تھے اور مستاجر کی طرف سے عموماً ظلم وجبر ہوتا

ہے اس لئے انھوں نے معاملہ کرتے وقت یہ بات واضح کردی کہ:

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورہ قصص آیت نمبر۔۲۷)

’’میں تم پر کوئی زیادتی کرنا نہیں چاہتا، ان شاء اللہ تم مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے‘‘۔

چونکہ یہ معاہدہ ہو رہا تھا، اس میں دونوں فریق کو اپنی رضامندی اور شرائط کے ذکر کرنے کا حق تھا اس لیے حضرت موسیٰؑ نے جواب میں کہا:

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (سورہ القصص آیت نمبر۔۲۸)

’’یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی ہے کہ دونوں مدتوں میں سے جسے میں پورا کرلوں گا اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہ کی جائے گی اور اس معاہدہ میں جو باتیں ہم طے کر رہے ہیں، اس پر خدا گواہ ہے‘‘۔

وَ اللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَ کِیْل کا مقصد یہ ہے کہ ظلم وزیادتی سے باز رکھنے یا روکنے اور اوپر ذکر آچکا ہے کہ اسلامی شریعت نے ہر معاملہ میں اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں اور قانونی بھی، چنانچہ اجرت کے معاملہ میں بھی دونوں طرح کی ہدایتیں دی گئی ہیں۔

قرآن وحدیث کی ہدایتیں

قرآن میں دودھ پلانے والی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر تم کسی غیرعورت سے اپنے بچے کو دودھ پلواتے ہو تو چونکہ وہ تمھارے بچے کو اپنے جسم کا خون جلا کر دودھ پلاتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے اس لیے تمھارا فرض ہے کہ اپنی گاڑھی کمائی سے اس کی ضروریات زندگی کا خیال رکھو اور اس بارے میں دونوں کو ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال ہونا چاہیئے۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا (سورہ البقرۃ، آیت نمبر۔۲۳۳)

’’جس کا بچہ ہے اس کے اوپر قاعدہ کے مطابق دودھ پلانے والی کا کھانا کپڑا ہے، کسی شخص کو اس کی برداشت سے زیادہ بار نہیں ڈالا جاسکتا‘‘۔

لفظ معروف اور تکلیف کی مزید تشریح آگے آئے گی۔

دوسری جگہ قرآن نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کا واقعہ نقل کیا ہے جس میں حضرت شعیبؑ مستاجر اور حضرت موسیٰؑ اجیر ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نبوت سے پہلے مدین کی طرف سے گذر رہے تھے کہ راستہ میں انھوں نے دیکھا کہ ایک کنوئیں پر جانوروں کے چرواہوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، ان ہی میں دو لڑکیاں بھی ہیں جو اپنے جانور لیے الگ کھڑی ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کو ان کی بیچارگی پر رحم آیا، اور انھوں نے اس کی وجہ پوچھی، تو بولیں کہ میرے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ چرواہے جب ہٹ جائیں گے تو ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گے، حضرت موسیٰؑ آگے بڑھتے ہیں، اور ڈول کھینچ کر ان کے جانوروں کو پانی پلا دیتے ہیں، یہ لڑکیاں حضرت شعیبؑ کی تھیں، جانور لے کر جب یہ گھر پہونچتی ہیں تو اس واقعہ کا تذکرہ اپنے والد سے کرتی ہیں، حضرت موسیٰؑ نے یہ سمجھ کر پانی نہیں پلایا تھا کہ ان کو اس کی کوئی مزدوری ملے گی، مگر حضرت شعیبؑ نبی تھے اس لیے وہ کسی کی محنت خواہ رضا کارانہ ہی کیوں نہ ہو ضائع نہیں کر سکتے تھے۔

دونوں کو جوڑے رکھنے کے لیے محض منفعت ہی درمیان میں نہ ہو، بلکہ یہ تصور بھی ہو کہ یہ معاملہ گویا خدا کے سامنے طے ہو رہا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چھپے کھلے کا جاننے والا ہے۔

ان آیات کی تشریح میں نبی کریم ﷺ نے جو ارشادات فرمائے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

سب سے پہلے آپؐ نے یہ بات واضح فرمائی کہ محنت مزدوری کوئی گری پڑی چیز نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا کہ تمام انبیاء نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے بھی؟ فرمایا: ہاں! میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (بخاری)

مزدور کی مزدوری

"اَعْطُو االْاَ جِیْرَ قَبْلَ اَن یَّجِفَّ عَرَ قُهٗ "۔ (ابن ماجہ)

مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

اگر کسی نے مزدوری نہ دی یا کم دی یا ٹال مٹول کیا تو اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا ان میں ایک:

"رَجُلٌ اِسْتَا جَرَ اَجِیْراً فَا سْتَوْ نیٰ مِنْهُ وَ لَمْ یُعْطِهٖ اَجْرَه"۔ (بخاری)

وہ شخص جو کسی کو مزدور رکھے اور اس سے پورا پورا کام لے، مگر مزدوری پوری نہ دے۔

مزدوری پوری نہ دینے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس کی مزدوری مار بیٹھے اور نہ دے، بلکہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جتنی اجرت اس کام کی ملنی چاہیے وہ نہ دے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کم سے کم اجرت پر کام لے لے، چنانچہ محدثین نے اس کی تشریح میں فرمایا ہے:۔

وَ لَمْ یُعْطِهٖ اَجْرَهٗ وَا فِیاً۔ یعنی پوری پوری مزدوری نہ دے۔

دوسری حدیث میں ہے:

"کَفٰی بـا لمرأ ثما ان یضیع مَن یقو ت" آدمی کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کر دے جن کی پرورش ان کے ذمہ ہے۔

مقصد یہ ہے کہ جس آدمی نے جن لوگوں کی معاشی ذمہ داری لی ہے وہ ان پر اتنی

تنگی نہ کرے کہ ان کی جسمانی طاقت اور ذہنی صلاحیت برباد ہو جائے۔

ضروری ہدایات

آگے چند حدیثیں نقل کی جائیں گی جو زیادہ تر غلاموں سے متعلق ہوں گی، لیکن ان کو یہاں اس لیے نقل کیا جا رہا ہے کہ عرب میں اس وقت عام طور پر اسی طبقہ سے ذاتی ملازمت اور محنت مزدوری کا کام لیا جاتا تھا اس لئے ان کے بارے میں جو احکام آپ نے دیے ہیں ان کے مصداق ہمارے زمانہ کے ذاتی ملازم، اجیر، مزدور اور تمام محنت کش افراد ہیں، ایک بار حضرت ابوذرؓ نے کسی غلام کو سخت سُست کہہ دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ:

هُمْ اِخْوَا نکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰه تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اَخَا هُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَأْ کُلُ وَ لْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ وَ لَا یُکَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُهٗ فَاِنْ کَلَّفَهٗ مَا یَغْلِبُهٗ فَلْیُعِنْهٗ عَلَیْهِ ۔ (بخاری ومسلم)

"یہ تمھارے بھائی ہیں جن کو خدا نے تمھارا ماتحت بنا دیا ہے، تو اگر کسی کا بھائی اس کے ماتحت ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے، اور وہی پہنائے جو خود پہنے، اور اس سے ایسا کام نہ لے کہ وہ بالکل نڈھال ہو جائے اور اگر ان سے کوئی سخت یا زیادہ کام لینا ہے تو پھر اس کام میں اس کی اعانت کرے"۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:۔

(۱) ملازموں اور مزدوروں کو اپنا بھائی سمجھا جائے۔

(۲) ان کو اتنی مزدوری دی جائے کہ جس طرح کا معیار زندگی مستاجر کا ہے اس سے قریب تر اجیر کا بھی ہو، یعنی دونوں میں زمین آسمان کا فرق نہ ہو، حتی کہ ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مالک بخل کی وجہ سے بہت موٹا جھوٹا کھاتا پیتا اور پہنتا ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے ملازموں اور اجیروں کو بھی اس پر مجبور کرے۔ (مرقاۃ)

(۳) ان سے اتنا کام نہ لیا جائے کہ وہ تھک کر نڈھال ہو جائیں یا وقت سے پہلے ان کی صحت خراب ہو جائے، اگر کبھی زیادہ کام لینے کی ضروریات پیش آجائے تو ان کی عملی اور مالی مدد کی جائے، آپؐ نے فرمایا کہ آدمی کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمہ ہو اس کو وہ روک لے یا اس کو ضائع کردے۔ (مسلم)

ظاہر ہے کہ ایک مزدور کی زندگی کا سارا دارومدار اس کے پیشہ کی کمائی پر ہوتا ہے، اس لیے اگر اس کو اس کی ضرورت سے کم مزدوری دی گئی تو گویا اس کی مزدوری روک لی گئی یا ضائع کی گئی۔

آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ماتحتوں سے بدخلقی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (ترمذی)

آپؐ نے اس محنت کش طبقہ کے بارہ میں یہاں تک فرمایا کہ:

وَ اَكْرِ مُوْ هُمْ كَكَرَا مَةِ اَوْ لَا دِكُمْ وَ اَطْعِمُوْ هُمْ مِمَّا تَاْ كُلُوْ نَ.

ان کی دیکھ بھال اس طرح کرو جس طرح اپنے لڑکوں کی کرتے ہو، جو تم کھاتے ہو اس میں سے ان کو بھی کھلاؤ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ)

ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر ملازم غلطی کرے تو کتنی بار اس کو معاف کیا جائے۔ آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا انھوں نے دوبارہ پوچھا آپؐ پھر خاموش رہے، انھوں نے تیسری بار پوچھا، تو فرمایا کہ:

كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (ابوداؤد) اگر ستر بار بھی روزانہ غلطی کرے تو معاف کرو۔

آپؐ کو اس مظلوم طبقہ کا اتنا خیال تھا کہ آپؐ نے وفات والے مرض میں جو آخری نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک یہ تھی۔

"اَلصَّلٰوةَ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" (ابوداؤد، مسند احمد)

نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔

ان ارشادات نبویؐ کے تحت ائمہ حدیث نے صرف غلاموں، ملازموں اور مزدوروں ہی کو نہیں بلکہ محنت کش جانوروں کو بھی داخل کیا ہے۔

اجرت اور اجیر و مستاجر کے حقوق

قرآن اور حدیث کی ان ہی ہدایات کی روشنی میں فقہاء نے مسئلہ اجرت کے قانونی حقوق و اختیارات کی تفصیل اس طرح ہے۔

اجرت کا معاملہ

اجیر و مستاجر یا مزدور و مالک کے درمیان کام لینے اور مزدوری دینے کا جو معاملہ ہوتا ہے اسلامی شریعت اس کو اسی طرح کا ایک معاہدہ قرار دیتی ہے، جس طرح خرید و فروخت کو ایک معاہدہ قرار دیتی ہے، یعنی ایک اجیر اپنی محنت پیش کرتا ہے، اور مستاجر یعنی کام لینے والا اس کے بدلہ میں اجرت و مزدوری دینے کا وعدہ کرتا ہے، اور دونوں اپنی رضامندی سے یہ طے کرتے ہیں کہ ہم کو یہ معاملہ منظور ہے۔

چنانچہ جس طرح بیع وشرا میں ایک دوکاندار مال دیتا ہے اور خریدار اس کی قیمت ادا کرتا ہے، ان میں سے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا، بلکہ دونوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے۔

اسی طرح اجیر محنت پیش کرتا ہے، اور مستاجر اس کی محنت کی مزدوری دیتا ہے، ان میں سے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا، بلکہ معاملہ کے اعتبار سے دونوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے، اس لیے نہ تو اجیروں اور مزدوروں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی محنت ہی کو اصل چیز سمجھ کر مستاجر کو پریشان کریں، اور نہ مستاجر کو یہ حق ہے کہ وہ سرمایہ کو اصل چیز سمجھ کر محنت کشوں کو پریشان کرے یا ان کی حق تلفی کرے، بلکہ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "دونوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور ان سے اسی طرح کا معاملہ کریں جو ایک بھائی دو

سرے بھائی کے ساتھ کرتا ہے"۔ اجرت کے معاملہ کو ایک معاہدہ قرار دینے کے بہت سے فائدے ہیں، چند کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

یہ معاہدہ جس طرح زبانی ہوسکتا ہے اسی طرح خط و کتابت سے بھی ہوسکتا ہے۔

معاہدہ کب فسخ ہوسکتا ہے

جب آجر اور مستاجر ایک بار اجرت کا معاہدہ کرلیں، تو پھر ان میں سے کسی کو اس کے فسخ کرنے کا حق اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ ان میں سے کسی کو کوئی ایسا عذر نہ پیش آجائے جس میں مستاجر کام لینے سے اور مزدور کام کرنے سے معذور ہوجائے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

"وَ تُفْسَخُ الْإِجَارَۃُ بِالْأَعْذَارِ"۔ اجرت کا معاملہ اعذار کی بنا پر فسخ کیا جاسکتا ہے۔

اسٹرائیک اور کارخانہ بندی

مگر عذر کے یہ معنٰی نہیں کہ مزدور جب چاہیں بہانہ کر کے کام کرنا چھوڑ دیں، یعنی اسٹرائیک کردیں، اور مالک اور کارخانہ دار جب چاہیں اپنا کام بند کر کے مزدوروں کو بیکار کر دیں۔ بلکہ اس عذر سے مراد یہ ہے کہ:

"وَ هُوَ عِجْزُ الْعَاقِدَيْنِ عَنِ الْمُضِيِّ فِي مُوْجَبِهٖ اِلَّا بِتَحَمُّلِ ضَرَرٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ بِهٖ وَ هٰذَا هُوَ مَعْنَى الْعُذْرِ"۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۲۹۹)

عذر کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والا اس معاہدہ کو اس وقت پورا کرسکے جب اس کو ایسا نقصان برداشت کرنا پڑے جو اس معاہدہ کی روح کے بالکل خلاف ہو، عذر کے یہی معنٰی ہیں۔

اگر ایسا عذر جو معاہدہ کو پورا کرنے میں حارج ہو تو اجارہ کا معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔

یہ معاہدہ کیسے فسخ ہو تو اس کے بارے میں کچھ اختلاف ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ بغیر قانونی چارہ جوئی کے ممکن نہیں ہے، اور بعض ائمہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ بغیر قانونی چارہ جوئی کے بھی یہ ممکن ہے، مگر ان دونوں روایتوں کے درمیان ایک بیچ کی راہ بعض ائمہ نے پیدا کی ہے کہ اگر یہ عذر ظاہر ہو جس کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے تو پھر قانونی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر یہ عذر ظاہر نہیں ہے، بلکہ اس کو اجیر و مستاجر ہی سمجھ سکتے ہیں تو پھر اس میں قانونی چارہ جوئی کے بغیر معاہدہ فسخ نہیں کیا جاسکتا، **مثلاً**

اگر کارخانہ میں آگ لگ گئی یا اور کوئی ارضی یا سماوی آفت آگئی تو کارخانہ دار حکومت کو اطلاع دیے بغیر بھی اپنا کارخانہ بند کرسکتا ہے، اور مزدوروں کو جواب دے سکتا ہے، لیکن اگر اس کو اپنی مصنوعات میں گھاٹا آرہا ہے یا آگیا ہے تو وہ اس کا ثبوت حکومت کے سامنے پیش کرے، اگر حکومت اسے معقول عذر سمجھے گی تو فسخ کرادے گی ورنہ نہیں۔

اسی طرح اگر مزدور بیمار پڑ گیا یا کسی حادثہ کا شکار ہوگیا جس کی وجہ سے وہ کام کرنے سے معذور ہے تو پھر وہ کام چھوڑ سکتا ہے، لیکن اگر وہ اس جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہتا ہے، یا اس کام کے بجائے دوسرا کام کرنا چاہتا ہے، یا اس کو اجرت کم اور کام زیادہ معلوم ہوتا ہے تو وہ اس صورت میں نہ کوئی غیر قانونی حرکت کرسکتا ہے اور نہ اسٹرائیک کرسکتا ہے، بلکہ اس کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ یا تو وہ مستاجر کو فسخ معاہدہ پر راضی کرے، اگر وہ راضی نہیں ہوتا تو پھر حکومت کے سامنے اپنے مطالبات اور اپنی معذوریاں رکھے، جو مناسب ہوگا وہ فیصلہ کرے گی۔

معاہدہ اجرت کے شرائط

عام طور پر دنیا میں اجیر و مستاجر کے درمیان جو معاملہ طے ہوتا ہے اس کی بنیاد

صرف مادی فائدہ پر ہوتی ہے، یعنی عام طور پر اجیر کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ مستاجر اور آجر سے ہمارا تعلق صرف یہ ہے کہ اس سے ہمیں زیادہ سے زیادہ اجرت وصول ہونی چاہیے، خواہ اس کو فائدہ ہو یا نقصان، اسی طرح مستاجر اور آجر یہ سوچتا ہے کہ اجیروں کی محنت سے ہمیں اسی وقت تک سروکار ہے، جب تک کہ ان کی محنت ہمارے لئے مفید ہے لیکن جب ان کی محنت ہمارے لئے بار آور نہ ہو تو پھر ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی جس طرح ایک مشین بے کار ہونے کے بعد پھینک دی جاتی ہے، اسی طرح وہ بھی پھینک دینے کے قابل ہیں، وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ اصل فائدہ اس کو مزدوروں کی محنت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اپنے سرمایہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے فائدہ کا اصل حق اس کو ہے اور ضمنی فائدے کے مستحق مزدور ہیں۔

اسلامی نظام اجرت میں بھی قانونی اعتبار سے اصل چیز منفعت ہی ہے، مگر ہر قدم اور ہر ہر موقع پر یہ بات پیش نظر رکھی گئی ہے کہ دونوں کا تعلق محض ایک مشین اور مشین کے چلانے والے کا نہ ہو بلکہ ایسا تعلق ہو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ ہونا چاہیئے، جس طرح مستاجر کے سینے میں دل ہے، اسی طرح مزدور کے سینہ میں بھی دل ہوتا ہے، جس طرح اس کے دل میں احساسات وجذبات پیدا ہوتے ہیں اسی طرح مزدور کے دل میں بھی احساسات وجذبات پیدا ہوتے ہیں، اس لیے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اسی حیثیت سے تعلق رکھنا چاہیئے اور معاملہ کرنا چاہیئے۔

مستاجر کو خاص طور پر سوچنا چاہیئے، کہ سرمایہ بغیر محنت کے بالکل بے کار ہے، اور محنت سرمایہ کی محتاج ضرور ہے مگر بغیر سرمایہ کے وہ بالکل بے کار نہیں ہے، لیکن یہ تعلق کیسے پیدا ہو، اور پھر کیسے باقی رہے، اس کے لیے اخلاقی اور قانونی ہدایتیں بھی دی گئیں ہیں۔

اخلاقی ہدایتوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور قانونی ہدایتوں کے سلسلہ میں معاہدہ

اجرت اور اسکے فسخ کرنے کے طریقہ کا ذکر آچکا ہے، اب آگے یہ بتایا جائے گا کہ اس معاہدہ کے صحیح ہونے کے کون سے ایسے شرائط ہیں جن کی رعایت سے اجیر ومستاجر کے درمیان کش مکش کی کم سے کم صورت پیش آسکتی ہے۔

(۱) معاہدہ کرنے کے سلسلہ میں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اجیر ومستاجر دونوں عقل و ہوش رکھتے ہوں، دونوں کا بالغ ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے بالکل نادان بچے یا پاگل وبے عقل بالغوں کے درمیان اجرت کا معاملہ نہیں ہوسکتا، نادان بچوں کے ولی اگر چاہیں تو ان کو اپنے کام میں شریک کر سکتے ہیں، مگر وہ براہ راست نہ تو اجیر ہو سکتے ہیں اور نہ مستاجر۔

(۲) دونوں کی رضامندی ضروری ہے، یعنی نہ تو سرمایہ دار اپنے سرمایہ کا دباؤ ڈال کر ان سے کم اجرت پر کام لینے کی کوشش کرے اور نہ اجیر اپنی محنت کے ذریعہ کوئی دباؤ ڈال کر آجر سے زیادہ اجرت حاصل کرنے کی کوشش کرے، مثلاً مظاہرہ یا اسٹرائک کی دھمکی وغیرہ کے ذریعہ۔

(۳) اجرت متعین معلوم ہونی چاہیئے، یعنی یہ طے ہو جانا چاہیے کہ روزانہ یا ماہانہ کتنی اجرت ملے گی، اس طرح طے کرنا صحیح نہیں ہے کہ مناسب اجرت دے دی جائے گی، اگر بغیر طے کیے ہوئے کسی سے کام کرالیا تو یہ معاہدہ اجرت صحیح نہیں ہے، اور اس کو اجرت مثل دینی پڑے گی، البتہ اگر پہلے سے کسی کام کی اجرت عام طور پر متعین ہے یا جیسا اور جتنا کام وہ لے رہا ہے، اتنے کام کی اجرت پہلے سے مقرر ہے تو بغیر طے کیے ہوئے بھی معاملہ ہوسکتا ہے۔

مگر اس صورت میں آجر کو اتنی ہی اجرت دینی اور اجیر کو اتنی ہی اجرت لینی پڑے گی جتنی کہ اس کام پر عام مزدوروں کو دی جاتی ہے، البتہ مقام کے لحاظ سے کمی بیشی بھی ہوسکتی

ہے، مثلاً ایک مزدور کو کلکتہ میں جتنی مزدوری ملتی ہے اتنی کسی چھوٹے شہر میں نہیں ملتی تو کلکتہ کے مزدور کو چھوٹے شہر کے مزدوروں کی مزدوری نہیں دی جاسکتی، اور نہ چھوٹے شہر کے مزدوروں کو بڑے شہر کی مزدوری دی جاسکتی ہے۔

(۴) اجرت کے ساتھ کام کی نوعیت، جگہ اور وقت بھی معلوم ہونا چاہیے، مثلاً جو کام لینا ہے، اسے وہ کام اور جگہ بتادینی چاہیے یا پھر وقت یا کام کی مقدار بتا کر اجرت طے کرنی چاہیے یعنی اگر آپ ایک مزدور رکھتے ہیں تو اس کو بتادینا چاہیے کہ تم کو اتنی اجرت ملے گی، روزانہ اتنا کام کرنا ہوگا اور یہ کام تم کو فلاں کارخانہ اور فلاں مقام پر کرنا ہوگا، یعنی کلکتہ میں بمبئی میں یا لکھنؤ میں اور کپڑے کے کارخانہ میں یا جوتے کے کارخانہ میں یا سیمنٹ، موٹر یا جہاز کے کارخانہ میں، کیونکہ مقام اور کام کی نوعیت کی وجہ سے اجرت میں کمی اور زیادتی ہوجاتی ہے۔

کام کی مقدار بتا کر بھی اجرت طے کی جاسکتی ہے یعنی اس طرح طے ہو کہ اتنا کام کرلوگے تو اتنی اجرت ملے گی جیسا عام طور پر ٹھیکہ میں ہوتا ہے، لیکن اگر اجرت کے مقابلہ میں کام زیادہ ہوگا یا سخت ہوگا تو اتنے کام کی عام طور پر جو اجرت ملتی ہے وہ دینی پڑے گی، اسی کو اجرت مثل کہا جاتا ہے اسی طرح مہینہ میں تنخواہ پر بھی مزدور رکھا جاسکتا ہے، مگر اس میں بھی کام کی نوعیت اور مقام بتانا ضروری ہے۔

غرض یہ کہ اجارہ میں چار چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے: (۱) اجیر (۲) مستاجر (۳) اجرت (۴) اگر سامان ہو تو بدل اجارہ۔

محنت کش جانوروں کے حقوق

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم (سورہ انعام آیت نمبر۔۳۸)

''زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور ہوا میں اڑنے والی ہر چڑیا جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتی ہے تمہاری طرح ایک امت ہیں''۔

قرآن کی یہ ہدایت محض اخلاقی تعلیم ہی نہیں، بلکہ یہ ایک قانونی دفعہ بھی ہے، اس کی قانونی حیثیت پر اسی واقعہ سے روشنی پڑتی ہے کہ ایک بار حضرت عبیداللہ حضرت عبداللہ ابن بشر کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سواری بھی کرتا ہے اور بلاوجہ اس کو کوڑے بھی مارتا ہے، اس کے متعلق آپ کو کوئی ارشاد نبویؐ معلوم ہے؟ بولے مجھے نہیں معلوم، اندر سے ایک خاتون بولیں: خود اللہ تعالیٰ کہتا ہے ''یہ تمہاری جیسی ایک مخلوق ہے'' پھر انھوں نے مذکورہ آیت تلاوت کی۔ **(در المنثور ج ۳ ص ۲۱۷ دار الفکر بیروت)**

عبداللہ نے کہا کہ یہ میری بڑی بہن ہیں جنھوں نے حضورؐ کا زمانہ پایا ہے، مقصد یہ تھا کہ ان کو بلاوجہ سزا دینا جرم ہے، سواری پر سوار ہوتے وقت اسی لیے یہ دعا سکھائی گئی ہے:-

''سُبحَا ن الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ''۔

(سورۃ زخرف، آیت نمبر۔۱۳)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا تابعدار بنا دیا، ہم ان کو قبضہ میں نہیں لاسکتے تھے۔

تاکہ یہ بات ذہن میں تازہ رہے کہ یہ جانور جو تمھارے قابو میں ہیں اور تمھاری تابعداری کررہے ہیں یہ محض خدا کا فضل اور اس کی کرشمہ سازی ہے ورنہ تمھارے بس کی یہ بات نہیں تھی کہ تم ان کو قبضہ میں لے لیتے ہاتھی اور اونٹ جیسی مخلوق کو ایک معمولی جسم کا

انسان قابو میں کیسے رہتا ہے۔

ان ہدایات کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں سے جن سے ہم کوئی کام لیتے ہیں یا معاشی فائدہ حاصل کر رہے ہیں، حسب ذیل حقوق مقرر فرمائے ہیں:

جانوروں کے حقوق

(۱) جو جانور جس کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان سے وہی کام لینا چاہیے، چنانچہ آپؐ نے ایک تمثیل دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص بیل پر سوار ہوا اور اس کو مارنا شروع کیا تو اس نے مڑ کر کہا کہ میں سواری کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔

(بخاری باب استعمال البقر للحراثة)

آپؐ نے فرمایا کہ سواری کے جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے ان کو تمہارا فرمانبردار اس لیے بنایا ہے کہ وہ تمھیں ان مقامات تک جہاں تم بڑی مشقت سے پہونچ سکتے ہو آسانی سے پہونچا دیں۔

پیٹھ کو ممبر نہ بناؤ

سواری کے جانور کی پیٹھ کو منبر بنانے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ بلاضرورت سواری پر بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے، جس طرح بلاضرورت کوئی شخص منبر پر بیٹھا نہیں رہتا، دوسرے یہ کہ جتنی دیر سفر کرنا ہے اتنی دیر اس کی پیٹھ کو ضرور استعمال کیا جائے، لیکن استعمال کرنے کے بعد ان کی آسائش و آرام کے لیے وہی سب کچھ کرنا چاہیے جو ایک جاندار کے لیے کیا جاتا ہے، جاندار سواری لکڑی، پتھر کا تخت یا چبوترہ نہیں ہے کہ اس کو استعمال کرنے کے بعد پھر اس کی غذا اور آسائش و آرام کا سامان کرنا نہیں پڑتا۔

اچھی حالت میں سوار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سوار ہونے سے پہلے اچھی طرح کھلا پلا لو یہ بھی دیکھ لو کہ وہ بیمار تو نہیں ہے، اس کا جسم اور تمام اعضاء درست اور صاف

ستھرے ہیں یا نہیں اسی طرح سوار ہونے کے بعد پھر ان کی دیکھ بھال کرتے رہو تا کہ دوبارہ وہ سواری کے قابل رہیں، ایک انصاری اپنے اونٹ سے کام زیادہ لیتے تھے اور چارہ کا خیال کم رکھتے تھے حضورؐ نے ان کو بلا کر یہ تنبیہ فرمائی:

"أَ فَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ فِی ھٰذِہِ الْبَھِیْمَۃِ الَّتِیْ مَلَّکَ اللّٰہُ اِیَّا ھَا اِنَّکَ تُجِیْعُہٗ وَ تُدْ عِبُہٗ"۔

(مشکوٰۃ)

"اس بے زبان جانور کے بارے میں اس خدا سے ڈرتے نہیں جس نے محض اپنے فضل سے اس کو تمھارا تابعدار بنایا ہے، اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور پھر بھوکا بھی مارتے ہو"۔

حضرت انس بن مالکؓ عام صحابہ کا اسوہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ جب منزل پر اترتے تھے تو نماز پڑھنے سے پہلے سواریوں کا کجاوہ کھول دیتے تھے" اس اسوۂ صحابہ کی روشنی میں علمائے حدیث نے لکھا ہے کہ اپنے کھانے پینے اور آرام سے پہلے جانوروں کے کھانے پینے اور آرام کرنے کا خیال کرنا چاہیئے۔ (معالم السنن للخطابی)

(۳) جانوروں کو ہلکی پھلکی سزا دی جاسکتی ہے مگر آپؐ نے منہ پر مارنے اور ان کے داغنے کی ممانعت فرمائی ہے، ایسے شخص کو آپؐ نے ملعون قرار دیا ہے۔

(۴) جانوروں کو لڑایا نہ جائے، آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۵) جس طرح کسی انسان کو گالی دینا اور خواہ مخواہ تکیہ کلام کے طور پر ملعون و مردود قرار دینا صحیح نہیں ہے اسی طرح جانوروں کو بھی گالی دینا، ان کو لعنت ملامت کرنا برا ہے، آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔

غور کیجیے آپؐ نے ان کے احساس کا کتنا خیال فرمایا ہے۔

قانونی حیثیت

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ان ہدایات کی حیثیت محض اخلاقی تعلیم ہی کی نہیں

ہے، بلکہ ان کو قانونی حیثیت بھی حاصل ہے یعنی ان ہدایات کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ حکومت بطور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جانوروں کے مالکوں سے کہے کہ وہ ان کے چارہ کا اچھا انتظام کریں، اور ان کو آرام پہونچانے کی کوشش کریں، مگر ان پر کوئی جبر نہ کرے، مگر ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ اگر مالک نے جانور کو ٹھیک طور سے چارہ نہیں دیا تو **"له ان تجبر على نفقتها او بيعها"**۔

حاکم جانور کے مالک کو مجبور کرے کہ وہ اس کو ٹھیک سے یا تو چارہ دے یا بیچ ڈالے۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"انه يمنع من حملها ما لا تطيق"۔

''اگر کوئی شخص جانور سے اس کی استطاعت سے زیادہ کام لیتا ہے یا اس پر زیادہ بوجھ لادتا ہے تو حاکم اس کو اس سے روک دینے کا حق رکھتا ہے۔''

خود امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی جانور پر سوار ہو کر جا رہا ہے اور وہ جانور راستہ میں کسی دوسرے کی چیز کا نقصان کردے، مثلاً کھیت کھا جائے یا کسی پالتو جانور یا کسی کی کوئی چیز توڑ دے یا خراب کردے تو مالک کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

اس کلیہ سے یہ بات خود بخود نکل آتی ہے کہ اگر مالک اس نقصان کا ذمہ دار ہے جو اس کے جانور کے جسم کے کسی عضو سے ہو گیا ہے تو پھر اس کے اوپر جو زیادتی اور ظلم ہوگا اور اس کی وجہ سے خود اس کے جسم و جان کو جو نقصان ہوگا اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔

اجارۂ ارض، مزارعت کی تعریف اور حکم

اگر آدمی کسی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کرتا ہے، یا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ دوسروں کو لگان یعنی کچھ نقد لے کر اپنی زمین دے دے اس صورت میں مالک لگان پائے گا اور مزارع یعنی کاشتکار پوری پیداوار کا مالک ہوگا یا اگر وہ لگان پر نہیں دیتا یا کوئی لگان پر نہیں لیتا تو دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بٹائی پر دے دے یعنی غلہ میں آدھا مالک کا اور آدھا کاشتکار کا یا کم و بیش، پہلی صورت یعنی لگان پر دینے کو شریعت میں اجارۂ ارض، اور دوسری صورت یعنی بٹائی پر دینے کو مُزارَعَت کہتے ہیں، مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کو محض صحابہ اور ائمہ اربعہؒ میں اکثر حضرات نے مطلقاً اسے ناپسند تو نہیں کیا ہے البتہ کچھ شرائط کے ساتھ جائز کہا ہے، لیکن اجارۂ ارض یعنی زمین کو لگان پر دینے میں سب کا اتفاق ہے۔

مزارعت کی حیثیت

مزارعت کا معاملہ اپنی ابتداء میں تو اُجرت اور کرایہ کا معاملہ ہوتا ہے، مگر نتیجہ کے اعتبار سے یہ شرکت کا معاملہ ہے، جس طرح اُجرت اور کرایہ کے معاملہ میں کسی چیز کا فائدہ آدمی کچھ معاوضہ دے کر حاصل کرتا ہے اسی طرح مزارعت میں ایک مزارع یعنی کاشتکار مالک زمین سے ایک متوقع فائدے کے پیش نظر اپنی زمین اس کے حوالہ کرتا ہے، لیکن اس معاملہ کے نتیجہ میں جو پیداوار ہوتی ہے اس کی تقسیم ان ہی اصولوں پر ہوتی ہے جن اصولوں کی بنا پر کوئی شراکتی کاروبار کے فائدے کی تقسیم ہوتی ہے۔ اس لیے مزارعت کے معاملہ میں اجرت و شرکت دونوں کے شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے۔

اسلامی شریعت میں ملکیت کی حیثیت

اسلامی شریعت میں کسی زمین، جائداد یا مال پر آدمی کی ملکیت تین طرح سے

ثابت ہوتی ہے، جب ان میں سے کسی ذریعہ سے بھی آدمی کسی چیز کا مالک ہو جائے تو پھر اس کی ملکیت کو نہ تو اس کی مرضی کے بغیر کوئی شخص یا حکومت لے سکتی ہے، اور نہ اس کی مرضی کے خلاف تصرف کر سکتی ہے، البتہ ایسی ملکیت کے تصرف کرنے میں کچھ پابندیاں حکومت اس وقت لگا سکتی ہے، جب وہ فضول خرچی میں ضائع کر رہا ہو، یا اس میں سلیقہ سے خرچ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، یا اس سے کسی دوسرے شخص یا معاشرہ کا کوئی نقصان ہو رہا ہو، بغیر ان وجوہ کے تصرف میں کوئی مداخلت کا حق نہ تو کسی شخص کو ہے اور نہ حکومت کو۔

ملکیت میں آنے کی صورتیں

عام طور سے تین صورتوں سے کوئی چیز کسی کی ملکیت میں آتی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) اپنی ملکیت کو خوشی سے کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دے خواہ معاوضہ لے کر منتقل کرے، مثلاً کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے ہاتھ قیمت لے کر فروخت کر دے یا بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کو دے دے، مثلاً ہبہ کر دے یا بطور انعام دے دے، تو ان طریقوں سے دوسرا شخص اس کا مالک ہو جائے گا، اب پہلا شخص اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز وراثت میں پائے اس سے بھی وارث کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ کہ اپنی محنت مزدوری سے کسی مباح چیز یا جس چیز کا کوئی مالک نہ ہو اسے حاصل کر لے ملکیت کی پہلی صورت کا بیان اوپر ہو چکا ہے، اور دوسری صورت کا بیان بعد میں ہوگا، البتہ تیسری صورت کی کچھ تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے، ایک چوتھی صورت بھی ملکیت کی ہوتی ہے، وہ یہ کہ ملکیت سے جو چیز پیدا ہو وہ بھی اسی میں شامل

سمجھی جائے گی مثلاً جانور کا بچہ، درخت کا پھل وغیرہ۔

غیر مسلم کا حکم

جس طرح مسلمان کسی زمین کو آباد کرے گا تو اس کا مالک ہو جائے گا اسی طرح اگر غیر مسلم بھی کوئی زمین آباد کرے گا تو وہ اسی کی ملکیت ہو جائے گی، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

راستہ اور گزرگاہ کا حق

اسلامی شریعت میں راستہ اور گذرنے اور پانی بہانے کے لیے بھی کچھ قاعدے مقرر کر دیے گئے ہیں، تاکہ آپس میں اختلاف نہ ہو:

(۱) راستہ میں جو چیزیں گذرنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہوں گی ان کو دور کیا جائے گا، خواہ وہ قدیم زمانہ سے کیوں نہ ہوں مثلاً کھڑکیاں اور دروازے جو عام راستہ پر کھلتے ہیں یا بارجہ نکلا ہو، اگر ان سے چلنے والوں کو یا سواری کو لے جانے میں تکلیف ہو تو اس سے روکا جائے گا۔

(۲) اگر کسی شخص کو مٹی، بالو یا اینٹ اپنے مکان کی تعمیر کے لیے رکھنے کی ضرورت ہو تو وہ ایک کنارے پر رکھے اور پھر جلد ہی اٹھا لے اور اگر ان کے رکھنے سے گذرنے والوں کو تکلیف ہو رہی ہو تو رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۳) عام گذرگاہ اور گلی میں ہر شخص کو اپنے مکان کا نیا دروازہ اور کھڑکی کھولنے کی اجازت ہے، لیکن اگر کسی شخص کا وہ خاص راستہ ہو تو پھر اس میں کھڑکی اور دروازہ کھولنا جائز نہیں ہے۔

(۴) اگر کوئی خاص راستہ چند آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو وہ دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر نیا راستہ بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

(۵) خاص راستے سے جن لوگوں کی آمد و رفت ہوتی ہے ان میں سے کسی دوسرے آدمی کو اپنے چھت کا پانی گرانا یا نالی کھولنا دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

(۶) اگر عام راستے میں کسی وقت بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ ہو جائے تو پھر خاص راستہ سے گذرنے کی اجازت ہے، ان لوگوں کو جن کا وہ راستہ ہے راستہ روکنے کا حق نہ ہوگا اور نہ اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔

(۷) اگر راستے کے دونوں طرف کسی کے دو مکان یا دو کمرے ہوں تو اس کو دونوں کے درمیان راستے کے اوپر چھت ڈال کر راستہ بنانے کا حق نہ ہوگا، اس سے اسے روکا جائیگا۔

(۸) اگر راستہ چوڑا کرنے والے کے لیے کسی کا گھر یا زمین کا لینا ضروری ہو تو حکومت لے سکتی ہے، مگر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے قیمت دینا ضروری ہے۔

(۹) اگر کوئی پرانا عام راستہ ہے تو اس پر ہر شخص کو چلنے اور اس میں نا کھولنے کی اجازت ہوگی، لیکن اگر کوئی غیر شرعی کام ہو یا چلنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہو، مثلاً گانے بجانے والے گذریں یا بہت گندا بدبودار پانی کوئی بہائے تو اس سے روکا جائے گا۔

(۱۰) اگر کسی کو اپنے مکان کی مرمت یا تعمیر کی ضرورت ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ پڑوسی کے گھر یا صحن میں سے ہو کر نہ جائے تو پڑوسی کو اجازت دینی ہوگی، اگر نہ دے گا تو یا تو خود بنوا دے یا پھر حکومت اس کو اجازت دینے پر مجبور کریگی۔

(۱۱) اسی طرح اگر بارش کا پانی بہت زمانہ سے کسی پڑوسی کے صحن سے بہ رہا ہے تو دوسرے کو روکنے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر اس کی وجہ سے گندگی ہوتی ہے تو گندگی کا دور کرنا ضروری ہوگا، ورنہ وہ روک سکتا ہے۔ اگر مکان کئی منزلہ ہوں اور راستہ میں بہت سے لوگوں کی نالیاں نہیں ہوں تو جس کا گھر سب سے نچلی سطح پر ہے، اسکو کسی کی نالی کے روکنے کی اجازت نہ ہوگی، اگر روکے گا تو حکومت اس کو اس سے باز رکھے گی۔ (المجلۃ ص۱۹۹ دفعہ ۱۲۳۰)

(۱۲) اگر کوئی نیا گھر بنائے تو اس کو دوسرے کے گھر سے نابدان لے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

شفعہ

آپؐ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے مشترک جائدادوں میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا، حدیث میں ہے:

"ہر مشترک جائداد میں خواہ مکان ہو یا باغ و زمین آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا، اور فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ جب تک اس کا شریک اجازت نہ دے دے وہ اسے فروخت کرے، اگر وہ شریک چاہے تو خود لے لے، ورنہ چھوڑ دے، اگر اس نے بغیر اجازت فروخت کر دیا تو شریک زیادہ حقدار ہے"۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ والمنتقی ج۲ ص۴۱۶)

شفعہ کی تعریف

شفعہ کے لفظی معنی ملانے کے ہیں، اور شریعت میں دوسرے کی خریدی ہوئی جائداد کو اس کی قیمت ادا کر کے اپنی جائداد سے ملانے یا علیحدہ نہ ہونے دینے کو حق شفعہ کہتے ہیں، اس کا رواج جاہلیت میں بھی تھا تھوڑے سے تغیر کے ساتھ رسول ﷺ نے اسے باقی رکھا۔

شفعہ کی چند اصطلاحیں

۱۔ شفیع

شفعہ کرنے والا۔

۲۔ مشفوع

جس زمین کا شفعہ کیا جائے۔

۳۔ مشفوع بہ

شفیع کی وہ زمین، مکان یا زمین و مکان کا وہ حصہ جس کی وجہ سے اس کو یہ حق ملا ہے۔

۴۔ جار:

پڑوسی، جارِ مُلاصِق جس کا مکان بالکل ملا ہوا ہو۔

شفعہ کے اسباب

تین اسباب کی بنا پر شفعہ کیا جا سکتا ہے، ایک تو وہ شخص شفعہ کرسکتا ہے جو اس جائداد میں حصہ دار ہو، دوسرے وہ شخص جو اسکے نفع میں شریک ہو مثلاً دونوں کا راستہ ایک ہے یا دونوں ایک کنویں یا نہر سے پانی لیتے ہیں یا دونوں کا صحن ایک ہے، تیسرے پڑوسی یعنی جس کا مکان اس کے مکان سے ملا ہوا ہو یا زمین اس کی زمین سے ملی ہوئی ہو، پڑوسی کے بارے میں یہ رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے، مگر ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پڑوسی کو شفعہ کی اجازت نہیں ہے۔

حق شفعہ میں ترتیب

۱۔ سب سے پہلے شریک جائداد کو شفعہ کا حق ہے، اگر وہ شفعہ نہ کرے تو پھر جس کا نفع مشترک ہو، اگر وہ بھی نہ کرے تو پھر پڑوسی کو، اگر پڑوسی نفع میں بھی شریک ہو تو پھر اس پڑوسی پر اس کو فوقیت حاصل ہوگی جس کا مکان یا زمین ملی ہوئی تو ہے مگر نفع میں شریک نہیں ہے۔

۲۔ اگر دو منزلہ مکان ہو مگر اوپر کی منزل دوسرے کی ہو اور نیچے کی دوسرے کی، تو دونوں ایک دوسرے کے جار ملاصق ہیں۔

۳۔ اگر دو پڑوسیوں کے مکان کی ایک دیوار مشترک ہو تو دونوں مکان میں شریک سمجھے جائیں گے یعنی سب سے پہلے ان ہی کو شفعہ کا حق ہوگا، لیکن اگر کسی پڑوسی نے پڑوسی کی دیوار پر اپنے مکان کی کڑی رکھ لیا یا اس کی دیوار پر سلیپ لگا لیا اور پڑوسی نے

اعتراض نہیں کیا تو اس سے وہ شریک نہیں پڑوسی ہی سمجھا جائے گا۔

۴۔ اگر کسی زمین یا مکان کے دو یا کئی شفیع ہوں اور ان سب کے حصے برابر نہ ہوں تو بھی شفعہ کرنے کے اعتبار سے سب کو برابر کا حق ہوگا مثلاً ایک مکان یا زمین میں تین شریک ہیں، ایک کا آدھا حصہ ہے اور آدھے والا شریک اپنا حصہ بیچ دے تو ان دونوں کو برابر کے شفعہ کا حق ہوگا اور جب وہ مکان یا زمین ملے گی تو برابر قیمت دے کر برابر تقسیم کرلیں گے، ان کے حصہ کی کمی بیشی کا کوئی اثر حق شفعہ پر نہیں پڑے گا۔

شفعہ کے شرائط اور بعض مسائل

۱۔ جوں ہی شفیع کو معلوم ہو کہ فلاں شرکت یا جوار کی زمین بکی یا کسی نے ہبہ کردی ہے، اسی وقت اس کو یہ اعلان کردینا چاہیے کہ میں شفعہ کرونگا یا اسے کوئی ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جس سے اس کی ناراضگی یا شفعہ کرنے کے رجحان کا پتہ چلے، اگر اس نے اس وقت نہ کچھ کہا اور نہ شفعہ کا ارادہ ظاہر کیا تو پھر شفعہ کرنے کا حق نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کو مشتری کا پتہ چل جائے، صرف خبر سے اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔

(شرح المجلہ ص۵۷۷) بحوالہ قاضی خان)

۲۔ جب تک کوئی چیز فروخت نہ ہو جائے یا ہبہ نہ کردی جائے اس وقت تک محض بائع کے ارادہ پر شفعہ نہیں ہوگا۔

۳۔ شفعہ صرف غیر منقولہ جائداد زمین، باغ، مکان وغیرہ میں جائز ہے، منقولہ اموال میں یا وقف اور حکومت کی جائداد میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔

۴۔ جس جائداد کے بیچنے یا ہبہ کرنے میں شفیع کی رضامندی شامل ہو اس میں اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے، مثلاً اس نے بیچنے کا مشورہ دیا، یا جب اس کو بیع کا علم ہوا تو اس نے کہا اچھا ہوا، تو اب اس کو شفعہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

۵۔ اگر کسی شفیع نے خریدار سے کہا کہ اتنی رقم دے دو تو میں حق شفعہ سے باز آجاؤں تو اس کہنے سے اب اس کو شفعہ کا حق باقی نہیں رہا اور اپنے حق کا دباؤ ڈال کر جو روپیہ وہ خریدار یا بائع سے لے گا وہ اس کے لیے رشوت اور حرام ہوگا۔

۶۔ اگر خریدار نے بتایا کہ میں نے فلاں مکان دو ہزار دس روپئے میں لیا ہے اور شفیع نے رقم کی زیادتی کی وجہ سے شفعہ نہیں کیا، لیکن بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ اس نے غلط بتایا تھا، اس سے کم قیمت میں بکا ہے تو اس کو دوبارہ شفعہ کرنے کا حق باقی رہے گا۔

۷۔ اگر خریدار نے بیع میں کوئی اضافہ کر دیا ہے، مثلاً مکان میں کوئی ترمیم کر دی ہے یا زمین میں مکان بنالیا ہے یا درخت لگالیا ہے تو شفیع یا تو تمام کی قیمت دے کر اس کو لے لے یا اپنے حق سے باز آجائے۔

۸۔ جس زمین کا شفعہ کرنا ہے وہ پوری زمین پر کرے یا چھوڑ دے، آدھے، پونے، یا چوتھائی کا شفعہ جائز نہیں۔ (المجلہ ص ۱۶۰ دفعہ ۱۰۴۱)

۹۔ شفیع نے جس مکان یا باغ کا شفعہ کر دیا ہے، وہ شفعہ کرنے کے بعد گر گیا یا باغ کے درخت سوکھ گئے تب بھی اس کو پوری قیمت دینی پڑے گی، بشرطیکہ مشتری نے قصداً ایسا نہ کیا ہو۔

۱۰۔ اگر شفیع نے حق شفعہ کا دعویٰ کر دیا تھا، مگر فیصلہ سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا حق شفعہ جاتا رہا، اب اس کے ورثہ کو اس کا حق نہیں ہے۔

۱۱۔ اگر وہ شفعہ کرنے کا ارادہ تو ظاہر کر چکا ہے لیکن ابھی اس نے دعویٰ نہیں کیا ہے تو اس تاخیر سے اس کے حق شفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، حق شفعہ شفیع دو طرح سے حاصل کر سکتا ہے:

الف۔ اسلامی حکومت کے سامنے دعویٰ کر کے۔

ب۔ دوسرے یہ کہ خریدار قیمت لے کر اس کو یہ جائداد دینے پر راضی ہو جائے۔

اگر شفیع کہیں دور رہتا ہے اور بروقت وہ شفعہ نہیں کر سکا جب اسے اطلاع ملے وہ خود آکر یا کسی کو اپنا وکیل بنا کر یا تحریر بھیج کر وہ شفعہ کر سکتا ہے۔ (شرح المجلہ ص ۵۸۰)

مسلم اور غیر مسلم شفعہ میں برابر ہیں

جس طرح ایک مسلمان ایک مسلمان سے شفعہ کر کے کوئی جائداد لے سکتا ہے، اسی طرح اسلامی حکومت کے غیر مسلم پڑوسی کو بھی یہ حق ہے کہ وہ شفعہ کر کے کسی مسلمان سے کوئی جائداد حاصل کر لے، صاحب ہدایہ عقلی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شفعہ کا حق دفع ضرر کے لیے ہے اور اس سبب وحکمت میں مسلم اور غیر مسلم، باغی اور عادل سب برابر ہیں تو استحقاق میں بھی ان سب کو برابر ہونا چاہیے۔

وکالت کے معنیٰ

وکالت کے لفظی معنیٰ نگرانی حفاظت، چارہ سازی وکارسازی کے ہیں، اسی لیے خدا کی ایک صفت وکیل بھی ہے کیونکہ وہ ہمارے تمام کاموں کا نگراں، محافظ اور کارساز ہے، اسی سے توکیل کا لفظ نکلا ہے جس کے معنیٰ بھی نگراں مقرر کرنا یا کوئی کام کسی کے سپرد کر دینا ہے، وکالت کا لفظ توکیل کے معنیٰ میں بھی بولا جاتا ہے، یعنی یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔

جو شخص کسی دوسرے کو اپنا کام سپرد کرتا ہے یا ذمہ دار بناتا ہے اس کو مؤکل اور جو یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے اس کو وکیل اور جس کو کام کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اس کو مؤکل بہ کہتے ہیں۔ مثلاً احمد کو ایک گھڑی خریدنے کی ضرورت ہے، لیکن وہ گھڑی کی اچھائی برائی کو نہیں جانتا، اس لیے وہ خالد سے جو گھڑی کے پرزوں وغیرہ سے واقف ہے یہ کہتا ہے کہ میرے لیے آپ ایک گھڑی اتنے روپیے میں خرید دیجئے، خالد اس کے لیے گھڑی خریدنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، تو احمد مؤکل ہوا اور خالد وکیل اور گھڑی موکل بہ ہوئی، اسی طرح

ایسے تمام کاموں کے لیے آدمی کسی کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے جس کو وہ خود انجام تو دے سکتا ہے مگر کسی وجہ سے نہیں دے پاتا ہے۔

مثلاً خرید وفروخت، مضاربت، شرکت، ہبہ، رہن، صلح، اپنے دعویٰ کی پیروی اور نکاح وغیرہ امور میں وہ اپنا وکیل بنا سکتا ہے، ایک مسلمان غیر مسلم کو وکیل بنا سکتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے خود اپنے بہت سے کاموں کے لیے دوسروں کو وکیل بنایا ہے حضرت عروہ ابن ابو جعد البارقی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے مجھے ایک دینار دیا کہ میں ان کے لیے ایک بکری خریدوں، چنانچہ میں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار میں فروخت کردی، اور ایک بکری اور ایک دینار نبی ﷺ کی خدمت میں لاکر حاضر کیا تو آپؐ نے میرے لیے دعاء فرمائی۔

(بخاری، ابوداؤد، مسند احمد)

کہ اگر یہ مٹی بھی خریدیں گے تو اس میں فائدہ ہوگا، اسی طرح آپؐ نے حضرت حکیم بن خرام کو اپنے لیے قربانی کا جانور خریدنے کے لیے فرمایا تھا اور وہ خرید کر لائے۔

(ترمذی)

اسی طرح ایک بار صدقۂ فطر کا غلّہ کافی جمع ہوگیا تو آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کی نگرانی کا کام سپرد کیا۔ (المنتقی ج۲ص۳۷۶)

حضرت میمونہ سے آپؐ کا نکاح بھی وکالت کے ذریعہ ہی ہوا تھا، آپؐ اس وقت مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت میمونہ بنت حارث مکہ میں تھیں، آپؐ نے مدینہ سے اپنے خادم ابو رافع اور ایک انصاری کو بھیجا، انھوں نے ایجاب وقبول کرایا۔ (مؤطا امام مالک)

وکالت اور وکیل کی حیثیت

وکالت کا لفظ عموماً ہماری زبان میں اس پیشہ کے لیے بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ

حق ناحق، سچ یا جھوٹ جس طریقے سے بھی ہو، کسی کا حق ہو یا نہ ہو اس کو دلانے اور قاتلوں اور ڈاکوؤں کو چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور وکیل اس شخص کو کہتے ہیں جو غیر اسلامی قانون کے ذریعہ اسلامی عدالت کے سامنے لوگوں کے جھوٹے سچے مقدمات کی پیروی اور نمائندگی کرتا ہے، جس کی وجہ سے جرائم پیشہ افراد کو شہ ملتی ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، لیکن اسلامی شریعت میں وکالت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع اور بلند ہے اور وکیل حق وناحق کی تمیز کے بغیر پیسہ کمانے والے اور جرائم کو شہ دینے والے کو نہیں کہتے، بلکہ اس کی حیثیت اس سے بہت زیادہ وسیع اور بلند ہوتی ہے، اوپر ذکر آچکا ہے کہ جو جائز ذمہ داری بھی انسان کے سپرد کی جاتی ہے اس کے لیے شریعت میں امانت کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی وہ شخص اس ذمہ داری کو اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک امین اپنی امانت کو ادا کرتا ہے۔

وکالت بھی ایک ذمہ داری ہے اس لیے ضرورت ہے کہ جس کو بھی کسی کام کا وکیل بنایا جائے وہ اس کو اسی طرح پورا کرے جس طرح ایک امین امانت کی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ خازن اور امین وہ شخص ہے جو خوشی سے اس کام کو پورا کرے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے اس بنا پر فقہاء نے وکالت کی تعریف یہ کی ہے:

"تفویض أحد أمره لآخر وإقامته مقامه"۔

(شرح المجلۃ، دفعہ۱۴۴۹ص۷۶۹)

کسی شخص کا کسی کام کو دوسرے کے سپرد کردینا اور اس کو اپنا قائم مقام بنا دینا۔

ائمہ ثلاثہ بھی قریب قریب ان ہی الفاظ میں اس کی تعریف کرتے ہیں، البتہ اس میں وہ یہ قید لگاتے ہیں کہ یہ موت سے پہلے تک کا معاہدہ ہوتا ہے تاکہ وصیت اس سے خارج ہوجائے کیونکہ اس کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۳ص۱۶۷)

ظاہر ہے کہ جس طرح تمام معاملات میں آدمی کے لیے خوددو چیزوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اسی طرح وکیل بنانے میں بھی ان کا لحاظ ضروری ہے، ایک یہ کہ تراضی ہو، دوسرے یہ کہ معاملہ باطل، حرام اور ناحق نہ ہو، مقصد یہ کہ مؤکل اور وکیل دونوں ذمہ داری سونپنے اور قبول کرنے کے لیے راضی بھی ہوں اور یہ رضامندی کسی باطل معاملہ میں نہ ہو، یعنی اگر دونوں کسی غیر اسلامی قانون وعدالت میں اپنا فیصلہ لے جائیں تو اسلامی شریعت اس کو باطل قرار دے گی اور اگر دونوں اس پر اصرار کریں گے تو ان کو سزا بھی دی جائیگی کیونکہ باطل میں رضامندی ایک جرم ہے۔

اس تفصیل سے غالباً موجودہ پیشۂ وکالت کی محدود، غلط اور غیر ذمہ دارانہ حیثیت بھی معلوم ہوگئی ہوگی اور اسلامی شریعت میں اس کا جو وسیع اور ذمہ دارانہ مفہوم ہے وہ بھی۔

وکالت کے ارکان وشرائط

۱۔ تمام معاملات کی طرح وکالت میں بھی مؤکل ووکیل کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ زبانی تحریری طور پر دونوں ایجاب وقبول کریں، مثلاً آپ نے کسی سے کہا یا کسی کو لکھا کہ میرا فلاں کام آپ کر دیجئے اور اس نے کہہ دیا یا لکھ دیا کہ ہاں میں کرونگا تو ایجاب وقبول ہوگیا یا اس نے زبانی یا تحریری کوئی جواب آپ کو نہیں دیا، مگر آپ کا کام اس نے کر دیا یا شروع کر دیا تو اب وہ وکیل ہوگیا، اس نے زبانی یا تحریری طور پر رد کر دیا تو اس کو اس کا حق ہے۔

۲۔ ایجاب وقبول کے بعد دوسری شرط یہ ہے کہ وکیل وہ کام مؤکل کی رائے ومرضی کے مطابق کرے، اگر وہ اپنی رائے سے کوئی کام کرے گا تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہوگی مثلاً آپ نے ملازم سے کہا کہ آدھا کیلو گوشت لے آؤ، وہ ایک کیلو لایا، آپ نے

کہا کہ سیب لیتے آؤ اور وہ ناشپاتی لے آیا، آپ نے کہا کہ منقی لے آؤ اور وہ کشمش لایا، یا آپ نے کہا ایک تھان چٹائی لیتے آؤ اور وہ مارکین خرید لایا تو آپ اس کو واپس کر سکتے ہیں۔

اگر دوکاندار واپس نہ کرے اور آپ بھی اس چیز کو نہ رکھنا چاہیں تو ملازم اس کو اپنے استعمال میں لائے یا بیچ دے، آپ اپنا دام اس سے وصول سکتے ہیں، اسی طرح حکومت کے کارکن اور ملازمین اگر حکومت کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کریں اور کوئی نقصان ہو تو اس کی ذمہ داری کارکنوں اور ملازموں پر ہوگی، البتہ اگر کسی نے ملازم سے یوں کہا کہ گوشت لیتے آؤ اور وزن نہیں بتایا یا دس گز کپڑا لیتے آؤ اور کپڑے کی قسم نہیں بتائی تو وہ جیسا کپڑا یا گوشت لائے گا اس کو لینا پڑیگا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مؤکل اور وکیل دونوں عقل وتمیز رکھتے ہوں یعنی بالکل ناسمجھ بچے اور پاگل نہ ہوں، بچے اور پاگل کا نہ تو وکیل بنانا درست ہے اور نہ وکیل بننا۔

عقل وسمجھ کا مطلب یہ ہے کہ وکیل وہ کام پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جو کام آدمی خود کر سکتا ہے اس میں وکیل بنانا صحیح ہے۔

۴۔ وکیل کی حیثیت ایک امین اور نمائندہ کی ہے، اس لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ جس کام کے لیے وہ وکیل بنایا گیا ہے اس کام کی نسبت اپنی طرف نہ کرے، بلکہ مؤکل کی طرف کرے البتہ خرید وفروخت میں یا کسی چیز کے کرایہ پر لینے یا دینے میں یا مزدوروں کے تقرر میں یہ شرط ضروری نہیں ہے، لیکن ہبہ کرنے، عاریت دینے، رہن رکھنے، امانت رکھنے، قرض دینے یا شرکت ومضاربت کرنے میں مؤکل کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، مثلاً

اگر کسی نے کسی کو اپنے تمام کاروباری امور کا وکیل بنا دیا تو اگر وکیل مؤکل کی کوئی

چیز ہبہ کرے یا اس کے لیے ہبہ وہدیہ قبول کرے، یا اس کے لیے کوئی چیز عاریۃً لے یا دے، یا کسی معاملہ میں شرکت کرے، یا بطور مضاربت مؤکل کے روپے کسی کو دے، یا اس کے نام سے بطور مضاربت روپے لے یا اس کے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرے، یا اس کے مقدمہ کی پیروی کرے تو ان تمام صورتوں میں وکیل کو معاملہ کرنے والوں سے واضح کردینا ضروری ہے کہ میں فلاں کی طرف سے بحیثیت وکیل کام کررہا ہوں۔

لیکن اگر خرید وفروخت یا اجارہ وکرایہ کا وکیل بنایا گیا ہے تو مؤکل کا نام لیے بغیر بھی وہ خرید فروخت کرسکتا ہے، کوئی چیز کرایہ پر دے یا لے سکتا ہے، اس کا کوئی کام مزدور سے لے سکتا ہے، ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جن معاملات میں اس کو اپنی طرف نسبت کرنے کی اجازت ہے اور اس نے وہ کام اپنے نام سے کیا ہے، اس کام سے جتنے مطالبے متعلق ہوں گے اس کا ذمہ دار وہی ہوگا، اور جن معاملات میں اس کو اس کی اجازت نہیں ہے اس میں اس سے کوئی مطالبہ نہیں ہے بلکہ مؤکل سے مطالبہ ہوگا، مثلاً آپ کے ملازم نے کوئی چیز ادھار خریدی اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کے لیے خرید رہا ہے، تو اب دوکان دار اس سے مطالبہ کرے گا مؤکل سے نہیں کرسکتا، اسی طرح اس نے کوئی چیز ادھار بیچی تو اس کی قیمت کی وصولی بھی اس کے ذمہ ہوگی۔

البتہ اگر خریدار وہ چیز آپ کو دے جائے تو پھر ملازم سے تقاضا نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اگر ملازم نے یہ کہہ کر کوئی چیز ادھار خریدی یا بیچی کہ یہ فلاں صاحب کی ہے یا فلاں صاحب کے لیے ہے تو پھر اس کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اس کی حیثیت ایک قاصد اور پیامبر کی ہوگی، جن معاملات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی اجازت اس کو نہیں ہے، اگر ان کی نسبت وہ اپنی طرف کرتا ہے تو اس کی وکالت صحیح نہیں ہے، لیکن اگر اس نے اپنی طرف نسبت کردی تو اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے گا، مگر دونوں صورتوں میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ

ملکیت مؤکل ہی کی رہے گی، البتہ نسبت نہ کرنے کی صورت میں عقد کی ذمہ داری وکیل ہی پر رہے گی۔ اور جب اس نے مؤکل کے نام سے وہ کام کردیا تو تمام طالبات مؤکل سے ہوں گے، اس کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ **مثلاً**

اگر کسی نے کسی کا نکاح بہ حیثیت وکیل کردیا تو عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں، مؤکل سے کریگی، کسی مقدمہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو اس کا جو جرمانہ ہوا یا جو جائداد اور ما ل ادا کرنا ہوگا وہ سب مؤکل ادا کرے گا، وکیل سے کوئی خطاب نہیں ہے۔

اسی طرح اگر مؤکل نے کوئی فوجداری کا جرم کیا ہے تو اس کی سزا بھی مؤکل ہی کو بھگتنی پڑے گی، مثلاً کسی نے قتل کردیا تو قتل کے الزام میں اسی کو پھانسی دی جائے گی، یا اس کا خوں بہا اسی کو ادا کرنا پڑے گا، نہ تو وکیل سے مطلب ہوگا اور نہ کسی دوسرے آدمی کو اس کے بدلہ میں سزا دی جاسکتی ہے۔

۵۔ وکیل نے مؤکل کے لیے کوئی چیز خریدی یا کسی سے اس کا قرض وصول کیا اور اتفاق سے خریدی ہوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹوٹ گئی یا ضائع ہوگئی یا روپیہ گم ہوگیا تو اگر بے توجہی، غفلت یا قصد وارادہ سے اس نے ضائع نہیں کیا ہے تو اس کا تاوان اس سے نہیں لیا جاسکتا، کیونکہ اس کی حیثیت امین کی ہے، اور امانت کے گم ہوجانے پر تاوان نہیں ہے، وہ چینی کا برتن خرید کر لارہا تھا اور راستہ میں دھکا لگا اور گر کر ٹوٹ گیا یا روپیہ تھا کسی نے جیب کاٹ لی تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر وہ پٹری پر چلنے کے بجائے بیچ سڑک سے جارہا تھا، یا اوپر کی جیب ہوتے ہوئے اس نے نیچے کی جیب میں روپیہ رکھ دیا تھا اور کسی نے کاٹ لیا یا نکال لیا تو دونوں صورتوں میں اس پر ذمہ داری ہوگی، کیونکہ اس میں بے قاعدگی اور غفلت پائی گئی ہے یا اس نے اپنے گھر رکھ لیا اور وہاں وہ ٹوٹ گئی تو اسے اس کی قیمت دینی ہوگی۔

وکیل کی برطرفی

۱۔ کسی کام کے کرنے سے پہلے یا کرنے کے بعد مؤکل کو حق ہے کہ وہ جب چاہے وکیل کو وکالت سے علیحدہ کردے، مثلاً آپ نے کسی سے کہا کہ میرے لیے ایک تھان کپڑا خرید دو، پھر خریدنے سے پہلے آپ نے منع کردیا تو اب اس کو خریدنے کا حق نہیں ہے، اسی طرح آپ نے کسی سے کہا کہ بحیثیت وکیل میرے لڑکے کا نکاح پڑھادو پھر پڑھانے سے پہلے آپ نے منع کردیا تو آپ کو حق ہے۔

اسی طرح کام سے پہلے وکیل نے معذوری ظاہر کی تو اس کو بھی اس کا حق ہے، لیکن اگر وکیل نے کوئی کام ادھورا کیا ہے تو اگر یہ کام ایسا ہو کہ اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو یا نقصان ہو تو پھر علیحدگی کا حق نہیں ہے، لیکن اگر کوئی حق وابستہ نہ ہو یا کسی کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو پھر وکیل کے علیحدہ ہوجانے یا مؤکل کے علیحدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ وکیل کی علیحدگی کی اطلاع اس کو خواہ زبانی دی جائے یا آدمی کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ تمام صورتیں صحیح ہیں۔ **مثلاً**

مؤکل نے وکیل کو کسی آدمی کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ علیحدہ کرنے کی اطلاع دے دی، یا وکیل نے زبانی نہیں کہا آدمی کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ مؤکل کو اپنی معذوری کی اطلاع دی تو یہ بھی صحیح ہے، یعنی وکالت سے علیحدگی ہوجائیگی۔

وقف

وقف کے لفظی معنٰی روک لینے اور خاص کرنے کے ہیں، اور شریعت میں اپنی کوئی چیز یا اس کا فائدہ رفاہ عام کے لیے خاص کردینے کو وقف کہتے ہیں، جس طرح صدقہ کر

دینے سے ایک چیز آپ کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور آپ کو اس کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح کسی چیز کو رفاہ عام کے لیے وقف کردینے میں بھی وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اگر اس نے ثواب کی نیت سے اچھے کام کے لیے اس کو وقف کیا ہے تو اس چیز سے جب تک لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے صدقہ سے بھی زیادہ ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ’’موت کے بعد انسان کے تمام اعمال اس سے منقطع ہوجاتے ہیں، مگر اس کے تین اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب اس کو برابر ملتا رہے گا۔

"إلّا من ثلاثة ، صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له".

(مسلم، ابوداؤد، المنتقی ج ص ۴۳۷)

صدقۂ جاریہ اور علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک وصالح اولاد جو اس کے لیے دعاء کرے۔

وقف کی تعریف

امام ابوحنیفہؒ وقف کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔:

"هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة كالعارية".

’’کسی جائز مال کو اپنی ملکیت باقی رکھتے ہوئے اس کے فائدہ کو صدقہ کردینا جیسے عاریت ہے۔‘‘

اور صاحبین اور دوسرے ائمہ اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"هو حبس العين علىٰ ملك اللّٰه".

(شرح وقایۃ ج۲ص۴۰۶)

کسی جائز مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر خدا کے لیے وقف کردینا یعنی ملکیت اور اس کا فائدہ دونوں رفاہ عام کے لیے وقف کردینا۔

وقف کا حکم

ا۔ جب آدمی نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ فلاں چیز میں نے وقف کردی تو اب وقف ہوگئی یا اس نے کوئی زمین قبرستان کے لیے دے دی اور اس میں کوئی مردہ دفن کردیا گیا تو یہ زمین وقف ہوگئی یا مسجد بنادی تو زبان سے کہے یا نہ کہے وہ مسجد وقف ہوگئی۔

وقف دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو یہ کہ آدمی اس کو خدا کے لیے وقف کردے اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یہ شرط لگادے کہ میں اپنی زندگی بھر اس سے فائدہ اٹھاؤں گا یا میرے بعد میری اولاد اس کے کچھ حصہ سے فائدہ اٹھائے گی اور بقیہ رفاہ عام کے لیے ہوگا تو دونوں صورتوں میں موقوف چیز پر اب واقف کا کوئی حق نہیں رہتا، بلکہ اب یہ اللہ تعالیٰ کی ہوگی، نہ اب وہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے، نہ رہن کرسکتا ہے اور نہ وراثت میں اس کی ملکیت کسی کو مل سکتی ہے، البتہ اگر اپنے یا اپنی اولاد کے لیے اس سے فائدہ اٹھانے کی قید لگادی ہے تو اس کے بقدر وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر وقف کرنے کے بعد وہ خود متولی ہوجائے تو یہ جائز ہے۔

مکان وزمین کی تقسیم

زمین اور مکان کی مختلف طریقہ سے تقسیم ہوگی۔

(۱) اگر زمین زرعی ہے خواہ کھیت ہو یا مکان کا صحن ہو تو وہ گز فٹ یا جریب سے ناپ کر تقسیم کی جائے گی، لیکن اگر زمین میں مکان یا درخت ہوں تو پھر قیمت لگا کر اس کی تقسیم ہوگی۔

اگر زمین کچھ اچھی اور کچھ خراب ہو تو دونوں طرح کی زمینوں کو ملا کر تقسیم کی جائے گی مثلاً ایک کو دس گز اور دوسرے کو بیس گز یا اس کے برعکس ظاہری طور پر گو مساوات نہیں

ہے مگر معنوی طور پر یہ تقسیم درست ہے۔

(۲) اگر کسی مکان کی تقسیم میں ایک حصہ کی قیمت زیادہ ہو تو اگر خالی زمین دے کر یا کسی اور طریقہ سے ان کے حصے برابر کیے جاسکیں تو کردیئے جائیں گے ورنہ پھر زیادہ حصہ والے سے اتنی قیمت کم حصہ والے کو دلائی جائے گی۔

(۳) اگر دو منزلہ مکان تقسیم ہو تو دونوں کی قیمت لگا کر پھر تقسیم ہوگی، اس لئے کہ نیچے والے کو جو سہولت حاصل ہوگی، وہ اوپر والے کو نہیں ہوگی، اس لئے نیچے کی قیمت زیادہ رکھی جائے گی۔

(۴) اگر راستہ یا نالی کے اوپر کا حصہ مشترک ہے تو اگر ایک فریق اس کی تقسیم کا مطالبہ کرے تو دیکھا جائے گا کہ تقسیم کے بعد دونوں کے لئے راستہ اور پانی نکلنے کے لئے نالی کی جگہ ہے یا نہیں اور اگر ہے تو تقسیم کردیا جائے گا، ورنہ حکومت ایسی تقسیم کو روک دے گی۔

(۵) ایسی تمام چیزیں جن کی تقسیم میں توڑ پھوڑ یا ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی ضرورت ہو، اس کی تقسیم نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس میں دونوں کا نقصان ہے، مثلاً ایک موٹر ہے، ایک سائیکل ہے، ایک مشین ہے، یا ایک جانور ہے تو ان کی جبری تقسیم نہیں ہوگی یعنی حکومت تقسیم نہیں کرے گی البتہ اپنی رضامندی سے اس کی قیمت لے کر یا کسی اور طریقے سے یا نقصان اٹھا کر تقسیم کریں تو وہ کرسکتے ہیں، وہ اپنے نقصان کے ذمہ دار ہیں، حکومت حتی الامکان نقصان سے بچائے گی۔

(۶) اگر ایک شخص کو مکان ملا اور دوسرے کو خالی زمین تو وہ اپنی خالی زمین میں جو چاہے بنائے اور جتنے دروازے، کھڑکیاں چاہے لگائے اور جتنا اونچا مکان چاہے بنائے، دوسرے حصہ دار کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

(۷) اگر زمین کے اندر درخت ہیں، تو بغیر تصریح کے وہ اس حصہ دار کے ہوں گے جس میں وہ پڑے ہیں۔

وراثت ووصیّت

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١﴾ (سورہ النساء آیت نمبر-۱۱)

’’اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں ،لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گی تو دو سے زائد ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا ،اس مال کا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے حصہ میں چھٹا چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہوں ، اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہوں اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہے ، اور اگر میت کے ایک یا ایک سے زائد بہن یا بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (اور باقی باپ کو) اس وصیت کا حصہ نکال لینے کے بعد میت جس کی و صیت کر جائے یا قرض ادا کرنے کے بعد تمہارے اصول وفروع جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں کون شخص تم کو نفع پہو نچانے میں نزدیک تر ہے، یہ حکم من جانب اللہ مقرر کر دیا گیا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ اَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾

(سورہ النساء آیت نمبر-۱۲)

’’اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہوں، اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہوں تو تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا، وصیت نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دین کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دین کے بعد اور بیبیوں کو چوتھائی حصہ ملے گا اس ترکہ کا جو تم چھوڑ جاؤ، اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے اولاد ہو تو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا، وصیت نکال لینے کے بعد جو تم وصیت کر جاؤ یا دین کے بعد اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی (خواہ وہ میت مرد یا عورت) ایسی ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے، وصیت نکال لینے کے بعد جس کی وصیت کر دی جائے یا دین کے بعد ۔بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہو نچائے ، یہ حکم کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے اور حکیم ہیں‘‘۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(سورہ النساء آیت نمبر۔۱۷۶)

''لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (نہ ماں باپ) اور اس کے ایک عینی یا علاتی بہن ہو تو اس کو تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اپنی بہن کا وارث ہوگا اور اگر وہ بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو، (اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگا، اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے بیان کرتا ہے کہ تم گمراہی میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

قرآن پاک کا یہ معجزہ ہے کہ ان چند آیات کے اندر وراثت اور وصیت کے پورے نظام کو پرو دیا ہے، دنیا کا بڑا سے بڑا زبان داں اور فصاحت و بلاغت کا ماہر بھی اس طرح دریا کو کوزے میں بند نہیں کرسکتا۔ قرآن پاک کے یہ آیات بھی کلام الٰہی ہونے کا بین ثبوت ہیں، ان آیات کی اہمیت کے بارے میں علّامہ قرطبی لکھتے ہیں۔

''یہ آیات علم الفرائض کے احکام کی بنیاد ہیں اور ان میں فرائض کے سارے گوشے کا احاطہ کرلیا گیا ہے، علم فرائض ایسا عظیم الشان علم ہے کہ اسے نصف علم کہا گیا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور علم فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لئے کہ میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں گا تو یہ علم مٹ جائے گا اور ہر طرح کے فتنے ظاہر ہوں گے، یہاں تک کہ میراث کے سلسلہ میں دو آدمی کے درمیان اختلاف ہوجائیگا، مگر وہ ایسا آدمی نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کردے۔

اور جب یہ ثابت ہوگیا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ فرائض کا علم صحابہ کے علوم میں سے ہے اور جن علوم پر ان کی نگاہ ہوتی تھی، ان میں سب سے زیادہ توجہ کا یہ مرکز رہا ہے لیکن بعد کے لوگوں نے اسے ضائع کردیا ہے۔

ان آیات کی وضاحت ذیل کی احادیث سے بھی ہوتی ہے:۔

(تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۵۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرائض کو سیکھو اور سکھلاؤ اس لئے کہ یہ نصف علم ہے اور یہ بھلا دیا جائے اور یہ پہلی شئے ہے جو میری امت سے اٹھالی جائے گی۔ **(ابن ماجہ، دارقطنی)**

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) آیت محکمہ (۲) سنت قائمہ (۳) فریضہ عادلہ یعنی وراثت کی منصفانہ تقسیم۔ ان کے علاوہ تطوع اور فضیلت کی چیزیں ہیں۔ **(مشکوۃ)**

احوص ابن مسعود سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم فرائض سیکھو، اور لوگوں کو سکھاؤ۔ اس لئے کہ میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور علم اٹھا لیا جائے گا۔ وہ وقت قریب ہے کہ لوگ فرائض و مسائل میں اختلاف کریں گے اور وہ کسی کو نہیں پائیں گے، جو ان کو فیصلہ کن بات بتادے۔ **(مشکوۃ)**

اوپر قرآن کی جو آیات نقل کی گئی ہیں ان میں ورثہ کی قسموں اور ان کے حصوں کی پوری تفصیل ہے۔ مگر مجملاً دوسرے آیات میں بھی وراثت کے احکام کا ذکر ہے۔ مثلاً حسب ذیل آیتیں اس سلسلہ میں ہماری مزید رہنمائی کرتی ہیں مگر ان آیات کو آیت توریت کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ گویا یہ آیات مجمل ہیں اور آیت وراثت مفصل ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(سورہ انفال آیت نمبر۔۷۵)

’’اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (میراث) کے زیادہ حقدار ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں‘‘۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

(سورہ الاحزاب، آیت نمبر۔۶)

’’اور رشتہ دار کتاب اللہ کے مطابق ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ بہ نسبت دوسرے مومنین و مہاجرین کے۔ مگر تم اپنے دوستوں سے کچھ اچھا سلوک کرنا چاہو تو وہ جائز ہے یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی تھی‘‘۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

(سورہ النساء آیت نمبر۔۷)

’’مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصّہ ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر یہ حصہ قطعی ہے‘‘۔

ان ہی آیات اور احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرائض کے سارے احکام مستنبط کئے ہیں اور انہی کی روشنی میں اس موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف ہوئی ہیں جن

میں خاکسار کی کتاب اسلامی وراثت دیکھی جا سکتی ہے۔

اوپر قرآن کی جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں حسب ذیل ورثہ اور قرض و وصیت کا ذکر ہے۔

(۱) لڑکے، لڑکیاں۔

(۲) ماں باپ۔

(۳) بیوی۔

(۴) شوہر۔

(۵) بھائی بہن۔

(۶) قرض۔

(۷) وصیت۔

قرآن پاک میں پہلے وصیت کا ذکر ہے پھر قرض کا۔ مگر پہلے قرض کی ادائیگی کی جائے گی، پھر وصیت کا نفاذ ہوگا، اسلئے کہ رسول کریم ﷺ کا اسوہ یہی تھا حضرت علی سے روایت ہے کہ:۔

"انکم لتقرؤن هذه الآية من بعد وصية توصون بها أو دين وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بالدين قبل الوصية"۔

تم لوگ یہ آیت تلاوت کرتے ہو جس میں پہلے وصیت کا پھر قرض کا ذکر ہے مگر رسول اللہ ﷺ کا اسوہ یہ تھا کہ آپ پہلے قرض کے ادا کرنے کا حکم دیتے تھے پھر وصیت کا۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ دین کی ادائیگی مرنے والے کے ذمہ زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی واجب ہے اور دائن یعنی جس کا قرض ہے، اس کو مطالبہ کا حق ہے، اب مدیون مر گیا تو اس کے ورثہ پر اس کی ادائیگی واجب ہے، برخلاف اس کے وصیت

ایک تبرع ہے، اس میں کسی کو وصی کی زندگی میں مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

اس بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے کہ اگر دین حقوق اللہ سے متعلق ہے تو وہ ادا کیا جائے یا نہیں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کی موت کے بعد یہ ساقط ہو گئے، اس کے ترکہ سے ادا کرنے کی ضرورت نہیں، مگر دوسرے ائمہ اس کی ادائیگی کے بھی قائل ہیں۔ مثلاً اس کے ذمہ زکوۃ باقی تھی یا روزہ کا کفارہ باقی تھا تو امام ابوحنیفہ کے یہاں موت کے بعد یہ ساقط ہو گئے اور دوسرے ائمہ کے یہاں ترکہ سے ادا کیے جائیں گے۔

کلالہ

کلالہ وہ شخص ہے جس کے اصول وفروغ میں کوئی زندہ نہ ہو، مثلاً اصول میں ماں باپ یا ان کے اوپر اور فروغ میں لڑکا لڑکی یا ان کے نیچے کے لوگ موجود نہ ہوں۔

کلالہ کے سلسلہ میں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا ذکر سورۂ نساء کی دو آیتوں میں ہے، پہلی آیت میں اخیافی بھائی بہنوں کا ذکر ہے، یعنی وہ سوتیلے بھائی بہن جن کی ماں ایک ہو، اور باپ دو، یعنی پہلے شوہر کی طلاق یا موت کے بعد دوسرے سے نکاح کرلے، اور دوسرے آیت میں علاتی اور عینی بھائی بہنوں کا ذکر ہے، اخیافی بھائی بہنوں کا ذکر اس آیت میں ہے:۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِامْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ

(سورہ نساء، آیت نمبر۔۱۲)

”ایسا مورث خواہ عورت ہو یا مرد ہو جس کے اصول وفروغ میں کوئی نہ ہو یا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اگر ایک سے زیادہ ہوں تو یہ سب تہائی حصہ میں برابر کے شریک ہوں گے“۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

”ولـه أخ اواخـت من أم“ عنی انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ بھائی بہن ہیں جو ماں میں شریک ہیں یعنی اخیافی بھائی بہن۔ (تفسیر قرطبی، روح المعانی وغیرہ)

اخیافی بھائی بہن کا تعلق ماں کی نسبت سے ہوتا ہے، اس لئے ماں کا جو حصہ ہے، وہ ان کا بھی ہے۔ البتہ ورثہ میں صرف اخیافی بھائی بہن ایسے ہیں جن میں حصہ کی تقسیم برابر ہوگی یعنی مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ نہیں ملے گا، بلکہ دونوں برابر برابر میراث تقسیم کریں گے، قرآن کے اشارہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

عینی یعنی حقیقی اور علاتی بھائی بہن

علاتی بھائی بہن وہ ہوتے ہیں، جن کی مائیں دو ہوں اور باپ ایک، عینی بھائی بہن کی موجودگی میں علاتی بھائی بہن محروم ہوتے ہیں، مثلاً احمد کا انتقال ہوا، اس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ ماں باپ، اس کا ایک عینی یعنی حقیقی بھائی اور ایک بہن زندہ ہے، اور اس کے دو علاتی بھائی بہن بھی زندہ ہیں تو عینی حقیقی بھائی بہن کو پوری جائداد مل جائے گی اور علاتی بھائی بہن محروم رہیں گے۔

ذوی الفروض کی تعداد

ذوی الفروض کی کل تعداد ۱۳ ہے، ذوی الفروض وہ لوگ ہیں جن کا حصہ شریعت نے مقرر کر دیا ہے، مگر ان میں سے ہر ایک کو بیک وقت حصہ نہیں ملے گا، بلکہ ان میں بہت سے ورثہ ایسے ہیں جن کو دوسرے وارث کی غیر موجودگی میں حصہ ملے گا، ورنہ محروم رہیں گے۔ مثلاً باپ زندہ ہو تو پوتے پوتیوں کو حصہ نہیں ملے گا، بیٹا موجود ہو تو بیٹی اس کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی، حقیقی بہن موجود ہوگی تو علاتی بہن کو کچھ نہیں ملے گا، ان کے حصوں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قرآن کی جو آیات اور احادیث واقوال صحابہ اوپر نقل کئے گئے ہیں ان سے وارثت اور وصیت کی اہمیت ذہن نشین ہوگئی ہوگی اور چند ورثہ کا ذکر بھی آ گیا ہے اور ساتھ ہی کلالہ کی وراثت کا مسئلہ ذرا اہم تھا، اس لئے ابتدا ہی میں اس کا ذکر کر دیا گیا ہے، آگے اس کے حصوں کی تفصیل آئے گی۔

قرآن پاک میں عموماً اکثر احکام کا ذکر اجمالاً ہوتا ہے اور اس کی تفصیل حدیث نبویؐ سے ہوتی ہے مگر وراثت اور وصیت کی تقسیم میں عموماً نا غیر انصافی ہوتی ہے، اس لئے وراثت کے احکام کے ہر گوشے کی قرآن سے تفصیل کر دی ہے مگر وراثت اور وصیت کے احکام کی تفصیل سے پہلے انفرادی ملکیت اور تقسیم دولت کے اسلامی تصور کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، اوپر بیع وشرا، تبادلۂ اشیاء اور اجرت ومحنت کے بیان میں بھی، اس کا ذکر آ چکا ہے مگر یہاں اس کے بعض مزید پہلوؤں پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

اسلام میں انفرادی ملکیت کے حدود

ایک آدمی تبادلۂ اشیاء کے ذریعے جتنی دولت چاہے کمائے، اس کو وراثت، وصیت کے ذریعہ جس قدر دولت بھی ملجائے اس پر اسلامی شریعت اس کی ملکیت تسلیم کرتی ہے، اور اس کی حاصل کی ہوئی دولت میں اس وقت تک کوئی مداخلت نہیں کرتی، جب تک اس کے ذریعے دوسرے بندگانِ خدا کی ایذا رسانی ثابت نہ ہو جائے یا وہ ان ذرائع سے حاصل کی گئی یا کی جا رہی ہو، جن کو اسلامی شریعت نے مستقلاً حرام قرار دیا ہے، یا پھر حلال ذریعے سے کمائی ہوئی دولت کو کمانے والا اسراف اور فضول خرچی میں نہ اڑا رہا ہو۔

تجہیز وتکفین قرض اور وصیت

کوئی میراث یا ترکہ اس وقت تک تقسیم نہیں ہوسکتا، جب تک تین چیزوں کا خرچ

اس کے ترکہ سے نہ پورا کر لیا جائے، اگر ان تینوں چیزوں میں خرچ کے بعد کچھ نہ بچے تو وارثوں کو کچھ نہ ملے گا، یہ تین چیزیں یہ ہیں۔

(۱) تجہیز وتکفین۔

(۲) قرض۔

(۳) وصیت چونکہ ترکے کی تقسیم پر یہ چیزیں مقدم ہیں، اس لئے پہلے ہم ان ہی کا بیان کرتے ہیں۔

تجہیز وتکفین

مردے نے جو کچھ چھوڑا ہے سب سے پہلے اس کے کفن دفن کا خرچ اس سے پورا کیا جائے گا، لیکن کفن دفن کے خرچ میں فضول خرچی کرنا جائز نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں فضول خرچی کرنے والوں کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

جنازے کے بیان کے سلسلے میں اس کا مسنون طریقہ بتا دیا گیا ہے، اسی کے مطابق تجہیز وتکفین کرنی چاہیئے۔

وصیت کے شرائط

وصیت کے سلسلے میں شریعت نے چند ایسی شرطیں لگا دی ہیں کہ اگر ان کی رعایت کی جائے تو نہ تو ورثہ پر کوئی ظلم ہوسکتا ہے، اور نہ حد سے زیادہ یہ ایک ہی یا چند آدمیوں کے پاس دولت جمع ہوسکتی ہے اور نہ کسی حق دار کا حق مارا جاسکتا ہے، جس وصیت میں یہ شرطیں نہ پائی جائیں گی وہ قانون نافذ نہیں ہوگی۔

۱۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وصیت، تجہیز وتکفین کا خرچ اور قرض وغیرہ ادا کرنے کے بعد پوری کی جائے گی۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے مال یا جائداد میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کی جائے، اگر کوئی ۱/۳ سے زیادہ وصیت کریگا تو ۱/۳ ہی کے اندر اس کی وصیت پوری کی جائے گی، خواہ وہ پوری ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس سے زیادہ وصیت کرنے کا اس کو حق ہی نہیں ہے اور پھر اس میں ورثہ کی حق تلفی بھی ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ ایک بار سخت بیمار پڑے نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، انھوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس مال و جائداد کافی ہے اور میری ایک ہی لڑکی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ترکے کا دو حصہ راہِ خدا میں صدقہ کردوں، آپؐ نے فرمایا کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے پھر انھوں نے کہا کہ اچھا تو آدھا صدقہ کردوں، آپ نے پھر منع فرمایا انھوں نے تیسری بار کہا کہ اچھا تو ایک تہائی (۱/۳) صدقہ کرجاؤں، آپ نے فرمایا کہ:۔

''ہاں تہائی تو کر سکتے ہیں مگر یہ بھی زیادہ ہے''

پھر اس کے بعد آپؐ نے ایک تہائی حکیمانہ بات فرمائی۔

''اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو بالکل تنگ دست بنا کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں''۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگ ۱/۳ کے بجائے صرف ۱/۴ ہی میں وصیت کیا کرتے تو زیادہ بہتر تھا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک تہائی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا (مُوصی) عاقل بالغ ہو اور ہوش وحواس کی حالت میں وصیت کرے، اگر کوئی بچہ یا پاگل وصیت کرے گا، تو اس کی وصیت بے کار ہوگی۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ موصی جس کو وصیت کر رہا ہے وہ (وصی) اس کے ترکے کا

وارث نہ ہو کیونکہ وہ تو ترکے سے حصہ پائے گا ہی۔ اس کو دوہرا حصہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے تو ہر حق دار (وارث) کا حق دے ہی دیا ہے، اس لئے کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی جائے۔ (بخاری)

وصیت سے وارث کی صورتیں

وصیت کے ذریعے جائداد یا روپیہ وغیرہ میں وارث کے حصہ پانے کی صرف دو صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ دوسرے ورثہ اس پر راضی ہو جائیں، خواہ وہ موصی کی زندگی ہی میں راضی ہو جائیں یا مرنے کے بعد، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، البتہ اگر دوسرے ورثہ اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہوگی۔ (دارقطنی)

۲۔ دوسرے یہ کہ کوئی استحقاق کے اعتبار سے تو وراثت کے پانے کا حق دار تھا لیکن کسی دوسرے سبب کی وجہ سے وہ محروم ہوگیا ہے۔ مثلاً دادا کی موجودگی میں کسی کا باپ مر جائے تو وہ پوتا شرعی اعتبار سے محجوب ہو جاتا ہے، یعنی اس کو دادا کے ترکے سے حصہ نہیں ملے گا لیکن دادا وصیت کرجائے تو اس کو حصہ ملے گا، بلکہ ایسے محروم ورثہ کو وصیت کرجانا بڑا کارِثواب ہوگا۔

جائز وصیتیں

اگر کوئی نیک اور جائز کام کی وصیت کرجائے تو وہ پوری کی جائیگی مثلاً کسی پر حج فرض تھا اور اس نے اس کے لئے روپے بھی جمع کیا تھا مگر حج سے پہلے انتقال ہوگیا، اور

انتقال کے وقت اس نے حج بدل کی وصیت کی تو اس کی یہ وصیت پوری کی جائے گی، لیکن ایک ثلث سے زیادہ مال ورثہ کی اجازت کے بغیر اس وصیت کے پورا کرنے میں خرچ نہیں کیا جائے گا، اگر اس کے وطن سے جانے میں ثلث مال سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو حجاز ہی کے کسی آدمی کے ذریعے حج کرا دیا جائے تاکہ اس کی وصیت بھی پوری ہو جائے اور ایک ثلث سے زیادہ مال بھی خرچ نہ ہو۔

۲۔ اگر کسی نے کوئی چیز صدقہ کرنے یا غلہ صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے تو اس چیز یا اس غلے کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے اس چیز کا دینا یا اتنا غلہ ہی دینا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ اگر کسی نے وصیت کی کہ میرا فلاں دوست یا فلاں عزیز میرے مکان میں بغیر کرایہ ادا کئے رہے تو یہ وصیت جائز ہے لیکن اگر اس نے ایک ہی مکان چھوڑا ہے تو اس کی وصیت صرف ۳/۱ میں نافذ ہوگی یعنی اس کے دوست کو صرف ۳/۱ مکان رہنے کے لئے دیا جائے گا بقیہ ورثہ کا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ معاملا کو صحیح طریقہ سے سمجھ کر سنت کے مطابق عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

دعاؤں کا طالب

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا مفتی محمد سرور فاروقی ندوی صاحب کا تعارف

نام۔	محمد سرور فاروقی ندوی
ولدیت۔	جناب محمد حنیف فاروقی
اعلیٰ دینی تعلیم۔	عالمیت، فضیلت و افتاء (دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
اختصاص۔	قرآن و فقہ (دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
علیا تک کی عصری تعلیم۔	ایم، اے (لکھنؤ)
عالیہ تک کی عصری تعلیم۔	ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ (الہ آباد، یو، پی)
اردو کی اعلیٰ تعلیم۔	کامل اور معلم (علی گڑھ)
سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم۔	آچاریہ (بنارس)
اسلامی تدریبی کورس۔	جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ (سعودی عرب)

موجودہ ذمہ داریاں

صدر۔	جمعیت پیام امن (لکھنؤ)
صدر۔	مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی مانوسیوا سمیتی، (لکھنؤ)
ڈائرکٹر۔	مرکز التوحید الاسلامی (لکھنؤ)
صدر۔	جامعہ دار ارقم تعلیمی سوسائٹی (الہ آباد)
ڈائرکٹر۔	ارقم ماڈل اسکول (لکھنؤ)
نائب ناظم۔	جامعہ دار ارقم (فتحپور)
جنرل سکریڑی۔	آل انڈیا، جمعیت دار العمل (لکھنؤ)

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی (مفسر قرآن) کی اہم تصانیف

نام	مصنف	زبان	قیمت
۱- قرآن کا پیغام (قرآن کا آسان ہندی ترجمہ) (سائز- 20x30/8)	(مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)	ہندی	۲۰۰
۲- قرآن کا پیغام (قرآن کا آسان ہندی ترجمہ) (سائز- 20x30/16)	// // //	ہندی	۱۰۰
۳- قرآن کا پیغام (قرآن کا آسان ہندی ترجمہ) (سائز- 20x30/32)	// // //	ہندی	۷۵
۴- قرآن کا پیغام (پارہ عمّ ترجمہ اور تشریح)	//	ہندی	۱۲۰
۵- تفسیر فاروقی (قرآن کی ہندی تفسیر پارہ نمبر ۱ سے ۵ تک)	//	ہندی	۳۰۰
۶- تفسیر فاروقی (قرآن کی ہندی تفسیر پارہ نمبر ۵ سے ۱۰ تک)	//	ہندی	۳۰۰
۷- اسلام دھرم کیا ہے؟ (قبول حق کے بعد اسلامی کورس)	//	ہندی	۱۴۰
۸- جہاد، آتنک واد اور اسلام	//	ہندی	۱۱۰
۹- ہندی پتر کارتا اور میڈیا لیکھن	//	ہندی	۶۰
۱۰- انتم سندیشٹا کہاں کب اور کون؟ (ہارڈ باؤنڈ)	//	ہندی	۱۱۰
۱۱- انتم سندیشٹا کہاں کب اور کون؟ (پیپر بیک)	//	ہندی	۹۰
۱۲- جنت کے حالات اور جنتی (قرآن وسنت کی روشنی میں)	//	ہندی	۶۰
۱۳- کفر اور شرک کی حقیقت (قرآن وسنت کی روشنی میں)	//	ہندی	۶۰
۱۴- رسول اللہؐ کا حلیہ مبارک اور آپؐ کی سنتیں	//	ہندی	۶۰
۱۵- صحابہ کا اسلام اور اس کے بعد	//	ہندی	۵۰
۱۶- اذان کیا ہے؟	//	ہندی	۲۰
۱۷- آؤ نماز کی اُور	//	ہندی	۳۲
۱۸- روزہ کا حکم اور اس کے مسائل (قرآن وسنت کی روشنی میں)		ہندی	۳۰
۱۹- حج اور عمرہ کا آسان طریقہ (قرآن وسنت کی روشنی میں)		ہندی	۲۰

۲۰- زکوٰۃ کا حکم اور اس کے مسائل (قرآن وسنت کی روشنی میں)		ہندی	۳۰
۲۱- آپ کے سوالوں کا آسان حل (حصہ اول)	//	ہندی	۴۰
۲۲- جھاڑ پھونک اور تعویز گنڈے (قرآن وسنت کی روشنی میں)		ہندی	۲۰
۲۳- اسلام کی بنیادی معلومات سوال وجواب کی روشنی میں	//	ہندی	۴۰
۲۴- رسول اللہؐ کی سیرت سوال وجواب کی روشنی میں	//	ہندی	۳۰
۲۵- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی	//	ہندی	۳۰
۲۶- بیوی شوہر کی ذمہ داریاں (شریعت کی روشنی میں)	//	ہندی	۳۰
۲۷- آدھونک ہندی ویاکرن اور میڈیا لیکھن	//	ہندی	۹۰
۲۸- سورۂ فاتحہ کی تفسیر	//	ہندی	۳۰
۲۹- توحید کی حقیقت (قرآن وسنت کی روشنی میں)	//	ہندی	۳۰
۳۰- پَوتر قرآن کا سندیش انسانی دنیا کے نام	//	ہندی	۳۰
۳۱- اسلام دھرم تلوار سے پھیلا یا سداچار سے		ہندی	۴۰
۳۲- موبائل سے سمبندھت مسائل (شریعت کی روشنی میں)	//	ہندی	۲۰
۳۳- اللہ کے پیارے نبیؐ ایک نظر میں	//	ہندی	۱۵
۳۴- سرشٹی کا شرشٹہ اور قرآن	//	ہندی	۱۵
۳۵- اسلام؟	//	ہندی	۰۵
۳۶- آخری رسول کب، کہاں اور کون	//	ہندی	۹۰
۳۷- حضرت محمد ﷺ اور جزیرۂ عرب	//	ہندی	۳۰
۳۸- غیر مسلموں سے تعلقات اور مذہبی آزادی	//	ہندی	۳۰
۳۹- اسلام میں جزیہ، خراج اور ذمیوں کے اختیارات	//	ہندی	۳۰
۴۰- قرآن کے مثالی نمونے اور لازوال معجزہ	//	اردو	۳۰
۴۵- قرآن میں انسان کا مقام اور اس کا اعلیٰ مقصد	//	اردو	۳۰
۴۲- اعمال کو باطل کرنے والی چیزیں اور نیت کی اہمیت	//	اردو	۳۰
۴۳- اسلامی قانون وراثت اور میراث کی تقسیم	//	اردو	۳۰
۴۴- امت محمدیہ کی عزت کا معیار اور بنی اسرائیل	//	اردو	۳۰

۴۵۔ اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق	//	اردو	۵۰
۴۶۔ ہندودھرم،ان کے فرقے تنظیمیں اوراداروں کا تعارف	//	اردو	۷۰
۴۷۔حضرت محمدؐ کا ذکراور مورتی پوجا کی ممانعت ویدوں کی دنیا میں	//	اردو	۳۰
۴۸۔ بودھ دھرم اور اسلام	//	اردو	۵۰
۴۹۔ غیر مسلموں میں طریقۂ دعوت اسلوب انبیاء کی روشنی میں	//	اردو	۷۰
۵۰۔ قیامت تک کے فتنے (رسول ﷺ کی پیشن گوئی کی روشنی میں)	//	اردو	۶۰
۵۱۔ طلاق کا اسلامی طریقہ (قرآن وسنت کی روشنی میں)	//	اردو	۳۰
۵۲۔ اللہ کی طرف سے رزق کی تقسیم (اور کمزور طبقے کی کفالت)		اردو	۳۰
۵۳۔ قرآن کے مطابق دولت کا استعمال		اردو	۶۰
۵۴۔ زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ (قرآن وسنت کی روشنی میں)	//	اردو	۱۵
۵۵۔ رسول اللہ ﷺ کی مختصر سیرت (مستند کتب سیرت کی روشنی میں)	//	اردو	۲۰
۵۶۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے انمول موتی (سوال وجواب کی روشنی میں)		اردو	۱۸
۵۷۔ رسول اللہؐ کا حلیہ مبارک اور آپؐ کی سنتیں	//	اردو	۶۰
۵۸۔ داڑھی کی اہمیت (شریعت کی روشنی میں)	//	اردو	۳۰
۵۹۔ مدارس اسلامیہ کے نصاب کا تاریخی جائزہ	//	اردو	۳۰
۶۰۔روزہ، تراویح،صدقہ،اوراعتکاف کے احکام ومسائل	//	اردو	۳۰
۶۱۔ حج اور عمرہ کا مکمل طریقہ (شریعت کی روشنی میں)	//	اردو	۱۵
۶۲۔ اسلامی کویز (سوال وجواب کی روشنی میں)	//	اردو	۳۵
۶۳۔ تفسیر کا بنیادی مأخذ اور مفسر کی خصوصیت	//	اردو	۲۰
۶۴۔ ہندوستان میں قرآن کے ترجمے وتفاسیر کا مختصر تعارف	//	اردو	۲۰
۶۵۔ اسلام میں تجارت کا طریقہ	//	اردو	۸۰
۶۶۔ اسلامی معاشیات کا تقابلی جائزہ	//	اردو	۲۰
۶۷۔ اسلام کا زرعی نظام	//	اردو	۴۰
۶۸۔ دولت کی پیدائش اور عطیات قدرت	//	اردو	۳۰
۶۹۔ مسلمانوں کے فرقے اور اُن کے عقائد	//	اردو	۶۰
۷۰۔ حرام،حلال اور مباح چیزیں	//	اردو	۲۰

۷۱۔ حضرت محمد ﷺ کی صفات	//	اردو	۳۰
۷۲۔ الہندوسیہ مبادؤھا عقائدوھا،مسطما تہاواحدافہما	//	اردو	۴۰
۷۳۔ ذکر محمدؐ فی الوید	//	عربی	۳۰
۷۴۔ محمد دی لاسٹ پروفٹ۔انڈردی شیڈ آف وید	//	انگریزی	۴۰
۷۵۔ محمد ﷺ انڈ اسٹیٹس اوف ورشپ	//	انگریزی	۳۰
۷۶۔ بیسک ٹیچنگ آف اسلام	//	انگریزی	۶۰
۷۷۔ دی سواڈ آف اسلام	//	انگریزی	۳۰
۷۸۔ آذان،اے کالنگ فار ہیومینٹی	//	انگریزی	۲۰
۷۹۔ اسلام؟	//	انگریزی	۰۷
۸۰۔ منتخب احادیث (مصنف: حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ) (مترجم: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۶۰
۸۱۔ قادیانیت نبوت محمدی کے خلاف بغاوت (مصنف: امام حرم عبداللہ السبیل) (مترجم: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۱۰
۸۲۔ عقیدۃ الواسطیہ (مصنف: احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہؒ) (مترجم: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۴۰
۸۳۔ سلاسل اربعہ (مصنف: مولانا ابوالحسن علی ندوی) (مترجم: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۱۵
۸۴۔ دارارقم کا احسان انسانی دنیا پر (مصنف: مولانا ابوالحسن علی ندوی)		ہندی	۲۰
۸۵۔ مانوتا آج بھی اسی چوکھٹ کی محتاج ہے (مصنف: مولانا محمد حسنیؒ) (مترجم: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۲۰
۸۶۔ رمضان کا تحفہ (مصنف: مولانا محمد رابع حسنی ندوی) (مترجم: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۲۰
۸۷۔ یکساں سول کوڈ اور مہیلاؤں کے ادھیکار (مصنف: مولانا محمد رابع حسنی ندوی) (مترجم: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۲۰
۸۸۔ مالک ومخلوق میں شریشٹھ کون؟ (وچارک: محمد مصطفی قادری) (تصحیح وترتیب: مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۲۰
۸۹۔ یتیموں کی کفالت (مصنف: محمد عامر صدیقی ندوی) (ترجمہ : مفتی محمد سرور فاروقی ندوی)		ہندی	۲۰

رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک

اور

آپ ﷺ کی سنتیں

اس میں رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک اور آپ ﷺ کے کھانے پینے، سونے جاگنے، کپڑا پہننے، کنگھا کرنے، تیل لگانے ناخن کاٹنے، استنجاء کرنے، جوتا پہننے، انگوٹھی پہننے، مسجد اور گھر میں داخل ہونے، بازار جانے، گفتگو کرنے، وضو، غسل، اذان، نماز، دعاء، رمضان، عیدین، سفر، سلام، نکاح، میت اور اس سے متعلق سنتوں سے لے کر آپ ؐ کے اخلاق وعادات کا تفصیل سے ذکر ہے۔

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی فتحپوری
(صدر جمعیت پیام امن، لکھنؤ)

مکتبہ پیام امن
ندوہ روڈ، ڈالی گنج لکھنؤ۔۲۰ (یو، پی)

رسول اللہ ﷺ کی سیرت

کے انمول موتی

اس میں حضرت محمّد ؐ کا خاندان، چچا، پھوپھیاں، والد، والدہ، رضاعی بھائی بہن، آپ ؐ کی بیویوں اور اولادوں سے متعلق معلومات کے ساتھ آپ ؐ کی پوری زندگی کا تذکرہ سوال وجواب کی شکل میں دیا گیا ہے، جو بچوں کے لئے مفید ہے۔

مصنّف
مفتی محمّد سرور فاروقی ندوی
(صدر جمعیت پیام امن)

مکتبہ پیام امن
ندوہ روڈ، ڈالی گنج لکھنو۔۲۰

اسلامی کویز

سوال وجواب کی روشنی میں

بچّوں کے لئے اسلامی کورس

اسمیں اسلام کے عقائد، پاکی، ناپاکی، وضو،غسل ،نماز، روزہ، حج ،زکوٰۃ، وراثت قرآن، حدیث، اسلامی حکومت، سزائیں، عدالت، حقوق اور نبیوں و خلفاء راشدین سے متعلق معلومات سوال وجواب کی شکل میں دیا گیا ہے۔ جو بچّوں کا اسلامی ذھن بنانے کے لئے بہت ہی مفید ہے۔

مفتی محمّد سرور فاروقی ندوی

(صدر جمعیت پیام امن)

مکتبہ پیام امن

ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنو ۲۰ (یو، پی) الہند

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

اور

مورتی پوجا کی ممانعت

ویدوں کی دنیا میں

مرتب

محمد سرور فاروقی ندوی

مکتبہ پیامِ امن

ندوۃ، برولیا، ندوہ روڈ۔ ڈالی گنج، لکھنؤ۔۲۰

ہندو دھرم
فرقے
تنظیمیں اور اداروں کا
تعارف

مرتب

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی فتحپوری (آچاریہ)
(صدر جمعیت پیام امن)

مکتبہ پیام امن
ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ-۲۰